دولت کے پجاری

اقبال کاظمی

6

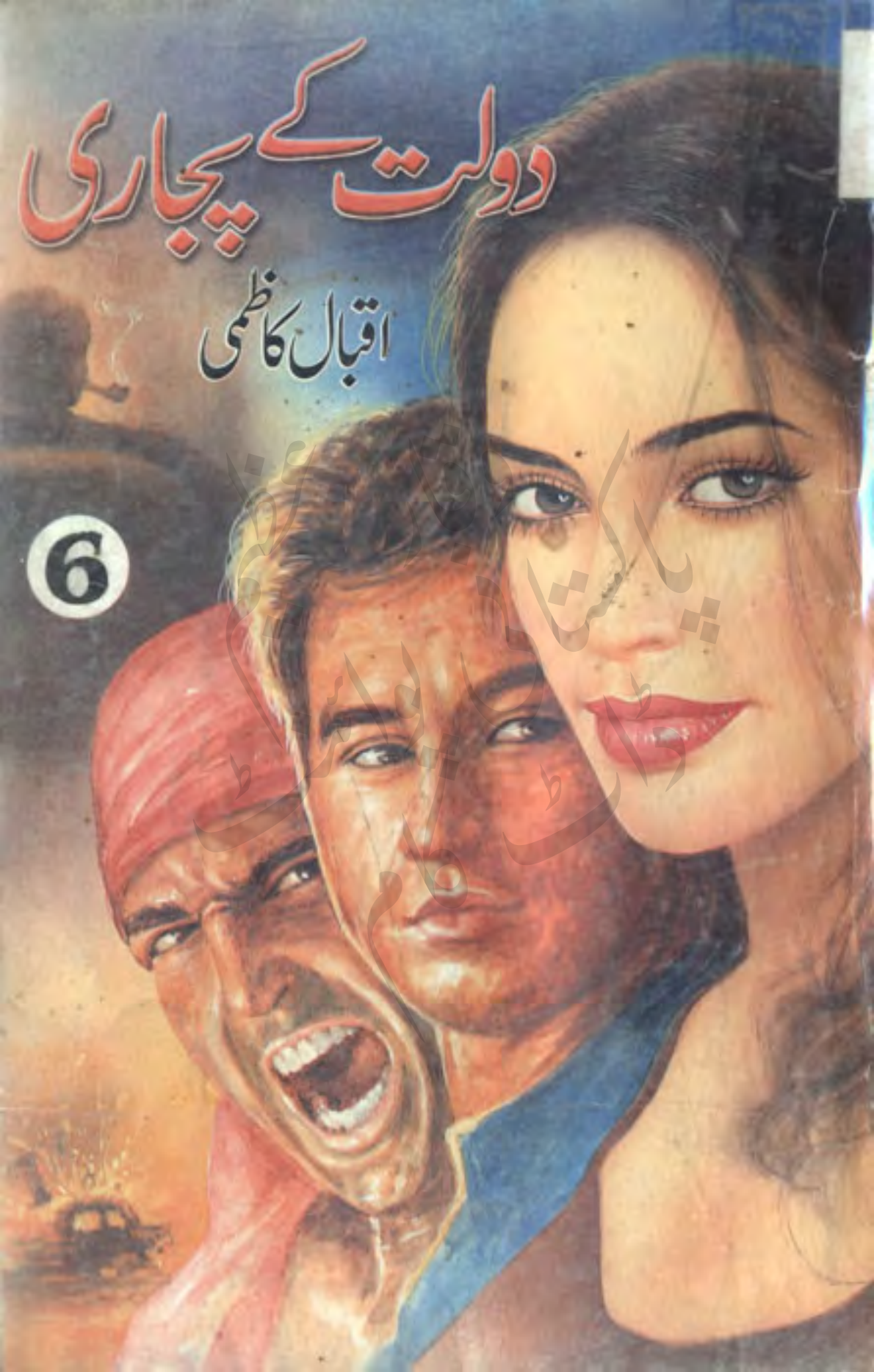

شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ یہ خط کس نے لکھا تھا۔ صرف حاجی ہی افغانستان کا حوالہ دے سکتا تھا۔ یہ تحریر پڑھ کر شارق کا خون کھول گیا۔ اس کی مٹھیاں بھینچ گئیں۔ اس نے کاغذ پتلون کی جیب میں ٹھونس لیا اور کمرے کا جائزہ لینے لگا۔

الماری کھلی ہوئی تھی۔ کپڑے اور تمام چیزیں فرش پر بکھری ہوئی تھیں۔ وہ اس کمرے سے نکل آیا اور گھوم پھر کر گھر کا جائزہ لینے لگا۔ اس گھر میں کوئی اور ایسی جگہ نہیں تھی جس کی تلاشی لینے کی ضرورت پڑتی۔ وہ دوبارہ اپنے کمرے میں آگیا اور خفیہ میکنزم کے ذریعے الماری کے پیچھے پوشیدہ خانہ کھول لیا۔ وہ بریف کیس جوں کا توں موجود تھا۔ اس نے بریف کیس نکال لیا اور خفیہ خانہ بند کر دیا اور ایک بار پھر چچا شلی کی لاش کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے شلی کی موت کا افسوس ہو رہا تھا۔ بے چارہ بے گناہ مارا گیا تھا۔

اس نے آخری نظر لاش کی طرف دیکھا اور بریف کیس اٹھا کر کمرے سے باہر آگیا۔ اچانک ہی اس کے ذہن میں ایک اور خیال آیا اس مکان کے بارے میں حاجی کو پتا چل گیا تھا۔ اس کے آدمی بڑے اطمینان سے یہاں آکر چچا شلی کو قتل کر کے چلے گئے تھے۔ انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ چابی کہاں رکھی جاتی تھی یا ہو سکتا ہے انہوں نے شلی سے معلوم کر لی ہو۔

شارق کے ذہن میں خیال آیا تھا کہ ہو سکتا ہے اس وقت بھی مکان کی نگرانی کی جا رہی ہو اسے مکان میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ کر پولیس کو اطلاع دے دی ہو۔ وہ پولیس کے لئے موسٹ وانٹڈ آدمی تھا۔ اگر وہ پولیس کی گرفت میں آگیا تو حاجی کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اسے اپنے دشمن سے نجات مل جائے گی۔

یہ سوچتے ہی شارق تیزی سے باہر نکلا۔ اس نے دروازہ بند کر کے کنڈا لگا دیا۔ تالا لگانے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور باہر کے گیٹ کے پاس آکر اس کے اوپر سے گلی میں جھانکنے لگا۔ اتفاق سے اس وقت گلی میں کوئی نہیں تھا۔ وہ بڑی آہستگی سے گیٹ کھول کر باہر آگیا اور سڑک کی طرف جانے کے بجائے بائیں طرف مڑ گیا۔ چند گز آگے دائیں طرف ایک اور تنگ سی گلی مڑتی تھی جو اس وقت گہری تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ شارق اس گلی میں مڑا ہی تھا کہ ایک گاڑی

تیزی سے سڑک سے اس کے مکان والی گلی میں مڑی۔ شارق اس وقت بڑی پھرتی سے اس تنگ اور تاریک گلی میں مڑ گیا تھا۔ اس نے ایک لمحہ کو مڑ کر دیوار کی آڑ سے دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔

وہ پولیس کی جیپ تھی جو بریکوں کی تیز چرچراہٹ کی آواز سے اس کے مکان کے سامنے رکی تھی اور کئی پولیس والے نیچے اتر کر اس کے مکان کو گھیرے میں لے رہے تھے۔ شارق مڑ کر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا تاریک گلی میں چلنے لگا۔ اس کے بائیں ہاتھ میں بریف کیس تھا۔ دایاں ہاتھ خالی تھا اور وہ ایک لمحہ کے نوٹس پر قمیض کے نیچے پتلون میں اڑسا ہوا پستول نکال سکتا تھا۔

اس نے دوڑنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس طرح قدموں کی آواز پولیس والوں کو اس کی طرف متوجہ کر سکتی تھی۔ وہ تیز تیز چلتا رہا اور کئی گلیوں میں گھومنے کے بعد مین روڈ اور مکانوں کے درمیان نالے کے قریب پہنچ گیا۔ نالا خاصا چوڑا تھا۔ اسے پھلانگ کر پار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا چند گز آگے۔ نالے پر ایک تختہ رکھا ہوا تھا۔ یہ تختہ شاید پیدل آمد و رفت کے لئے نالے پر رکھا گیا تھا۔ شارق نالا عبور کر کے سڑک پر آ گیا۔

شارق سڑک پر تیز تیز چلنے لگا۔ دائیں طرف نالا اور بائیں طرف پارک تھا۔ پارک کے دوسری طرف وہ سڑک تھی جس سے چوبرجی کی طرف آیا جا سکتا تھا۔ اس طرح دونوں سڑکیں ون وے ٹریفک کے طور پر استعمال ہوتی تھیں۔

شارق بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہا تھا۔ وہ ابھی زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ پیچھے سے ایک رکشہ آتا ہوا دکھائی دیا۔ شارق نے ہاتھ اٹھا دیا۔ رکشہ اس کے قریب رک گیا۔

"کہاں جانا ہے جی؟" ڈرائیور نے پوچھا۔

"بھائی۔" شارق نے مختصر سا جواب دیا۔

"میرے ساتھ ایک اور سوار بھی ہے۔ بیٹھ جائیں۔ آپ کو بھائی چوک پر اتار دوں گا۔" ڈرائیور نے کہا۔

شارق نے پہلی مرتبہ رکشے کی پچھلی سیٹ کی طرف دیکھا۔ تاریکی کے باوجود اسے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ ایک عورت تھی۔ وہ یہ بھی سمجھ گیا کہ یہ عورت کس قسم کی ہو گی۔ کوئی شریف عورت آدھی رات کو تنہا اس طرح رکشے پر نہیں پھر سکتی۔ وہ یقیناً" کوئی آوارہ عورت تھی اور شکار کی تلاش میں تھی اور رکشہ والا بھی اس کا ساتھی تھا۔

شارق اس علاقے سے نکلنا چاہتا تھا۔ وہ رکشے میں بیٹھ گیا۔ رکشہ حرکت میں آتے ہی عورت اپنی جگہ سے کھسک کر شارق کے ساتھ چپک گئی۔ تیز قسم کے سینٹ کی بو شارق کے نتھنوں سے

ٹکرا رہی تھی۔

"باؤ جی۔" وہ عورت اس کی طرف دیکھتے ہوئے مدہم لہجے میں بولی۔ "اگر جلدی نہ ہو تو تھوڑا سا وقت میرے ساتھ بھی گزار لو نا۔۔۔ خوش کر دوں گی اور پیسے بھی زیادہ خرچ نہیں کرنے پڑیں گے۔"

"شاید تم اسی لئے رکشے میں سڑکوں پر پھر رہی ہو۔" شارق بولا۔ "میں بھی آج فارغ ہوں اور اکیلا بھی۔ تمہارے ساتھ کچھ وقت گزار لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ میں تمہارے لئے چار پانچ سو روپے خرچ کر سکتا ہوں۔"

"دل خوش کیتا ای باؤ۔" رکشے والا پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے بولا۔ "اب بتاؤ کہاں چلوں۔ اس کے گھر جاؤ گے یا تمہارے پاس کوئی جگہ ہے۔"

"میں کسی اور کے ساتھ جانے کے بجائے اپنے ہی گھر کو ترجیح دیتا ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔ "اکیلا ہی رہتا ہوں۔ کسی کی مداخلت کا خطرہ بھی نہیں ہے۔ تم رکشے کو پیر مکی شریف کی طرف لے چلو۔"

رکشہ اس وقت بھاٹی چوک کی طرف جانے والی سڑک پر مڑ چکا تھا۔ ڈرائیور نے اسے ایک گلی میں موڑ لیا اور دوسری سڑک سے ہوتا ہوا داتا دربار کے سامنے والی سڑک پر نکل آیا۔ داتا دربار سے تقریباً" نصف میل آگے پیر مکی شریف کا علاقہ تھا۔ شارق نے رکشہ ایک کشادہ گلی میں مڑوا کر رکوا لیا۔

"اگر تم چاہو تو اسے لینے کے لئے صبح چھ بجے اسی گلی کے موڑ پر پہنچ جانا۔ میں رکشہ آگے نہیں لے جا سکتا۔ میرا گھر زیادہ دور نہیں ہے۔ ہم یہاں سے پیدل چلیں گے۔ یہ لو۔ اپنا انعام۔" شارق نے کہتے ہوئے جیب سے سو روپے کا نوٹ نکال کر رکشہ ڈرائیور کی طرف بڑھا دیا۔

وہ عورت اور ڈرائیور دونوں ہی ایک لمحہ کو جزبز ہوئے تھے لیکن بہرحال اس عورت کو شارق کے ساتھ رکشے سے اترنا پڑا تھا۔ رکشہ مڑ کر واپس چلا گیا۔ شارق اس عورت کے ساتھ چلنے لگا۔ بجلی کے ایک کھمبے کے قریب سے گزرتے ہوئے شارق نے گردن گھما کر اس عورت کی طرف دیکھا۔ اس نے بہت گہرا میک اپ کیا ہوا تھا اور اس میں شبہ نہیں تھا کہ اس کا تعلق ہیرا منڈی سے تھا۔

رات اگرچہ آدھی بیت چکی تھی لیکن ان گلیوں میں اکا دکا لوگوں کی آمد و رفت تھی۔ قریب سے گزرتے ہوئے ایک دو آدمیوں نے بڑی گھورتی ہوئی نظروں سے ان کی طرف دیکھا تھا۔

"ایک منٹ۔ تم یہاں رکو۔ میں اپنے مکان کی چابی لے آؤں۔" شارق ایک گلی کے موڑ پر

رکتے ہوئے بولا۔

"کہاں سے؟" عورت نے پوچھا۔

"ایک مائی میرے گھر میں صفائی وغیرہ کا کام کرتی ہے۔ میں صبح جاتے ہوئے چابی اسے دے جاتا ہوں اور واپس آ کر لے لیتا ہوں۔ اس گلی میں تیسرا چوتھا مکان ہے دو منٹ لگیں گے۔" شارق نے کہا اور اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر گلی میں گھس گیا۔

اس گلی میں دو مکان چھوڑ کر ایک اور گلی تھی۔ شارق اس گلی میں گھس گیا اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوئے چلنے لگا۔ کچھ ہی دیر بعد مختلف گلیوں سے ہوتا ہوا وہ دوبارہ سڑک پر آ گیا اور لاری اڈا کی طرف جانے والے ایک تانگے پر بیٹھ گیا۔ اس عورت کے بارے میں سوچ کر وہ دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ وہ بھی کیا یاد کرے گی کہ کس سے پالا پڑا تھا۔

شارق لاری اڈے کے سامنے سرکلر روڈ پر تانگے سے اتر گیا۔ لاری اڈا ہونے کی وجہ سے اس سڑک پر کچھ آمد و رفت تھی۔ شارق موڑ پر کھڑا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ ایک رکشہ اس کے قریب آ کر رکا۔ شارق رکشے میں بیٹھ گیا۔

"کہاں جانا ہے شارق باؤ۔" یہ الفاظ رکشہ والے نے پیچھے مڑ کے دیکھے بغیر کہے تھے۔ شارق اپنا نام سن کر اچھل پڑا۔ "کون ہو تم؟" اس کا دایاں ہاتھ بڑی پھرتی سے قمیض کے نیچے پستول کے دستے پر پہنچ گیا تھا۔

"گھبراؤ نہیں یار شارق باؤ۔" رکشے والے نے پر سکون لہجے میں جواب دیا۔ میں تمہارا دوست ہوں۔ اگر دشمن ہوتا تو اس طرح تم سے بات نہ کرتا بلکہ تمہارا کوئی اور بندوبست کرتا۔"

"چلو مان لیا کہ تم دشمن نہیں دوست ہو۔" شارق گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔ "مگر تم ہو کون کیا نام ہے تمہارا اور مجھے کیسے والے سے جانتے ہو؟"

"میرا نام طفیل ہے ویسے میرے جاننے والے مجھے طفیلا کے نام سے پکارتے ہیں۔ میں ماسی مہراں کا بھانجا ہوں۔ ایک مرتبہ تمہیں وہیں دیکھا تھا۔" ڈرائیور نے جواب دیا۔

"اوہ!" شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ "ماسی مہراں سے تمہارا نام تو میں نے سنا ہے۔ شاید دیکھا بھی ہو۔ کیا حال ہے ماسی مہراں کا؟"

"بیمار ہے جی۔" طفیل عرف طفیلا نے جواب دیا۔ "کہاں جانا ہے آپ کو بتائیں، میں پہنچا دوں گا۔"

"ماسی مہراں کے گھر ہی لے چلو یار، وہیں پہنچ کر کوئی پروگرام بنائیں گے۔" شارق نے جواب دیا اور سیٹ پر پھیل کر بیٹھ گیا۔ اس نے بریف کیس بھی قریب ہی سیٹ پر رکھ لیا تھا۔

رکشہ حرکت میں آ گیا۔ سڑکوں پر ٹریفک کم ہو گیا تھا۔ البتہ ریلوے سٹیشن کے سامنے خاصی رونق تھی۔ طفیل نے رکشہ میکلوڈ روڈ کی طرف موڑ لیا۔

"بہت عرصہ سے تمہارے بارے میں کچھ سنا نہیں شارق باؤ۔ جج گجر اور اس کی پارٹی کو تو تم نے ختم کر دیا۔ کیا تم بھی ٹھنڈے ہو گئے ہو۔" طفیل نے کہا۔

"میں لاہور سے باہر گیا ہوا تھا۔" شارق نے جواب دیا۔ "یہ رکشہ تمہارا اپنا ہے یا کرائے پر چلاتے ہو؟" اس نے موضوع بدل دیا۔

"کرائے پر لیا ہوا ہے جی۔ اپنی ایسی قسمت کہاں کہ رکشے کا مالک بن سکوں۔" طفیل نے جواب دیا۔

شارق، طفیل سے اس بارے میں کرید کرید کر پوچھتا رہا۔ حاجی سے ٹکر لینے کے لئے اسے آدمیوں کی ضرورت تھی اور اس کے خیال میں طفیل سے کام لیا جا سکتا تھا۔ باتوں سے تو وہ بہت نڈر اور بے خوف معلوم ہوتا تھا اور ویسے بھی وہ زیر زمین دنیا کے بارے میں بہت کچھ جانتا تھا۔

رکشہ مزنگ کے علاقے میں داخل ہو کر مختلف گلیوں میں گھومتا ہوا ایک گلی میں ماسی مہراں کے مکان کے سامنے رک گیا۔ شارق نے یہاں آنے کا فیصلہ اچانک ہی کیا تھا۔ طفیل نے اسے پہچان لیا تھا اور وہ اسے اپنے کسی ٹھکانے تک نہیں لے جانا چاہتا تھا۔ طفیل نے رکشہ بند کر دیا اور نیچے اتر کر سامنے مکان کا دروازہ کھٹ کھٹانے لگا۔

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی اور ظاہر ہے سب لوگ گہری نیند سو رہے تھے۔ دو تین مرتبہ دستک دینے کے بعد دروازہ کھلا۔ شارق کا خیال تھا کہ دروازہ ماسی مہراں ہی کھولے گی کیونکہ وہ اکیلی ہی رہتی تھی۔ لیکن ایک جوان اور خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر شارق چونک سا گیا۔ اس لڑکی کو اس نے پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ وہ شاید گہری نیند سے بیدار ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"ارے رابعہ! تم کب سے یہاں آئی ہوئی ہو۔" طفیل اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "راستے سے تو ہٹو۔ ماسی کا پروہنا آیا ہے۔ جاؤ اسے جا کر بتا دو۔"

طفیل کے ساتھ ہی شارق بھی اندر داخل ہو گیا۔ رابعہ نامی اس لڑکی نے دروازہ بند کر دیا اور ماسی مہراں کو جگانے کے لئے تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اندر چلی گئی۔ شارق طفیل کے ساتھ دوسرے کمرے میں آ گیا تھا۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ بریف کیس اس نے دوسری کرسی پر رکھ دیا تھا۔ تقریباً پانچ منٹ بعد ہی ماسی مہراں کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں نیند کا خمار تھا لیکن شارق کو دیکھ کر اس کی نیند غائب ہو گئی۔ وہ آگے بڑھ کر شارق سے اس طرح ملی جیسے اپنے بیٹے

سے مل رہی ہو۔ اس نے ثمینہ کی بھی خیریت دریافت کی تھی۔

"نی رابو۔" وہ رابعہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "جلدی سے چائے بنا کر لا۔" رابعہ دروازے میں کھڑی تھی۔ وہ باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔ ماسی مہراں شارق سے گلے شکوے کرتی رہی کہ تین چار مہینوں سے کسی نے اس کی خبر ہی نہیں لی۔

"ہم یہاں نہیں تھے ماسی۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں دو دن پہلے ہی تو واپس آیا ہوں۔ اب تم فکر مت کرو۔ تمہاری خیر خبر لیتے رہیں گے۔"

اسی دوران رابعہ چائے بنا کر لے آئی۔ شارق نے پہلی مرتبہ اس کی طرف دیکھا۔ رابعہ کی عمر بیس بائیس سال رہی ہو گی۔ لمبا قد صحت مند جسم اور گوری رنگت، چہرے کے نقوش بھی بہت دلکش تھے۔ وہ ایک طرف کھڑی بڑی عجیب سی نظروں سے شارق کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"یہ میری بھتیجی ہے۔ دو سال پہلے اس کا باپ مر گیا تھا۔ یہ سیالکوٹ میں رہتی ہے۔ اپنی ماں کے پاس۔ ایک ہفتے سے میرے پاس آئی ہوئی ہے۔" ماسی مہراں نے گویا اس کا تعارف کرایا۔

شارق بھی بڑی دلچسپ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد رابعہ اپنے کمرے میں چلی گئی اور شارق ماسی مہراں سے باتیں کرتا رہا۔ دو بجے کے لگ بھگ ماسی مہراں بھی سونے کے لئے چلی گئی۔ اس کے تھوڑی دیر بعد طفیل بھی جانے کے لئے اٹھا تو شارق نے اسے روک لیا۔

"بیٹھو طفیل، مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

"حکم کرو جی۔" طفیل دوبارہ بیٹھ گیا۔

"رکشے سے کتنا کما لیتے ہو؟ اس کے علاوہ کوئی اور کام بھی کرتے ہو یا نہیں؟" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"رکشے سے کیا کمانا ہے شارق باؤ۔ بس گزارا ہو جاتا ہے۔" طفیل نے جواب دیا۔ پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ "البتہ کبھی کبھی کوئی ہاتھ چڑھ جاتا ہے تو چار پیسے مل جاتے ہیں۔"

"میرے لئے کام کرو گے؟" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ "کام کی نوعیت تم سمجھ سکتے ہو۔"

"کام کوئی بھی ہو شارق باؤ۔ پیسہ ملنا چاہئے۔" طفیل نے جواب دیا۔ "اور پھر تمہارے ساتھ کام کرنے کا تو مزہ ہی کچھ اور ہو گا۔"

"اس میں تمہاری جان بھی جا سکتی ہے۔" شارق بولا۔

"مجھے یہ اطمینان ہو گا کہ میرے مرنے کے بعد تم میرے گھر والوں کو لاوارث نہیں چھوڑو گے۔ میں ماسی مہراں سے تمہارے بارے میں بہت کچھ سن چکا ہوں۔ ایک مرتبہ نولکھا نے بھی

تمہارے بارے میں بتایا تھا۔ وہ تو تمہارا عاشق ہے۔ وہ ہے کہاں؟"

"نو لکھا فیصل آباد میں ہے۔ چند روز میں آ جائے گا۔" شارق نے جواب دیا۔ "اگر تم کام کے لئے تیار ہو تو کل صبح دس بجے مجھے یہیں پر ملنا۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا میں اپنے ساتھ کام کرنے والوں کی ہر غلطی معاف کر سکتا ہوں لیکن غداری کرنے والے کو معاف نہیں کرتا۔"

"شارق باؤ۔" طفیل اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "طفیلا اپنی جان تو دے سکتا ہے لیکن تم سے غداری کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ وقت آنے پر تم خود بھی دیکھ لو گے کہ طفیلا دوستی کس طرح نبھاتا ہے۔"

"ٹھیک ہے تم کل صبح دس بجے یہیں پر آ جانا اور رکشہ کل واپس کر دو۔ یہ تھوڑے سے پیسے اپنے پاس رکھ لو۔ خرچ کے لئے۔" شارق نے جیب سے پانچ ہزار روپے نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔

طفیل نے نوٹ لے کر جیب میں رکھ لئے اور ہاتھ ملا کر باہر چلا گیا۔ شارق بھی اس کے ساتھ دروازے تک آیا تھا۔ طفیل کے جانے کے بعد اس نے دروازہ بند کر دیا اور دوبارہ اسی کمرے میں آ گیا۔

طفیل کو اپنے ساتھ رکھنے کا فیصلہ اس نے بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا۔ آج رات جو کچھ بھی ہوا تھا اس سے شارق کو یقین ہو گیا تھا کہ حاجی اسے چین سے نہیں بیٹھنے دے گا۔ جبکہ وہ خود اس وقت اکیلا تھا اور اسے آدمیوں کی ضرورت تھی۔ افغانستان جانے سے پہلے اس کے پاس صرف ایک دو بندے تھے جنہیں اس نے فارغ کر دیا تھا کیونکہ ماجھا گجر کے گروہ کے خاتمے کے بعد اس کے خیال میں اسے آدمیوں کی ضرورت نہیں تھی۔ راجہ کو وہ مزنگ والے اڈے پر چھوڑ گیا تھا۔ مزنگ والا اڈا اگرچہ خالی ہو گیا تھا لیکن اس جگہ کی حفاظت کے لئے ایک آدمی کا وہاں رہنا ضروری تھا مگر حاجی کے آدمیوں نے راجہ کی ہڈیاں توڑ کر اسے ہسپتال میں پہنچا دیا تھا۔ حاجی سے نمٹنے کے لئے شارق کو آدمیوں کی ضرورت تھی اور طفیل عرف طفیلا اس کے لئے کار آمد ثابت ہو سکتا تھا۔ اسے مزید آدمیوں کی ضرورت تھی اور اس کے لئے اسے پرانے آدمیوں سے رابطے کرنے پڑیں گے۔

پہلے شارق نے یہ سوچا تھا کہ وہ حاجی کی طرف خود پہل کرے گا لیکن رات کو حاجی نے پہل کر دی تھی اور اسے تین دن کے اندر اندر شہر چھوڑنے کی دھمکی دی تھی۔ اس صورتحال کو دیکھتے ہوئے اس نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ تین دن خاموشی سے نکال دے اور اس دوران اندر ہی اندر تیاری کرتا رہے اور پھر اچانک ہی حاجی پر جھپٹ پڑے۔ سب سے زیادہ فکر اسے رضیہ اور ماں جی

کی تھی۔ اس کے لئے گلبرگ میں بنگلہ حاصل کر لیا تھا اور اس میں کچھ ضروری سامان بھی ڈلوا
تھا وہ آج انہیں وہاں منتقل کر دے گا اور پھر حاجی کی طرف متوجہ ہو گا۔

شارق یہی سب کچھ سوچتے ہوئے سو گیا۔

صبح اس کی آنکھ آٹھ بجے سے پہلے ہی کھل گئی تھی۔ منہ ہاتھ دھونے کے بعد کمرے
واپس آیا تو رابعہ دری پر دستر خوان بچھا کر ناشتہ کر رہی تھی۔ ماسی مہراں بھی کمرے میں بیٹھی ہ
تھی لیکن وہ ناشتا کر چکی تھی۔ رابعہ بھی اس کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔ شارق نے یہ بات خا
طور سے نوٹ کی تھی کہ رابعہ کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"ماسی۔ تم تو بہت کمزور ہو گئی ہو۔ کوئی علاج کروا رہی ہو یا نہیں؟" شارق نے پراٹھے
لقمہ توڑتے ہوئے پوچھا۔

"جگر کی تکلیف ہے بیٹا! ڈاکٹر کہتا ہے جگر بڑھ گیا ہے۔ اپنے پاس سے دوا دے دیتا ہے
کبھی ٹھیک ہو جاتی ہوں اور کبھی تکلیف بڑھ جاتی ہے۔" ماسی مہراں نے جواب دیا۔

"رابعہ تم اپنی پھوپھو کو آج کسی اچھے ڈاکٹر کے پاس لے جانا۔ ٹک کر اس کا علاج کروا
پیسوں کی پروا مت کرنا۔" شارق رابعہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"لے جاؤں گی جی۔ مگر میرے پاس تو پیسے بھی نہیں ہیں۔" رابعہ نے جواب دیا۔

"میں نے کہا ناکہ پیسوں کی پروا مت کرنا۔ ابھی جانے سے پہلے میں تمہیں پیسے دے جاؤں
گا۔ تم ماسی کو ڈاکٹر کے پاس لے جانا۔" شارق بولا۔

"اچھا جی۔" رابعہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ناشتے کے بعد شارق نے جیب سے پانچ ہزار روپے نکال کر ماسی مہراں کے حوالے کر د
اور ایک ہزار روپے کا نوٹ رابعہ کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"یہ ایک ہزار روپے تم اپنے پاس رکھنا' گھر کے خرچ کے لئے ہیں۔ میں رات کو آؤں گا
کھانا بھی یہیں کھاؤں گا۔ شاید کل رات بھی مجھے یہیں رہنا پڑے۔"

ناشتے کے بعد رابعہ تو اپنے کام کاج میں لگ گئی اور شارق ماسی مہراں سے باتیں کرنے لگ
ٹھیک دس بجے دروازے پر دستک کی آواز ابھری۔ رابعہ نے جا کر دروازہ کھول دیا اور طفیل عرف
طفیلا اندر آ گیا۔ ماسی مہراں اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی تھی۔

"یہ اس بنگلے کی چابیاں ہیں' جو میں نے کل ہی کرائے پر لیا ہے۔" شارق نے جیب سے
چابیوں کا ایک گچھا نکال کر طفیلا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "تم سیدھے اس بنگلے پر چلے جاؤ
وہاں کوئی چوکیدار نہیں ہے۔ تم بنگلے پر ہی رہو گے۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے میں تین خواتین وہاں

جائیں گی۔ ان میں ایک ثمینہ ہے۔ اسے تم نے پہلے بھی دیکھا ہو گا۔ دوسری میری بہن ہے اور
ان کے ساتھ ماں جی۔ بنگلے میں جانے سے پہلے گوشت اور سبزی وغیرہ لیتے جانا۔ وہ لوگ دوپہر کا
کھانا وہیں کھائیں گے۔ بلکہ اب تو وہیں رہیں گی۔ انہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو مارکیٹ سے
لا دینا۔ ایک دو دن بعد نوکر کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔ لیکن تم بہرحال وہیں رہو گے۔"

"ٹھیک ہے جی۔ پھر میں چلتا ہوں۔" طفیل فوراً" ہی اٹھ گیا۔

"ایک بات اور۔" شارق بولا۔ "تمہارے بچے کتنے ہیں؟"

"کوئی نہیں جی۔" طفیلے نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ کرماں والی آج تک ماں
ہی نہیں بن سکی۔ اولاد نہ ہونے کی وجہ سے اب وہ بیمار بھی رہنے لگی ہے۔ اب تو پچھلے چھ
مہینوں سے سیالکوٹ میں رہ رہی ہے' اپنے ماں باپ کے پاس۔ یہاں اس کی دیکھ بھال کرنے والا
کون ہے۔ میں مہینے میں ایک دو چکر لگا لیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ اب تم جاؤ اور یہ گوشت سبزی وغیرہ کے پیسے رکھ لو۔" شارق نے ایک ہزار
روپے اسے بھی دے دیئے۔

طفیل چلا گیا۔ اس کے جانے کے تقریباً" دس منٹ بعد شارق اپنا بریف کیس لئے ماسی مہراں
کے کمرے میں پہنچ گیا۔

"ماسی۔ یہ بریف کیس میں تمہارے پاس رکھ کر جا رہا ہوں۔ اسے سنبھال کر رکھنا اس میں
پیسے ہیں۔ رات کو واپس آ کر لے لوں گا۔ اب میں جا رہا ہوں اور تم بھی رابعہ کے ساتھ ڈاکٹر
کے پاس چلی جانا' سمجھیں۔"

"سمجھ گئی پتر۔" ماسی مہراں نے کہا۔ "تو فکر نہ کر۔ میں چلی جاؤں گی ڈاکٹر کے پاس۔" اس
نے اٹھ کر بریف کیس الماری میں رکھ دیا اور الماری کو تالا لگا کر چابی دوپٹے کے پلو سے باندھ لی۔

شارق مکان سے نکل کر گلی میں آ گیا۔ اس وقت گلی میں چند بچے کھیل رہے تھے لیکن ان
میں سے کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ چند گز دور جا کر شارق نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔
یہ جان کر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی کہ رابعہ دراوزے میں کھڑی اس کی طرف
دیکھ رہی تھی۔

چند قدم آگے جا کر شارق دوسری گلی میں مڑ گیا۔ ایک مرتبہ تو اس کا دل چاہا تھا کہ اپنے
اڈے کی طرف نکل جائے لیکن پھر کچھ سوچ کر آگے نکل گیا۔ اس وقت اڈے کی طرف جانا
مناسب نہیں تھا۔

شارق گلیوں ہی گلیوں میں ہوتا ہوا مزنگ چوک سے تقریباً" دو فرلانگ دور مین روڈ پر نکل

آیا۔ وہ ابھی چند قدم ہی چلا تھا کہ پیچھے سے کسی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس نے م کر دیکھا اور اس کے ساتھ ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ مزنگ پولیس سٹیشن ک انچارج انسپکٹر عثمان تھا۔

شارق کو سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ انسپکٹر عثمان اکیلا تھا اور وہ سادہ لباس میں تھا۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ ڈیوٹی پر نہیں تھا لیکن شارق اچھی طرح جانتا تھا کہ ڈیوٹی پر نہ ہونے کے باوجود پولیس والا ڈیوٹی پر ہی ہوتا ہے۔

"گھبراؤ نہیں شارق۔" انسپکٹر عثمان نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اس وقت تمہیں مجھ سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ یہ ہم دونوں کی خوش قسمتی ہے کہ اس وقت ہماری ملاقات ہو گئی ہے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے کام آ سکتے ہیں۔ چلو۔ کسی جگہ بیٹھ کر اطمینان سے بات کرتے ہیں۔"

"میرے ساتھ کوئی دھوکہ تو نہیں ۔۔۔۔۔"

"کیوں گھبراتے ہو یار۔" انسپکٹر عثمان نے اس کی بات کاٹ دی۔ "آؤ۔ ادھر ایک پر سکون ریسٹورنٹ ہے۔ وہیں چل کر بیٹھتے ہیں۔"

شارق خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑا۔ انسپکٹر عثمان کی باتوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ خود بھی کسی پریشانی کا شکار ہے اور یہ تو بہرحال شارق نے طے کر لیا تھا کہ اگر اس کے ساتھ کسی قسم کا دھوکہ ہوا تو وہ آسانی سے پولیس کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ اس کے پاس وہ خوفناک پستول موجود تھا جس کی گولی لگنے کے بعد کوئی زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔

وہ سڑک پار کر کے دوسری طرف آ گئے۔ یہاں سڑک سے ہٹ کر وسیع و عریض لان تھا جس کے ساتھ ساتھ چند خوبصورت جنرل سٹورز تھے اور ایک ایئرکنڈیشنڈ ریسٹوران بھی تھا۔ وہ دونوں ریسٹورنٹ میں داخل ہو گئے۔

ہال خاصا وسیع و عریض تھا۔ اطراف میں چھوٹے چھوٹے کیبن بنے ہوئے تھے۔ شام کے بعد تو یہاں بیٹھنے کی جگہ نہیں ملتی تھی لیکن اس وقت اکا دکا گاہک ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ مینیجر انسپکٹر عثمان کو دیکھ کر فوراً ہی آگے بڑھا اور دونوں سے ہاتھ ملانے کے بعد ایک میز کی طرف ان کی رہنمائی کرنے لگا۔ لیکن انسپکٹر عثمان نے بیٹھنے کے لئے کونے والے ایک کیبن کا انتخاب کیا تھا۔

"رشید صاحب' چائے بھجوا دیں۔" انسپکٹر عثمان نے مینیجر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو کیبن تک ان کے ساتھ آیا تھا۔

مینیجر رشید سر ہلاتا ہوا چلا گیا۔ چند منٹ بعد ایک ویٹر نے ان کے سامنے چائے رکھ دی۔

انسپکٹر عثمان نے چائے بنا کر ایک کپ شارق کی طرف بڑھا دیا اور دوسرا اپنے سامنے سرکا لیا۔

"سنا تھا تم افغانستان گئے ہوئے تھے۔" انسپکٹر عثمان چائے کی چسکی لیتے ہوئے بولا۔ "مجھے آج صبح ہی تمہاری دھماکہ خیز واپسی کا پتا چلا ہے۔"

"دھماکہ خیز واپسی! سمجھا نہیں۔" شارق نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"کل یہاں آتے ہی تم نے جو کچھ بھی کیا ہے' اسے دھماکہ خیز ہی کہا جائے گا۔" انسپکٹر بولا۔

"میں اب بھی نہیں سمجھا۔" شارق بولا۔ "میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔"

"دیکھو شارق۔" انسپکٹر عثمان اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "میں اس وقت ایک پولیس آفیسر نہیں دوست کی حیثیت سے تم سے بات کر رہا ہوں۔ اس لئے مجھ سے کچھ چھپانے کی ضرورت نہیں۔"

"بخدا تمہاری بات کا مطلب میں اب بھی نہیں سمجھا۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا' البتہ ایک مہربان نے مجھے کسی چکر میں پھنسانے کی کوشش کی تھی۔"

"اوہ۔" انسپکٹر عثمان کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ "تو اس کا مطلب ہے کہ تم نے آج کا اخبار نہیں پڑھا۔"

"نہیں۔" شارق نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"جیجا شلی کون ہے؟" انسپکٹر نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"اوہ۔" اس مرتبہ شارق کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ "اب تمہاری بات میری سمجھ میں آ رہی ہے۔ ابھی میں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ کسی مہربان نے مجھے کسی چکر میں پھنسانے کی کوشش کی تھی۔ میں تمہیں تفصیل سے بتاتا ہوں۔" وہ چند لمحے خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "جیجا شلی سے میری ملاقات چند روز پہلے جھنگ میں ہوئی تھی۔ وہ پہلے ہیروئن فروشی کا دھندہ کرتا تھا مگر پھر غائب ہو گیا۔ لیکن تمہاری برادری کے لوگ اسے تنگ کرتے رہے۔ اس دوران اس کا بیٹا سیر و تفریح کے لئے کوئٹہ گیا تھا جہاں وہ قتل کے ایک کیس میں پھنس گیا تھا۔ جیجا شلی کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں تھے کہ وہ کوئٹہ جا کر بیٹے کی ضمانت کروا سکے اور اس کا کیس لڑنے کے لئے کسی وکیل کی خدمات حاصل کر سکے۔ میں اسے اپنے ساتھ لاہور لے آیا تھا۔ اسے کچھ رقم دے کر کوئٹہ بھیجنا چاہتا تھا۔ کل رات وہ اس مکان میں اکیلا تھا اور میرا خیال ہے دن میں کسی وقت حاجی کے آدمیوں کی نظروں میں آ گیا تھا۔ انہوں نے رات کو اسے قتل کر دیا اور حاجی نے ایک خط کے ذریعے مجھے دھمکی دی ہے کہ میں تین دن کے اندر اندر یہ شہر چھوڑ دوں' ورنہ وہ مجھے بھی جیجا شلی کی طرح موت کے گھاٹ اتار دے گا۔ کل رات بھی حاجی نے مجھے جیجا شلی

کے قتل میں پھنسانے کی کوشش کی تھی۔ اگر مجھے اس مکان سے نکلنے میں ایک منٹ کی بھی تاخیر ہو جاتی تو پولیس نے مجھے دھر لیا ہوتا۔ میں جیسے ہی اس مکان سے نکلا تھا اسی وقت وہاں پولیس پہنچ گئی تھی۔ اگر تمہیں میری بات کا یقین نہیں آ رہا ہو تو ۔۔۔۔"

"اب ساری بات میری سمجھ میں آ رہی ہے۔" انسپکٹر عثمان نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اخبار میں کیا لکھا ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"یہی کہ تم طویل عرصے سے روپوش تھے اور دوبارہ اس شہر میں آتے ہی تم نے قتل و غارت شروع کر دی ہے۔ جیجا شلی تمہارا ایجنٹ تھا۔ وہ پولیس کو تمہارے بارے میں اطلاع دینا چاہتا تھا لیکن تم نے اسے قتل کر دیا وغیرہ۔" انسپکٹر عثمان نے کہا۔

"پولیس کو یہ کہانی بھی حاجی نے دی ہو گی۔" شارق نے کہا۔ "حاجی شاید یہ سمجھتا ہے کہ میں اس کے خوف سے یہ شہر چھوڑ کر بھاگ جاؤں گا۔ لیکن مجھے تو ابھی اس سے بہت لمبا چوڑا حساب بے باک کرنا ہے۔ اس نے میری ماں اور بہن کے ساتھ جو زیادتیاں کی ہیں' جب تک ان کا بدلہ نہیں لے لوں گا چین سے نہیں بیٹھوں گا۔"

"سب جانتا ہوں۔" انسپکٹر عثمان بولا۔ "اس لئے تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں اور مجھے بھی تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"لیکن تمہیں مجھ سے ہمدردی کیوں ہے اور میری مدد کیوں کرنا چاہتے ہو؟" شارق نے اسے گھورا۔

"اس لئے کہ مجھے بھی حاجی کی وجہ سے ملازمت سے معطل کر دیا گیا ہے۔" انسپکٹر بولا۔

"کیا۔۔۔؟" شارق نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"تمہارے چلے جانے کے بعد حاجی کے آدمیوں نے تمہارے اڈے پر حملہ کر دیا تھا۔" انسپکٹر عثمان نے کہا۔ "یہ اب سے تقریباً" دو مہینے پہلے کی بات ہے۔ تمہارا آدمی سفید پاؤڈر کا تھوڑا بہت دھندہ کر رہا تھا۔ حاجی کے آدمیوں نے اسے اس طرح مارا پیٹا کہ اس کی دونوں ٹانگوں اور دونوں بازوؤں کی ہڈیاں توڑ دیں۔ اس علاقے کے لوگ آئے دن کے جھگڑوں سے تنگ آ چکے ہیں۔ اس اڈے کی وجہ سے لوگوں کا سکون برباد ہو چکا ہے۔ اس ہنگامے کے بعد علاقے کے لوگوں کے ایک وفد نے ڈی آئی جی سے ملاقات کرتے ہوئے صورتحال سے آگاہ کیا۔ ڈی آئی جی نے اس وفد سے مجھے، کارروائی کے احکامات جاری کئے۔ میں نے چھاپہ مار کر حاجی کے دو آدمیوں کو گرفتار کر لیا۔ حاجی کو تم جانتے ہو۔ میری اس کارروائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگلے ہی روز آئی جی نے مجھے معطل کر دیا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "مجھ پر یہ عتاب حاجی کی وجہ

سے نازل ہوا ہے۔ میری اکیس سال کی سروس ہے۔ مجھ سے چھوٹی موٹی بد عنوانیاں سرزد ہوتی رہی ہیں۔ رشوت بھی لیتا رہا ہوں لیکن مجموعی طور پر میرا ریکارڈ بہت اچھا ہے۔ اس کے باوجود ایک آدمی کے اشارے پر مجھے ملازمت سے برطرف کر دیا گیا۔ اگر کسی غلط کام پر میرے خلاف کارروائی ہوتی تو میں صبر کر لیتا لیکن یہ سب کچھ ایک ایسے شخص کے کہنے پر ہوا جو خود گردن تک جرائم کی دلدل میں دھنسا ہوا ہے۔ میں نے اس کی ایک مجرمانہ کارروائی کے خلاف اس کے بندوں کو پکڑا تھا جس کا نتیجہ مجھے بھگتنا پڑا۔"

"اگر تم معطل نہ ہوتے تو شاید اس طرح ہوٹل میں بیٹھ کر مجھ سے باتیں کرنے کے بجائے میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈالنے کی کوشش کرتے۔" شارق مسکرایا۔

"شاید۔" انسپکٹر عثمان بھی مسکرا دیا۔

"اب کیا چاہتے ہو؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"دیکھو شارق۔" انسپکٹر عثمان بولا۔ "میں نے ہمیشہ تمہارے ساتھ تعاون کیا ہے۔ تمہاری مدد کی ہے اور اب مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "صورتحال یہ ہے کہ میں نے اپنی معطلی کے خلاف ہائی کورٹ میں تو کیس وائر کر دیا ہے۔ اپنی سروس بحال کرانے کے لئے ہر قسم کی قانونی مدد حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن میں حاجی کے خلاف بھی کچھ کرنا چاہتا ہوں اور ظاہر ہے وہ سب کچھ غیر قانونی ہو گا اور اس کے لئے مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"کیا تم چاہتے ہو کہ میں حاجی کو قتل کر دوں؟" شارق نے کہا۔

"یہ اتنا آسان نہیں ہو گا۔" انسپکٹر عثمان نے کہا۔ "لیکن بعض دوسرے طریقوں سے اسے نقصان پہنچایا جا سکتا ہے۔ میں تمہیں ٹپس دوں گا۔"

"مثلاً"؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم اس کے ساتھ کام کرتے رہے ہو' لیکن تمہیں بھی معلوم نہیں کہ اس کا طریقہ کار کیا ہے۔ میں جانتا ہوں۔ اس کے اڈوں سے واقف ہوں۔ اس کے کم از کم دو ایسے اڈے میری نظروں میں ہیں جہاں اس کی بین الاقوامی ڈیلنگ ہوتی ہے۔ ان اڈوں پر اگر تمہاری طرف سے کارروائی ہو جائے تو اس کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔ اس معاملے میں میں بھی تمہارا ساتھ دوں گا۔"

"کس طرح" شارق نے پوچھا۔

"جس علاقے میں حاجی کے خلاف کارروائی کرو گے میں کوشش کروں گا کہ اس علاقے کے

تھانے سے تمہارے خلاف کوئی کارروائی نہ ہو۔ میں سروس سے معطل ہوا ہوں' لیکن میرے تعلقات تو ختم نہیں ہوئے۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "کیا تم بتا سکتے ہو کہ میرے گھر پر جو لوگوں نے بلہ بولا تھا ان میں کون کون شامل تھا؟"

"ان میں سے دو کو تو میں جانتا ہوں۔" انسپکٹر عثمان نے جواب دیا۔ "ایک شیرا ٹنڈر ہے باغبانپورہ کا رہنے والا ہے۔"

"شیرا ٹنڈر۔" شارق بولا۔ "یہ نام میں نے پہلی مرتبہ سنا ہے۔"

"تھوڑے ہی عرصے پہلے باغبانپورہ میں آیا ہے۔" عثمان نے کہا۔ "یہ بنیادی طور پر جیب تراش ہے۔ کئی سال پہلے انارکلی کے علاقے میں وارداتیں کرتا تھا۔ کئی مرتبہ پکڑا بھی گیا تھا۔ پھر نجانے کس طرح سعودی عرب چلا گیا۔ وہاں بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آیا۔ ایک موقع پر جیب کاٹتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔ سعودی قانون کے مطابق اس کی دو انگلیاں کاٹ دی گئیں اور ملک سے نکال دیا گیا۔ یہاں آ کر کچھ عرصہ دبکا بیٹھا رہا پھر اس نے بدمعاشی شروع کر دی۔ اب دنوں حاجی کے لئے کام کر رہا ہے اور باغبانپورہ میں قدم جمانے کی کوشش کر رہا ہے۔ حاجی کی پشت پناہی کی وجہ سے چھوٹے موٹے بدمعاش تو اس سے دب گئے ہیں لیکن بعض بڑے بدمعاشوں کی کوشش ہے کہ وہ وہاں اپنے قدم نہ جمانے پائے۔ ان میں جھڑپیں ہوتی رہی تھیں اور دو سرا۔۔۔۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوا اور پھر بولا۔ "دوسرا منور ہے۔ یہ سمن آباد میں رہتا ہے۔ سمن آباد موڑ سے یتیم خانے کے موڑ تک کا علاقہ اس کا ہے۔ اپنے آپ کو بہت بڑا بدمعاش سمجھتا ہے۔ بھتے وصول کرتا ہے۔ اس نے اپنا ایک چھوٹا سا گروہ بھی بنا رکھا ہے۔ عام طور پر سمن آباد موڑ پر رہتا ہے۔ یہ حاجی کا رشتے میں بھائی بھی ہوتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق نے کہا۔ "میں دو تین دن تو اپنے ذاتی کاموں میں مصروف رہوں گا لیکن تم سے کہاں رابطہ ہو گا۔"

"میرا فون نمبر لے لو۔۔۔ جب بھی ضرورت ہو' مجھے فون کر لینا۔" انسپکٹر عثمان نے جیب سے ایک کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

شارق نے کارڈ دیکھا۔ اس پر گھر کا فون نمبر لکھا ہوا تھا۔ اس نے کارڈ جیب میں ڈال لیا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ٹھیک ہے۔ اب میں چلتا ہوں۔ ایک دو دن بعد تم سے رابطہ کروں گا۔"

وہ دونوں ریسٹورنٹ کے باہر آ گئے۔ چند سیکنڈ ریسٹورنٹ کے سامنے کھڑے رہے پھر ان کے

راستے مختلف ہو گئے۔ انسپکٹر عثمان کے بارے میں سوچ کر شارق دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ ماضی میں اس کی وجہ سے بھی شارق کو بہت سی پریشانیاں اٹھانی پڑی تھیں اور اب وہ خود ہی اس کے سامنے جھک گیا تھا۔ وہ خود مصیبت میں پھنسا ہوا تھا اور شارق سے مدد حاصل کرنا چاہتا تھا۔ شارق اچھی طرح جانتا تھا کہ انسپکٹر عثمان خود حاجی کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بندوق اس کے کندھے پر رکھ کر چلانا چاہتا تھا۔ اگر حاجی سے انتقام نہ لینا ہوتا تو شارق' انسپکٹر عثمان کو صاف جواب دے دیتا لیکن اپنا انتقام لینے کے لئے اس نے عثمان کی مدد کرنے کی حامی بھر لی تھی۔ عثمان نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ وہ معطل ہوا تھا۔ اس کے تعلقات ختم نہیں ہوئے تھے۔ ہر تھانے سے اس کے تعلقات تھے اور شارق' عثمان کے ان تعلقات سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔

شارق نے انسپکٹر عثمان سے دو تین دن کا وقت لیا تھا۔ دراصل اس دوران وہ تیاری کر لینا چاہتا تھا۔ اس کے پاس کوئی آدمی نہیں تھا اور حاجی جیسے شتر کے خلاف کارروائی کے لئے آدمیوں کی ضرورت تھی۔

شارق تھوڑی دور تک پیدل چلتا رہا اور پھر اسے ایک رکشہ مل گیا۔ وہ رکشے پر بیٹھ کر لنڈا بازار کی طرف روانہ ہو گیا۔

نو لکھا بازار میں داخل ہوتے ہی اس نے رکشہ چھوڑ دیا اور پیدل آگے چلنے لگا۔ لنڈا بازار اب اتنا پھیل گیا تھا کہ نو لکھا بازار کی گلیوں میں بھی سیکنڈ ہینڈ کپڑوں کے انبار لگے ہوئے تھے اور پیدل چلنے والوں کے لئے بھی راستہ تنگ ہو گیا تھا۔ لنڈا بازار میں اب صرف سیکنڈ ہینڈ کپڑے ہی نہیں ملتے تھے بلکہ جوتے' موزے' بچوں کی چڈیاں' بٹن اور خواتین کے انڈر گارمنٹس بھی دستیاب تھے۔

ان درآمد شدہ چیزوں سے نہ صرف بہت سے غریبوں کا بھلا ہو رہا تھا بلکہ مختلف بیماریاں بھی اندر ہی اندر اپنا کام کر رہی تھیں۔

شارق لنڈا بازار کے ہجوم میں چلتا ہوا بابو ہوٹل پہنچ گیا۔ ایک میز پر بیٹھ کر اس نے بیرے کو چائے لانے کے لئے کہا' کچھ دیر بعد وہ چائے کی چسکیاں لیتا ہوا ہوٹل میں آنے جانے والوں کو دیکھنے لگا۔ اس ہوٹل کے زیادہ گاہکوں کا تعلق مزدور طبقہ سے تھا۔ ہوٹل کا مالک بڑا مہربان قسم کا آدمی تھا۔ اگر کوئی محنت کش قسم کا آدمی کم بھی دے جاتا تو خاموش ہو جاتا۔ ایسے لوگوں سے وہ پورے پیسوں کا مطالبہ کبھی نہیں کرتا تھا۔

اس ہوٹل کے عین سامنے سڑک کے دوسری طرف ایک تنگ سا راستہ تھا جو سلطان سرائے میں چلا گیا تھا۔ اس راستے پر بھی سیکنڈ ہینڈ کپڑے بیچنے والوں کا قبضہ تھا۔ پیدل چلنے والوں کے لئے

بہت کم راستہ بچا تھا۔ راستے کے دوسری طرف جہاں کبھی سلطان سرائے کا گیٹ ہوا کرتا تھا' وہاں چائے کی ایک دکان تھی۔ شارق اب چائے کی اس دکان کی طرف دیکھ رہا تھا' راستے میں آتے جاتے لوگوں کی وجہ سے بار بار چائے کی دکان اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو رہی تھی۔

تقریباً" آدھے گھنٹے بعد شارق اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ اس نے چائے کے پیسے ادا کئے اور سڑک پار کر کے سلطان سرائے والے راستے پر چلنے لگا۔ وہ چائے کی دکان پر پہنچ گیا۔ کاؤنٹر کے پیچھے ایک بھاری بھرکم آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے دائیں طرف گلے اور پیشانی پر کسی پرانے زخموں کے نشان تھے۔ داڑھی اس نے غالباً" شوقیا رکھی ہوئی تھی کیونکہ اس کے ماتھے پر نمازی ہونے کا کوئی نشان نظر نہیں آ رہا تھا۔

"موجو کہاں ہے؟" شارق نے کاؤنٹر کے سامنے رک کر پوچھا۔

"موجو۔۔۔۔ کون موجو؟" وہ شخص الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"موجدین۔۔۔۔ تمہارا کزن۔" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "میرا نام شارق ہے اور میرا اس سے ملنا بہت ضروری ہے۔"

"اوہ۔" وہ شخص چونک گیا۔ اس نے ایک بار پھر شارق کو نیچے سے اوپر تک دیکھا۔ پھر ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "اس طرف دکانوں کے ساتھ ساتھ چلے جاؤ۔ آٹھویں دکان میں تمہیں موجو نظر آ جائے گا۔"

شارق اس کا شکریہ ادا کئے بغیر دکانوں کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ سلطان سرائے میں اگرچہ زیادہ تر موٹر ورکشاپ اور سپیئرپارٹس کی دکانیں تھیں لیکن لنڈا بازار کی چند دکانیں گودام کے طور پر استعمال ہوتی تھیں۔ یہ سب سیکنڈ ہینڈ کپڑوں کے گودام تھے۔ شارق آٹھویں دکان کے سامنے رک گیا۔ دکان کے اندر دو آدمی بیٹھے ہوئے کپڑے چھانٹ رہے تھے۔ ان میں ایک تو بوڑھا آدمی تھا۔ سر اور داڑھی کے بال بالکل سفید تھے اور ظاہر ہے وہ موجو نہیں ہو سکتا تھا۔ دوسرا درمیانے قد کا ہٹا کٹا آدمی تھا۔ اس کا سر گنجا اور ایک کان میں بجھا ہوا سگریٹ پھنسا ہوا تھا۔ اس نے سفید کھدّر کی شلوکا قسم کی واسکٹ پہن رکھی تھی اور چیک دار کپڑے کی دھوتی بندھی ہوئی تھی۔ اس کی کنپٹی پر زخم کا پرانا نشان تھا۔ اس کے بازوؤں کے ابھرے ہوئے مسلز دیکھ کر اس کی جسمانی قوت کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

ان دونوں آدمیوں نے بیک وقت گردن اٹھا کر شارق کی طرف دیکھا تھا۔ بوڑھے کی آنکھوں میں تو الجھن سی تیر گئی البتہ دوسرا آدمی اسے دیکھ کر چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ وہ موجو تھا۔

"شارق باؤ؟" وہ اپنے ہاتھ سے پکڑے ہوئے کپڑے چھوڑ کر ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو

گیا۔

شارق نے آگے بڑھ کر بڑی گرمجوشی سے اس سے ہاتھ ملایا۔ "اچھا ہوا تم نے پہچان لیا۔ ورنہ مجھے اپنا تعارف کرانے میں کچھ دشواری پیش آتی۔"

"حد ہو گئی شارق باؤ' میں تمہیں کیسے نہ پہچانتا۔" موجو نے کہا اور بوڑھے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "کوبے! جا چائے لے کر آ۔ اسحاق سے کہنا اچھی سی چائے بنائے۔ ملائی والی۔" وہ شارق کی طرف مڑ گیا اور کپڑوں کی ایک گٹھڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "بیٹھو شارق باؤ۔ کھڑے کیوں ہو۔"

بوڑھا اٹھ کر باہر چلا گیا اور شارق گٹھڑی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"کیا کر رہے ہو آج کل؟"

"محنت مزدوری کر کے وقت گزار رہا ہوں شارق باؤ۔" موجو نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "لاہوریوں کو پتا نہیں کیا ہوا ہے۔ کسی میں دم خم ہی نہیں رہا۔ مانجھے گجر سے تمہارا آمنا سامنا ہوتا رہتا تھا تو ذرا رونق رہتی تھی۔ مانجھا گجر ختم ہو گیا۔ تم لاہور چھوڑ کر چلے گئے۔ بس ہر طرف خاموشی ہی خاموشی نظر آتی ہے۔"

"اب یہ خاموشی ٹوٹنے والی ہے۔" شارق نے کہا۔

"خاموشی کیسے ٹوٹ سکتی ہے شارق باؤ۔" موجو نے کہا۔ "اب یہاں صرف حاجی رہ گیا ہے اور تم بھی حاجی کے ساتھ مل گئے ہو تو دونوں کے سامنے سر اٹھانے کی ہمت کون کر سکتا ہے۔ کون ٹکرائے گا تم لوگوں سے؟"

"ہم دونوں تو آپس میں ٹکرا سکتے ہیں نا؟" شارق بولا۔

"کیا۔۔۔۔؟" موجو نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ "کوئی ان بن ہو گئی ہے؟"

"ایسا ہی سمجھ لو۔" شارق نے جواب دیا۔

"بس تو ٹھیک ہے شارق باؤ۔" موجو مسکراتے ہوئے بولا۔ "میرے پاس ایک اڈا ہے۔ سونے کی کان ہے۔ دو اڑھائی کلو سفید پاؤڈر تو دن میں یوں نکل جائے گا۔" وہ چٹکی بجانے لگا۔

"لیکن اس مرتبہ سفید پاؤڈر کی نہیں' اپنی ہو گی۔" شارق نے کہا۔

"اوہ سمجھ گیا۔ بندے گرانے ہیں؟" موجو نے اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ یہی سمجھ لو۔" شارق بولا۔

"کئی دن سے چھلیاں پھڑپھڑا رہی ہیں شارق باؤ۔" وہ دائیاں ہاتھ بائیں بازو کے مسل پر مارتے ہوئے بولا۔ "تم حکم کرو۔ بندے کا نام اور پتا بتا دو۔ وہ کل صبح کا سورج نہیں دیکھ سکے گا۔

آج رات میں اسے اوپر پہنچا دوں گا۔"

شارق کوئی جواب دینا چاہتا تھا کہ بوڑھا کوبا دو گلاس چائے لے کر آ گیا۔ شارق نے جیب سے دس کا ایک نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"گولڈ لیف کے دو سگریٹ بھی لے آؤ۔"

بوڑھا نوٹ لے کر واپس چلا گیا۔

"اتنی جلدی بھی نہیں۔" بوڑھے کے جانے کے بعد شارق موجو کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "کل رات بات کریں گے۔ مجھے ابھی دو اور آدمیوں کی ضرورت ہے۔"

"ایک کا بندوبست تو میں کر سکتا ہوں۔" موجو بولا۔ "بڑا جی دار اور بڑا ہی وفادار بندہ ہے۔"

"کون ہے؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"پپو سیالکوٹی۔ شاہدرے میں رہتا ہے۔" موجو نے جواب دیا۔

"نام تو سنا ہوا ہے۔ بہرحال کل رات آٹھ بجے اسے لے کر داتا دربار کے اس گیٹ کے قریب پہنچ جانا جہاں دیگیں پکتی ہیں۔ لیکن پپو کو سمجھا دینا کہ قیمت وفاداری کی ہو گی۔ غداری کی صورت میں، میں خود اسے گولی مارنے سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔"

"حد ہو گئی شارق باؤ۔" موجو بولا۔ "میرا بندا اور تم سے غداری! یہ تو وہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ بڑا وفادار ہے۔ کتے کی طرح۔"

"مجھے ایسے ہی آدمیوں کی ضرورت ہے۔" شارق نے کہا اور پھر پتلون کی جیب سے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "یہ دس ہزار ہیں۔ پانچ اپنے پاس رکھ لینا اور پانچ پپو کو دے دینا۔ خرچے پانی کے لئے۔ بعد میں حساب کر لیں گے۔"

"کیا حساب باؤ۔" موجو نے نوٹوں کی گڈی شلوکے کے کسی اندرونی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔ "ہمیں تم سے پیسوں کا لالچ تو نہیں ہے نا۔ تم تو بس صرف حکم کر دیا کرو۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق نے بوڑھے کوبے کو آتے دیکھ کر کہا۔ "کل رات آٹھ بجے داتا دربار کے سامنے۔"

موجو نے گردن ہلا دی اور گلاس اٹھا کر چائے کا گھونٹ بھرنے لگا۔ شارق بھی چائے کی چسکیاں لینے لگا۔ کوبے نے دو سگریٹ شارق کی طرف بڑھا دیئے۔ شارق نے دونوں سگریٹ موجو کے سامنے ڈال دیئے۔

"میں تو سگریٹ نہیں پیتا۔ تمہارے لئے منگوائے ہیں۔"

"سگریٹ تو میں بھی نہیں پیتا۔" موجو نے دونوں سگریٹ اٹھا کر بوڑھے کوبے کو دے دیئے۔

"لو۔ عیش کرو۔ آج گولڈ لیف پیو۔"

چائے پینے کے بعد شارق زیادہ دیر نہیں رکا۔ وہ سلطان سرائے سے نکل کر لنڈا بازار سے گزرتا ہوا دلی دروازے کے سامنے نکل آیا اور پھر دفعتاً اسے یاد آ گیا کہ اس نے ابھی تک ثمینہ اور ماں جی کو فون نہیں کیا حالانکہ اس نے طفیل سے کہا تھا کہ وہ دوپہر سے پہلے پہنچ جائیں گی۔ اس وقت دو بج رہے تھے۔ اس نے دلی دروازے کے عین سامنے ایک ہوٹل سے ثمینہ کو فون کیا۔ پہلے ثمینہ سے بات کی پھر ماں جی سے بات کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"آپ تینوں ابھی گھر سے روانہ ہو جائیں، ایک دو جوڑے کپڑوں کے علاوہ کوئی چیز ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں۔ سامان بعد میں پہنچ جائے گا۔ میں نے ثمینہ کو بنگلے کا پتا سمجھا دیا ہے۔ آپ لوگ آسانی سے وہاں پہنچ جائیں گی۔ برقعہ یا چادر اوڑھ کر گھر سے نکلیں۔ ہاں میں رات کا کھانا آپ لوگوں کے ساتھ ہی کھاؤں گا۔ جی ہاں۔۔۔۔ خدا حافظ۔"

فون کا ریسیور رکھتے ہوئے شارق نے کاؤنٹر کی گدی پر بیٹھے ہوئے پہلوان نما آدمی کی طرف دیکھا۔ وہ گاہکوں سے پیسے لینے میں مصروف تھا۔ شارق کاؤنٹر کے سامنے سے ہٹ کر ایک میز پر بیٹھ گیا۔ اس میز پر صرف ایک ہی کرسی خالی تھی۔ پہلوان کے اس ہوٹل میں مرغ پلاؤ کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ شارق نے ایک پلیٹ منگوا لی اور اطمینان سے کھانے لگا۔ پلاؤ واقعی مزیدار تھا۔ اس نے بڑی رغبت سے کھایا۔

کھانا کھانے کے بعد وہ ہوٹل سے نکلا اور دلی دروازے میں داخل ہو گیا اور تنگ سے ڈبی بازار سے ہوتا ہوا صرافہ کے چوک پر نکل آیا اور وہاں سے اس نے وہ راستہ اختیار کیا جو ہیرا منڈی کی طرف چلا گیا تھا۔ یہ راستہ اگرچہ خاصا طویل تھا لیکن وہ خان بوجھ کر پیدل آیا تھا۔

ہیرا منڈی کے علاقے میں پہنچ کر وہ ایک تنگ سی ترچھی گلی میں مڑ گیا۔ بعض مکانوں سے طبلے کی تھاپ اور گھنگروؤں کی جھنکار سنائی دے رہی تھی۔ یہ رقاصائیں غالباً رات کے پروگراموں کے لئے ریہرسل کر رہی تھیں۔ شارق ایک مکان کے دروازے میں داخل ہو کر تنگ سی سیڑھیوں پر چڑھنے لگا۔ دن ہونے کے باوجود سیڑھیوں پر اندھیرا تھا۔ تیسری منزل کے دروازے کے سامنے وہ رک گیا اور دستک دے کر دروازہ کھلنے کا انتظار کرنے لگا۔

دروازہ ایک بڑھیا نے کھولا تھا۔ اس کی عمر ساٹھ کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ چہرے پر مکڑی کا جال سا بنا ہوا تھا۔ بال برف کی طرح سفید تھے۔ وہ دبلی پتلی سی عورت تھی۔ اسے دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ جوانی میں بے حد حسین رہی ہو گی۔ اس کی ناک پر موٹے عدسوں والی عینک لگی ہوئی تھی۔ فریم کی ایک ڈنڈی ٹوٹی ہوئی تھی۔ اس کی جگہ دھاگہ بندھا ہوا تھا جو کان پر لپٹا ہوا تھا۔

شارق دروازہ کھلتے ہی اسے ایک طرف ہٹاتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

"ظفری کہاں ہے؟" شارق نے عورت کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اندر سو رہا ہے تم کون ہے؟" عورت نے ناک پر عینک درست کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"میں اس کا دوست ہوں۔ اسے جگا دو۔ بہت ضروری کام ہے۔" شارق بولا۔

"وہ تھوڑی دیر پہلے ہی سویا ہے۔ میں اسے نہیں جگا سکتی۔ تم شام کو آ جانا۔" عورت نے جواب دیا۔

شارق اپنی جگہ پر کھڑا' ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ یہ کمرہ تقریباً" پندرہ فٹ لمبا اور دس فٹ چوڑا تھا۔ اس کے ایک طرف آتشدان بنا ہوا تھا جس کے سامنے برتن بکھرے ہوئے تھے۔ آتشدان کے قریب ہی ایک کھڑکی بھی تھی۔ کھلی ہوئی کھڑکی سے تیز روشنی اندر آ رہی تھی۔ دوسری دیوار کے ساتھ ایک چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ اس کمرے سے آگے دو کمرے اور تھے۔ ایک کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور دوسرا بند تھا۔ شارق نے پہلے آگے بڑھ کر کھلے ہوئے دروازے میں جھانکا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ وہ دوسرے دروازے کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اس نے آگے بڑھ کر دروازے کو ہلکا سا دھکا دیا۔ دروازہ کھل گیا۔ شارق اندر داخل ہو گیا۔ لیکن دوسرا قدم اٹھاتے ہی اسے رک جانا پڑے۔ کمرے میں دائیں طرف پلنگ پر ایک عورت اور ایک مرد لیٹے ہوئے تھے۔ مرد کے جسم پر بنیان اور دھوتی تھی جبکہ عورت نے بھی برائے نام ہی لباس پہن رکھا تھا۔ مرد کی آنکھیں بند تھیں۔ البتہ عورت جاگ رہی تھی اور اس نے شارق کو دیکھ لیا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے الگ ہٹ گئی۔ اس نے ایک چادر بھی اپنے اوپر کھینچ لی تھی۔

"ظفری سے کہو میں ساتھ والے کمرے میں انتظار کر رہا ہوں۔" شارق نے عورت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور اس کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں گھس گیا اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

ظفری واقعی گہری نیند سویا ہوا تھا کیونکہ شارق کی آواز سن کر بھی اس کی آنکھ نہیں کھلی تھی۔ شارق کرسی پر بیٹھا کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ گلی کے دوسری طرف واقعی مکان کی کھڑکی میں دو عورتیں نیچے گلی میں کھڑے ہوئے کسی شخص سے چیخ چیخ کر باتیں کر رہی تھیں۔

تقریباً" پانچ منٹ بعد ظفری کمرے میں داخل ہوا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں چہرہ بھی غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ غالباً" اس مداخلت بیجا پر وہ جھنجلا گیا تھا۔ لیکن شارق کو کرسی پر بیٹھے دیکھ کر اس کا غصہ کافور ہو گیا اور چہرے کے تاثرات بدل گئے۔

"شارق باؤ تم؟" اس نے آگے بڑھ کر بڑی گرمجوشی سے شارق سے ہاتھ ملایا۔ "کہاں غائب

ہو گئے تھے۔ تین چار مہینوں سے تمہارے بارے میں کچھ سنا ہی نہیں۔"

"میں ملک سے باہر گیا ہوا تھا۔" شارق نے جواب دیا۔ "معلوم ہوتا ہے کہ آج کل تمہارے پاس کوئی کام نہیں ہے اور آج تمہیں دیکھ کر یہ بھی سچ ثابت ہو گیا کہ بیکار آدمی شیطان کے شکنجے میں آ جاتا ہے۔"

"سچ کہتے ہو شارق باؤ۔" ظفری نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "بیکار آدمی واقعی شیطان کے چکر میں آ جاتا ہے۔ لیکن کچھ کرنے کو ہے بھی تو نہیں۔ سارا دن ایسے ہی پڑا رہتا ہوں۔ شام کو ان گلیوں میں آنے والے تماش بینوں سے چائے پانی کا خرچہ وصول کر لیتا ہوں۔ اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ اب تم آئے ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ گہما گہمی شروع ہونے والی ہے۔"

"ٹھیک سمجھے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "گہما گہمی واقعی شروع ہونے والی ہے' لیکن اس مرتبہ مقابلہ زیادہ چالاک اور طاقتور دشمن سے ہے۔ میں تمہیں اندھیرے میں نہیں رکھنا چاہتا۔ اگر تم چاہو تو انکار کر سکتے ہو۔"

"اس شہر میں تم سے زیادہ طاقتور کون ہو گا شارق باؤ۔" ظفری بولا۔

"حاجی۔" شارق نے مختصر سا جواب دیا۔

"حاجی!" ظفری کے لہجے میں حیرت تھی۔ "مگر وہ تو تمہارا دوست۔۔۔۔"

"دوست پہلے تھا۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "اب وہ میرا دشمن نمبر ایک ہے۔ مجھے سب سے پہلے اسے ختم کرنا ہے یا خود مٹ جانا ہے۔"

"تمہیں کچھ کیوں ہو شارق باؤ۔" ظفری جلدی سے بولا۔ "ہم تمہارے دشمنوں کو مٹی میں ملا دیں گے۔"

"تو پھر ٹھیک ہے۔" شارق بولا۔ "کل رات آٹھ بجے واتا دربار پہنچ جانا' میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

"پروگرام کیا ہے؟" ظفری نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میری عدم موجودگی میں حاجی نے میرے گھر والوں کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔ اس نے میری ماں اور بہن کو گھر سے نکال کر مکان پر نہ صرف قبضہ کر لیا بلکہ اسے فروخت بھی کر دیا۔ میری ماں بہن اور میرے دوست کو قتل کی دھمکیاں دیں' راجہ کی ہڈیاں توڑ کر اسے ہسپتال پہنچا دیا۔ اس کا خیال تھا کہ میں افغانستان سے زندہ واپس نہیں آؤں گا اور وہ میرے بعد جو چاہے کر سکتا ہے۔ اس نے مجھے جان سے مارنے کا پورا بندوبست کر لیا تھا۔ لیکن وہ یہ بھول گیا تھا کہ بچانے والا مارنے والے سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے۔ اب میں واپس آ گیا ہوں۔"

"حاجی ایسا بے غیرت ہے۔" ظفری بولا۔ "فکر نہ کرو شارق باؤ۔ تمہاری ماں بہن ہماری ماں بہن ہے۔ ان کی بے عزتی کا بدلہ ہم لیں گے ۔ تم بتاؤ۔ کرنا کیا ہے۔"

"جو کچھ کرنا ہے وہ میں نے سوچ لیا ہے۔" شارق بولا۔ "پروگرام فائنل کر کے کل ہی بتاؤں گا۔"

"تم ابھی حکم کرو۔ کہو تو ابھی جا کر حاجی کو گولی مار دوں۔" ظفری بولا۔

"تم جانتے ہو کہ شارق سوچے سمجھے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتا۔" شارق نے کہا۔ "ابھی ہم حاجی پر براہ راست ہاتھ نہیں ڈالیں گے۔ پہلے اس کے چند خاص آدمیوں کا بندوبست کرنا ہے اس کے بعد حاجی کو پکڑیں گے۔"

"بات تو عقلمندی کی ' کی ہے۔" ظفری بولا۔ "لیکن ٹھہرو۔ پہلے میں چائے منگواتا ہوں۔ پھر آرام سے بات کریں گے۔" اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے کسی عورت کا نام لے کر آواز دی۔ دوسرے ہی لمحہ وہی عورت دروازے میں نمودار ہوئی جسے شارق نے ظفری کے ساتھ لیٹے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے چہرے پر شرم و حیا نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ "زمرد! میرا جگری یار آیا ہے۔ اب تم جاؤ اور کسی کے ہاتھ چائے بھجوا دینا۔"

شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ کوئی دھندے والی عورت تھی۔ وہ چند لمحے شارق کی طرف دیکھتی رہی پھر خاموشی سے باہر نکل گئی۔

"شارق باؤ۔ تم بہت تھکے ہوئے لگتے ہو۔ تھوڑا آرام کر لو۔"

"آرام تو میں اس وقت کروں گا جب حاجی کو ٹھکانے لگا دوں گا۔" شارق نے جواب دیا۔

"ہم مل کر اسے ٹھکانے لگائیں گے۔" ظفری بولا۔

کچھ ہی دیر بعد چائے آ گئی۔ وہ دونوں چائے کی چسکیاں لیتے اور باتیں کرتے رہے۔ ظفری حاجی کے بارے میں جان کر بہت غصے میں آ گیا تھا ۔ وہ اونچا لمبا اور بھاری ڈیل ڈول کا آدمی تھا اور چہرے ہی سے بدمعاش لگتا تھا۔ اسے دیکھ کر شریف آدمیوں کا تو ویسے ہی دم نکل جاتا تھا۔ ظفری اور موجو جیسے آدمی وہ لوگ تھے جو اپنے آقا کے لئے جان بھی دے سکتے تھے۔ یہ لوگ بدکردار اور بدمعاش ضرور تھا لیکن ان کا بھی اپنا ایک کردار تھا۔ ماضی میں شارق نے ان پر کچھ احسانات کئے تھے۔ پہلے ان سے کوئی کام نہیں لیا گیا تھا لیکن اب وہ انہیں آگے لانا چاہتا تھا۔ اس کے خیال میں حاجی سے نمٹنے کے لئے ایسے ہی آدمیوں کی ضرورت تھی۔

شارق اس وقت واقعی تھکن سی محسوس کر رہا تھا۔ وہ کئی میل تک دھوپ میں پیدل چلتا رہا تھا۔ آدمیوں کا بندوبست ہو جانے کے بعد اسے کچھ اطمینان سا ہو گیا تھا۔ چائے پینے کے بعد وہ

کرسی سے اٹھ کر ریگزین کے صوفے پر لیٹ گیا۔ باتیں کرتے ہوئے اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ ظفری سمجھا کہ وہ سو رہا ہے۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

شارق سویا نہیں تھا۔۔۔۔۔ آنکھیں بند کر کے صورتحال کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس نے طے کیا تھا کہ حاجی پر براہ راست حملہ کرنے کے بجائے پہلے اس کے خاص خاص آدمیوں سے نمٹا جائے۔ اس سلسلے میں اس نے سب سے پہلے منور سے نمٹنے کا فیصلہ کیا تھا۔ منور رشتے میں حاجی کا بھانجا بھی ہوتا تھا۔ اس کا حشر دیکھ کر حاجی یقیناً" تلملا اٹھے گا۔ ویسے حاجی کے بارے میں شارق کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں تھا۔ اپنے کسی آدمی پر حملے کے بعد وہ خاموش نہیں رہے گا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ حاجی کو سنبھلنے کا موقع نہیں دے گا۔

یہی سب کچھ سوچتے ہوئے شارق واقعی سو گیا۔ اس کی آنکھ کھلی تو شام کے سات بج رہے تھے۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ آنکھ کھلنے کے بعد کچھ دیر تک وہ یہ اندازہ ہی نہ لگا سکا کہ وہ کہاں ہے۔ پھر طبلے کی تھاپ اور گھنگروؤں کی جھنکار کانوں سے ٹکرائی تو ایک جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ٹھیک اسی لمحہ ظفری کمرے میں داخل ہوا۔

"میں سو گیا تھا اور تم نے مجھے جگایا ہی نہیں۔" شارق نے اسے گھورا۔

"تم بہت تھکے ہوئے تھے۔ میں نے اس لئے تمہیں نہیں جگایا کہ تھوڑا آرام کر لو۔" ظفری نے جواب دیا۔ "تم منہ ہاتھ دھو لو شارق باؤ۔ میں نے چائے منگوائی ہے۔"

شارق اٹھ کر باہر والے کمرے میں آ گیا۔ وہاں ایک طرف بیسن لگا ہوا تھا۔ اس نے منہ ہاتھ دھویا اور دوبارہ کمرے میں آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد ہی چائے آ گئی۔

شارق جب ظفری کے مکان سے نکلا تو رات کے آٹھ بجنے والے تھے۔ بازار کی رونق شروع ہو رہی تھی۔ ہر طرف سے طبلے کی تھاپ اور گھنگھروؤں کی جھنکار سنائی دے رہی تھی۔ شارق ٹہلتا ہوا ٹیکسالی گیٹ پر آ گیا اور موڑ پر کھڑے ہوئے ایک خالی رکشے پر بیٹھ گیا۔

رات دس بجے تک وہ شہر کے مختلف علاقوں میں مختلف کاموں میں مصروف رہا اور جب وہ گلبرگ والی کوٹھی کے سامنے رکشے سے اترا تو ساڑھے دس بج رہے تھے۔

اس نے گیٹ کی گھنٹی بجائی۔ طفیل نے گیٹ کھولا۔ شارق گیٹ میں داخل ہو کر برآمدے تک پہنچا تو ٹھٹک کر رہ گیا۔ رضیہ اچانک ہی برآمدے والے دروازے سے نکل کر اس کے سامنے آ گئی تھی۔

○○

"یہ سب کیا ہے بھیا!" رضیہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔ "کیا ہم لوگ کبھی کسی ایک جگہ

چین سے نہیں رہ سکیں گے؟"

"مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے تم لوگوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔" شارق اس سامنے دروازے میں داخل ہوتے ہوئے بولا۔ "لیکن اب ایسا نہیں ہو گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں میں پیسوں کے علاوہ کچھ اور بھی ہے جس کا ماں جی کو پتا نہیں چلنا چاہئے۔ تم لوگوں کو کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔"

ماں جی کی پیشانی پر بھی شکنیں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ منہ سے تو کچھ نہیں بولی' لیکن چہرے تاثرات سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ وہ اس صورتحال سے خوش نہیں ہے۔

"آپ ناراض ہیں ماں جی اپنے بیٹے سے۔" شارق نے اپنی بانہیں اس کے گلے میں حائل دیں۔

"میں ناراض نہیں ہوں بیٹا۔ لیکن یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ تمہاری زندگی کا سکون غارت ہو گیا ہے۔ چوبیس گھنٹے جان ہتھیلی پر لئے پھرتے ہو۔ یہ سب کچھ چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔" ماں جی نے کہا۔

"میں تو چھوڑنا چاہتا ہوں' لیکن لوگ مجھے نہیں چھوڑتے۔" شارق نے جواب دیا۔ "تھوڑے ہی عرصہ کی بات ہے۔ اس کے بعد اپنی زندگی میں سکون ہی سکون ہو گا۔ بس۔۔۔۔ روز۔۔۔۔ اگر چند روز میں سب کچھ ختم نہ ہوا تو وعدہ کرتا ہوں کہ آپ لوگوں کو لے کر ایسی جگہ چلا جاؤں گا جہاں یہ ہنگامے نہیں ہوں گے۔"

"میرا خیال ہے تم کھانا کھا کر آئے ہو۔"

ثمینہ کی آواز سن کر شارق اس طرف مڑ گیا۔ "نہیں تو۔" وہ بولا۔

"تو پھر چلو۔" ثمینہ بولی۔ "تم نے کہا تھا کہ کھانا گھر پر کھاؤ گے۔ اس لئے ہم نے تمہارے انتظار میں ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔"

رضیہ نے کھانا لگا دیا اور وہ چاروں بیٹھ کر کھانا کھانے لگے۔ کھانے کے دوران شارق اس کوٹھی کے بارے میں بتاتا رہا تھا۔

"میں نے فوری ضرورت کا سامان ڈلوا دیا ہے۔" وہ رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "لیکن جس چیز کی ضرورت ہو تم اور ثمینہ خرید کر لے آنا۔ لیکن اس بات کا خیال رکھنا کچھ تک تم لوگ گھر سے باہر نکلتے وقت برقعہ پہنو گی۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم تمہاری ہدایات کا خیال رکھیں گے۔" رضیہ نے جواب دیا۔

کھانے کے بعد بھی وہ دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ شارق یہاں آنے سے پہلے مہران کے ہاں سے اپنا بریف کیس لے آیا تھا۔ اس نے بریف کیس کھول کر نوٹوں کی دو گ

رضیہ کے ہاتھ میں تھما دیں۔

"یہ دو لاکھ روپے ہیں۔ ضرورت کی چیزیں لے آنا اور یہ بریف کیس سنبھال کر رکھ لو۔ اس میں پیسوں کے علاوہ کچھ اور بھی ہے جس کا ماں جی کو پتا نہیں چلنا چاہئے۔"

کچھ دیر بعد شارق اس کمرے میں آ گیا جہاں ٹیلی فون رکھا ہوا تھا۔ جن خصوصیات کی بنا پر شارق نے یہ کوٹھی پسند کی تھی ان میں ایک خصوصیت یہاں ٹیلی فون کی موجودگی بھی تھی۔ اس نے فون کا ریسیور اٹھایا اور سہیل کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ وہ تقریباً" آدھے گھنٹے تک فون پر سہیل سے باتیں کرتا رہا پھر باہر آ گیا۔

"مجھے کہاں سونا ہے بھئی۔ میرے لئے بھی کوئی بستر ہے یا نہیں؟" وہ رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"تمہارا کمرہ وہ ہے۔" رضیہ کے بجائے ثمینہ نے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"اچھا۔ ٹھیک ہے۔ میں سونے جا رہا ہوں۔ صبح ملاقات ہو گی۔" شارق کہتے ہوئے اس کمرے میں داخل ہو گیا۔

صبح شارق دیر سے اٹھا تھا۔ لیکن ناشتا کرنے کے فوراً" ہی بعد گھر سے رخصت ہو گیا۔ اس نے طفیل کو سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ ان لوگوں کا خیال رکھے۔

گھر سے نکلنے کے بعد شارق نے چند گز کا فاصلہ طے کیا تھا کہ کچھ سوچ کر واپس آ گیا۔ وہ کچھ دیر تک رضیہ سے باتیں کرتا رہا۔ ان کی آواز سرگوشیوں سے زیادہ نہیں تھی۔ اس مرتبہ وہ گھر سے نکلا تو اسے فوراً" ہی رکشہ مل گیا۔

وہ سیدھا ریلوے سٹیشن کے قریب بوڑھ والے چوک پہنچ گیا۔ یہاں نئی اور پرانی کاروں کے چند شو رومز تھے جہاں کرائے پر کاریں بھی ملتی تھیں۔ اس نے ایک شو روم سے کرائے پر ایک ٹویوٹا کار حاصل کی۔ کار حاصل کرنے کے لئے اس نے ایک ایسے آدمی کا نام استعمال کیا تھا جو شارق کو بھی جانتا تھا اور شو روم کے مینجر کو بھی۔ اس نام کی وجہ سے شارق کو کار حاصل کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ اس نے خاصی رقم ایڈوانس میں دے دی تھی۔

شارق اس کار پر دن بھر مختلف مقامات پر پھرتا رہا۔ دوپہر کا کھانا اس نے ایک ہوٹل میں کھایا اور پھر ملتان روڈ کی طرف نکل گیا۔ شہر کی حدود کے اختتام کے بعد وہ مین روڈ پر ڈرائیو کرتا رہا اور پھر کار کو دائیں طرف ایک ذیلی سڑک پر موڑ دیا۔

کچھ دیر بعد شارق اس حویلی میں موجود تھا جہاں افغانستان سے پہلے انہوں نے اسلحے کی پیٹیاں اور ہیروئن چھپائی تھی۔ اس وقت شارق کے خیال میں محفوظ ترین جگہ یہی تھی۔ وہ حاجی کے

خلاف کارروائی کے لئے اس حویلی کو اپنا ہیڈ کوارٹر بنا سکتا تھا۔

حویلی کی چابیاں گیٹ سے کچھ دور دیوار میں ٹوٹی ہوئی اینٹوں کے اندر چھپائی گئی تھیں۔ چابیاں جوں کی توں وہاں موجود تھیں۔ ظاہر ہے کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ چھ فٹ اونچی ٹوٹی ہوئی دیوار میں چابیاں چھپائی گئی ہوں گی۔ اس نے چابیاں نکال کر گیٹ کھولا اور پھر کار کو اندر لے جا کر بند کر دیا۔

اس حویلی کا ایک کمرہ انہوں نے رہائش کے قابل بنا رکھا تھا۔ لیکن چارپائیوں پر بچھی ہوئی چادروں پر مٹی کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ اس نے چادریں جھاڑ کر بچھائیں اور ایک چارپائی اٹھا کر باہر درخت کے نیچے بچھا دی اور اس پر لیٹ گیا۔ دوپہر کے وقت درخت کی گھنی چھاؤں میں ٹھنڈی ہوا بہت بھلی لگ رہی تھی۔ شارق پر غنودگی سی طاری ہونے لگی اور کچھ ہی دیر بعد وہ نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا۔

شارق کی آنکھ کھلی تو سورج مغرب کی طرف جھک رہا تھا۔ اس نے کنویں سے پانی نکال کر منہ ہاتھ دھویا اور کمرے میں آ گیا۔ وہ کمروں کی بتیاں جلاتا ہوا انتہائی اندرونی کمرے میں آیا جہاں اسلحے کی پیٹیاں اور بوریوں میں ہیروئن کے پیکٹ بھرے ہوئے رکھے تھے۔ ہیروئن کی مالیت اربوں روپے تھے اور اسلحہ اس کے علاوہ تھا۔ شارق نے اسلحہ والی ایک پیٹی کھول لی اور تین کلاشنکوف رائفلیں نکال کر انہیں چیک کرنے لگا۔ اس نے تینوں میں میگزین فٹ کر دیئے۔ ایک فالتو میگزین اٹھا لیا اور اس کمرے سے نکل کر پہلے کمرے میں آ گیا۔ اندر والے کمرے کا دروازہ اس نے بڑی احتیاط سے لاک کیا تھا۔

اس نے تینوں رائفلیں کار میں سیٹوں کے نیچے چھپا دیں اور ٹھیک سات بجے وہ حویلی سے نکل گیا۔ چابیاں اس نے دوبارہ ٹوٹی ہوئی دیوار میں اسی جگہ رکھ دی تھیں جہاں سے اٹھائی تھیں۔

مین روڈ پر ٹریفک کی وجہ سے اسے کار کی رفتار کم رکھنی پڑی۔ سمن آباد موڑ سے گزرتے ہوئے اس نے ادھر ادھر دیکھا تھا۔ موڑ پر خاصی رونق تھی۔ چوبرجی چوک پر پہنچ کر اس نے کار کی رفتار مزید کم کر دی تھی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا لیکن کوئی مشتبہ آدمی نظر نہیں آیا تھا۔

داتا دربار کے قریب پہنچ کر شارق نے کار سڑک پر روک دی اور نیچے اتر کر پیدل چلتا ہوا اس گیٹ کی طرف بڑھنے لگا جس کے بارے میں اس نے ظفری وغیرہ کو بتایا تھا۔

اس وقت آٹھ بج رہے تھے۔ داتا دربار بڑی رونق تھی۔ عقیدت مندوں کا ہجوم تھا۔ اس گیٹ کے قریب وسیع و عریض شیڈ کے نیچے پیشہ ور باورچیوں کے بڑے بڑے کچن تھے۔ سوئی گیس کے بڑے بڑے چولہوں پر دیگیں چڑھی ہوئی تھیں۔ باورچیوں کے ملازم تیار دیگیں ٹرالیوں

پر رکھے زائرین کو متوجہ کر رہے تھے اور زائرین یہ دیگیں منگے داموں خرید کر کھانا غریبوں میں بانٹ رہے تھے۔

شارق گیٹ کے قریب ایسی جگہ کھڑا ہو گیا جہاں زیادہ ہجوم نہیں تھا۔ وہ متجسس نظروں سے ہر آنے جانے والے کو دیکھ رہا تھا۔ آٹھ بج کر پانچ منٹ؟ پر پہلے اسے ظفری دکھائی دیا پھر موجو۔۔۔۔ اس کے ساتھ ایک اور آدمی بھی تھا۔ وہ پپو تھا۔ اس کی عمر اٹھائیس تیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ دراز قامت سڈول جسم اور مغل کٹ داڑھی اس کے چہرے پر خوب جچ رہی تھی۔ شارق نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔ بظاہر وہ بڑا شریف آدمی لگت تھا لیکن شارق جانتا تھا کہ وہ بہت خطرناک نوجوان ہے۔

شارق نے ان تینوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور گیٹ سے نکل کر سڑک کی طرف چل پڑا۔ وہ تینوں بھی تھوڑے تھوڑے فاصلے پر اس کے پیچھے چلنے لگے۔

کار کے قریب پہنچ کر شارق ایک لمحہ کو رکا۔ پھر دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ وہ تینوں بھی کار کے قریب آ گئے۔ ظفری آگے ولی سیٹ پر اور پپو اور موجو پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے تھے۔ شارق نے انجن سٹارٹ کر کے کار آگے بڑھا دی۔

سمن آباد موڑ تک پہنچنے میں انہیں آدھے گھنٹے سے زیادہ نہیں لگا تھا۔ شارق نے گاڑی ایک طرف روک لی۔

"تم میں سے کسی کو معلوم ہے کہ دودھ والے دودھ والے کی دکان کہاں ہے؟" شارق نے پوچھا۔ اس کے مخاطب وہ تینوں ہی تھے۔

"اس کی دکان تو آگے بھالا سٹاپ پر ہے۔" پیچھے بیٹھے ہوئے موجو نے کہا شارق نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ بھالا سٹاپ وہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔ یہاں سڑک کے دونوں طرف دکانیں تھیں۔ ایک تنگ سی سڑک نو ناریاں کی طرف مڑتی تھی۔ ان دکانوں کی وجہ سے یہاں خاصی رونق تھی۔ سٹاپ کے قریب پہنچ کر شارق نے گاڑی کی رفتار کم کر لی۔

"وہ سامنے ہے دودھ والے دودھ والے کی دکان۔" موجو نے سڑک کے دوسری طرف اشارہ کیا۔

شارق نے کار روک لی۔ جس جگہ اس نے کار روکی تھی وہاں ایک چھوٹا سا جنرل سٹور تھا۔ ایک سائیکلوں کی دکان تھی اور دو تین دکانیں مختلف قسم کی تھیں۔ اس کے عین سامنے سڑک پار دوسری طرف دودھ والے دودھ والے کی دکان تھی۔ یہاں سڑک اگرچہ زیادہ کشادہ نہیں تھی لیکن دودھ والے نے دکان کے آگے خاصی جگہ گھیر رکھی تھی۔ اینٹوں سے بنی ہوئی پٹی پر دودھ کی بہت بڑی کڑاہی چڑھی ہوئی تھی جس سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ اس کے پیچھے لکڑی کے ایک

تخت پر بچھی ہوئی گدی پر دولا دودھ والا بیٹھا ہوا تھا۔ وہ ادھیڑ عمر دبلا پتلا سا آدمی تھا۔ سر پر ترچھی پگڑی بندھی ہوئی تھی۔ لان کا سفید کرتا اور لٹھے کی سفید دھوتی۔

کڑاہی کے اوپر کی طرف لکڑی کا ایک اور تخت رکھا ہوا تھا جو پچھلی طرف سے کسی قدر اٹھا ہوا تھا۔ اس پر جلیبی' لڈو' اندرسے اور برفی وغیرہ کے طشت سجے ہوئے تھے۔

دکان کے سامنے لکڑی کے پانچ چھ بنچ پڑے تھے جن پر گاہک بیٹھے ہوئے تھے۔ کوئی لسی پی رہا تھا اور کوئی دودھ کا پیالہ پکڑے بیٹھا تھا۔ ان بنچوں کے قریب ہی ایک کرسی پر ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی عمر تیس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔ اس نے بھی سفید کرتا اور خوبصورت بارڈر والا لاچہ پہن رکھا تھا۔ پیروں میں سلیم شاہی تھا اس کے سر کے بال خاصے لمبے تھے جو گردن پر پھیلے ہوئے تھے۔ بھاری مونچھوں نے اس کے چہرے کو خاصا بارعب بنا دیا تھا۔

"وہ منور ہے۔" کار میں بیٹھے ہوئے موجو نے کرسی پر بیٹھے ہوئے اس شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔

شارق غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے سامنے ایک چھوٹی میز رکھی ہوئی تھی جس پر چیک دار ایک بڑا رومال بچھا ہوا تھا۔ رومال کا ایک کونا خاصا مڑا ہوا تھا۔ دور سے دیکھ کر ہی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس کے نیچے کوئی چیز موجود ہے۔ اس دوران ایک آدمی وہاں آ کر رکا اس نے جیب سے چند نوٹ نکالے اور رومال کا کونا اٹھا کر نوٹ رکھنے کے بعد اس نے منور کو سلام کیا اور وہاں سے چلا گیا۔

پانچ منٹ میں تین آدمی اس رومال کے نیچے پیسے رکھ کر گئے تھے۔ شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ منور وہاں بیٹھا دکانداروں سے جگا ٹیکس وصول کر رہا تھا۔ غالباً" یہ اس کا روز کا معمول تھا۔ دکاندار خود ہی وہاں آ کر جگا ٹیکس دے جاتے تھے۔

"پپو!" شارق نے مڑ کر پپو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم جاؤ ذرا اس کے پاس۔ اس سے کہو تمہارا ایک دوست بلا رہا ہے۔"

پپو کار سے اتر گیا۔ موجو نے بھی ایک طرف ہٹ کر سیٹ اٹھائی اور دو رائفلیں نکال لیں۔ ایک اس نے اپنے پاس رکھ لی اور دوسری اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ظفری کے حوالے کر دی۔ موجو نے رائفل کی نال کھڑکی پر رکھ لی اور سامنے کی طرف دیکھنے لگا۔ شارق بھی اسی طرف دیکھ رہا تھا۔

پپو سڑک پار کر کے دولے کی دکان کے سامنے پہنچ گیا اور بنچوں کے اوپر سے گھومتا ہوا منور کی کرسی کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ منور نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ یہ چہرہ اس کے لئے

نیا تھا۔

"کیا بات ہے اوئے۔ کون ہو تم؟" اس نے اکھڑے لہجے میں پوچھا۔

"تمہارے لئے ایک پیغام لایا ہوں۔" پپو نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"اگر تم چاہتے ہو کہ یہاں لوگوں کے سامنے تمہارے سر پر جوتے نہ لگائے جائیں تو اٹھ کر میرے ساتھ چل دو۔ وہ سامنے گاڑی کھڑی ہے۔ تمہارا باپ تم سے صرف دو باتیں کرنا چاہتا ہے۔"

منور نے سڑک کے دوسری طرف کھڑی ہوئی گاڑی کی طرف دیکھا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے پپو کے منہ پر گھونسا مارنا چاہا لیکن پپو نے بڑی پھرتی سے اس کی کلائی پکڑ لی۔

"ابھی ایسا کوئی آدمی پیدا نہیں ہو سکتا جو پپو پر ہاتھ اٹھا سکے۔" پپو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ناجھے' گامے--- ساجھے---" منور چیخ کر اپنے آدمیوں کو پکارنے لگا۔ یہ صورتحال دیکھ کر وہاں بیٹھے ہوئے لوگ خوفزدہ ہو کر بھاگنے لگے۔ وہ لوگ جانتے تھے کہ اب یہاں ہنگامہ ہو گا' گولیاں چلیں گی اور ایک آدھی لاش بھی گرے گی۔

چار پانچ غنڈے ادھر ادھر سے نکل کر پپو کی طرف لپکے' پپو ان کے گھیرے میں آ گیا لیکن اس نے منور کی کلائی نہیں چھوڑی۔ منور کے ایک آدمی نے پستول نکال کر ہوائی فائر کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی دکانیں بھی دھڑ دھڑ بند ہونے لگیں۔ منور کے آدمی یہی سمجھے تھے کہ پپو اکیلا ہی ہے لیکن کار میں بیٹھے ہوئے موجو نے رائفل کا ایک ہوائی برسٹ مار دیا تو وہاں بھگدڑ سی مچ گئی۔ منور کے غنڈے ادھر ادھر دبک کر فائرنگ کرنے لگے۔

اس بھگدڑ میں دودھ کی کڑاہی الٹ گئی اور دولا دودھ والا بھی چیختا ہوا ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ پپو واقعی دلیر آدمی تھا۔ وہ ذرا بھی خوفزدہ نہیں ہوا۔ اس نے ایک ہاتھ سے منور کی کلائی پکڑ رکھی تھی اور دوسرے ہاتھ سے اسے گھونسے رسید کر رہا تھا۔ پھر اس نے کلائی چھوڑ دی اور دوسرا ہاتھ بھی استعمال کرنے لگا۔ منور نے موقع پا کر بھاگنے کی کوشش کی مگر پپو نے اسے دو قدم سے زیادہ آگے نہیں جانے دیا۔ وہ اسے گھونسے اور لاتیں رسید کرتا ہوا سڑک کی طرف لے جا رہا تھا۔

دونوں طرف ٹریفک رک گیا تھا۔ لوگ گاڑیوں سے اتر اتر کر گلیوں میں گھس رہے تھے۔ گاڑی میں بیٹھا ہوا موجو مسلسل فائرنگ کر رہا تھا۔ اس فائرنگ کی وجہ سے منور کے آدمیوں کو سامنے آنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔

پپو' منور کو ٹھوکریں مارتا اور گھسیٹتا ہوا کار تک لے آیا۔ شارق کار سے اتر آیا' اسے دیکھ کر

منور کانپ اٹھا۔

"تت۔۔۔۔ تم۔۔۔" خوف کی شدت سے اس کی آواز حلق میں اٹک کر رہ گئی۔

"اچھا ہوا تم نے پہچان تو لیا۔" شارق مسکرایا پھر پپو کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اسے گاڑی میں ڈال دو اور اگر یہ شور مچانے کی کوشش کرے تو بھون دینا اسے گولیوں سے۔"

"فکر ہی نہ کرو شارق باؤ۔" پپو نے جواب دیا اور منور کو گاڑی میں ٹھونسنے کی کوشش کرنے لگا۔ منور مسلسل مزاحمت کر رہا تھا۔ وہ چیخ چیخ کر اپنے ساتھیوں کو پکار رہا تھا لیکن اس کے تینوں ساتھی گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح غائب ہو چکے تھے۔ پپو اسے مسلسل ٹھوکریں مار رہا تھا اس کھینچا تانی میں منور کے لاچے کی گرہ کھل گئی اور کوئی بھاری چیز نیچے گرنے کی آواز سن کر پپو چونک گیا۔

وہ پستول تھا جو منور کے لاچے کی ڈاب سے نکل کر گرا تھا۔ پپو نے لپک کر پستول اٹھا لیا اور اس کی نال منور کی کھوپڑی پر رکھ دی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔

"اگر اس وقت اپنی جان بچانا چاہتے ہو تو گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔"

"مجھے معاف کر دو۔ خدا کے لئے مجھے معاف کر دو۔" منور نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

"کیسے بدمعاش ہو تم۔" پپو نے اسے زوردار ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ "ارے بدمعاش تو برستی گولیوں میں بھی سینہ تان کر کھڑا ہو جاتا ہے اور تم ہاتھ لگنے پر ہی ہاتھ جوڑنے لگے ہو۔ لگتا ہے تم نے کسی گدھی کا دودھ پیا ہے چور اچکا کہیں کا۔۔۔۔ بیٹھ گاڑی میں۔"

مگر منور اس وقت بھی رحم کی بھیک مانگ رہا تھا۔ پپو اسے پکڑ کر کار میں ٹھونسنے لگا۔ اندر سے موجو نے منور کے ہاتھ پکڑ کر اندر کھینچ لیا۔ پپو بھی کار میں بیٹھ گیا اور اس نے دروازہ بند کر لیا۔

موجو نے ہوا میں رائفل کا ایک برسٹ مارا۔ شارق بدی سے سٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ گیا۔ انجن سٹارٹ ہی تھا۔ اس نے گیئر میں ڈال کر گاڑی آگے بڑھا دیا۔ دونوں اطراف ٹریفک بند تھا۔ اس ٹریفک سے کار نکالنا ممکن نہیں تھا۔ شارق نے ایک تنگ سی گلی میں موڑ دی۔ ٹھیک اس وقت دور کہیں سے پولیس کے سائرن کی آواز سنائی دی تھی۔

شارق کار کو گلیوں ہی گلیوں میں گھماتا رہا۔ فضا میں پولیس کے سائرن کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔ یہ آواز کبھی ایک طرف سے آتی کبھی دوسری طرف سے اور پھر شارق کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ پولیس کی دو گاڑیاں تھیں جو غالباً انہیں گھیرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

شارق کی کار ایک گلی سے نکل کر جیسے ہی سڑک پر آئی شارق اپنی سیٹ پر اچھل پڑا۔ بائیں طرف سڑک پر پولیس کی گاڑی آ رہی تھی اور اس نے اچانک ہی سائرن کھول دیا تھا۔ یہ سائرن سن کر ہی اگلی سیٹ پر بیٹھا ہوا ظفری بھی چونکا تھا۔ اس نے بڑی پھرتی سے فائر کھول دیا۔ فائرنگ سے پولیس کی گاڑی کا اگلا ایک ٹائر دھماکے سے پھٹ گیا۔ وین بری طرح لڑکھڑا گئی۔ شارق کی کار بھی اس طرف مڑی تھی۔ اس کی رفتار بھی تیز تھی اور پولیس کی تیز رفتار وین بھی لڑکھڑاتی ہوئی اس طرف آ رہی تھی۔ فاصلہ لحہ بہ لحہ کم ہو رہا تھا۔

○

شارق نے بڑی پھرتی سے سٹیئرنگ کو دائیں طرف گھما دیا۔ کار ٹائروں کی تیز چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ مڑی۔ پولیس وین کار کے پچھلے حصے کو ٹکر مارتی ہوئی سڑک سے اتر کر ایک درخت سے ٹکرا گئی۔

کار کے پچھلے حصے پر پولیس وین کی ٹکر اگرچہ زیادہ زوردار نہیں تھی لیکن کار لڑکھڑا گئی تھی۔ اگر شارق اسے سنبھال نہ لیتا تو وہ بھی پولیس وین کی طرح سڑک کے دوسری طرف کسی مکان سے ٹکرا جاتی۔ ٹکر لگنے سے کار مڑ گئی تھی۔ شارق نے سٹیئرنگ سنبھالتے ہی ایکسیلیٹر پر پیر کا دباؤ بڑھا دیا۔ کار بندوق سے نکلی ہوئی گولی کی طرح سڑک پر دوڑنے لگی۔ شارق کے ساتھ دوسری سیٹ پر بیٹھے ہوئے ظفری نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ پولیس وین درخت سے ٹکرا کر رک گئی تھی اور پولیس والے بدحواسی میں نیچے کود رہے تھے۔ اس ٹکر سے ان کے اپنے حواس گم ہو گئے تھے اور انہیں شارق والی کار کا ہوش ہی نہیں رہا تھا۔ انہیں تو شاید یہ بھی اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ اس کار میں وہ لوگ تھے جن کی انہیں تلاش تھی۔

کار مختلف راستوں سے ہوتی ہوئی یتیم خانے والے موڑ کے قریب ایک بار پھر ملتان روڈ پر نکل آئی۔ شارق کار کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔

"پپو۔" شارق نے سامنے لگے ہوئے آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس کی آنکھیں باندھ دو تاکہ اسے یہ پتا نہ چل سکے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔"

"اس کی ضرورت ہی نہیں شارق باؤ۔" پپو نے جواب دیا۔ "یہ تو پہلے ہی سجدے میں پڑا ہوا ہے۔ سر اوپر اٹھائے گا تو کچھ دیکھے گا نا۔"

پپو نے ٹھیک کہا تھا۔ منور سیٹ پر نہیں بلکہ ان کے پیروں میں اوندھا پڑا تھا۔ اس کی پیشانی فٹ میٹ کو چھو رہی تھی۔ پپو اور موجو نے اوپر سے اسے دبا رکھا تھا۔

شارق نے بالآخر کار حویلی کی طرف جانے والی سڑک پر موڑ لی۔ اس طرف آبادی نہ ہونے

کے برابر تھی۔ رات کو اس وقت یہاں تاریکی اور سناٹا تھا۔ شارق نے حویلی کے پھاٹک کے سامنے کار روک لی اور دروازہ کھول کر نیچے اترتے ہوئے ظفری کو مخاطب کر کے بولا۔

"تم سٹیئرنگ کے سامنے بیٹھ جاؤ میں پھاٹک کھولتا ہوں تم کار کو اندر لے چلنا۔"

اس نے دیوار کی ٹوٹی ہوئی کھولی میں سے چابیوں کا گچھا نکالا اور پھاٹک کھول دیا۔ ظفری کار اندر لے گیا تو شارق نے پھاٹک بند کر دیا۔ ظفری نے کار ٹھیک جگہ پر ہی روکی تھی۔

پپو نے منور کو کار سے گھسیٹ کو باہر نکالا تو اس کا لاچہ کھل گیا۔ وہ اپنا لاچہ سنبھال رہا تھا کہ پپو نے اس کے کولہے پر زوردار ٹھوکر رسید کر دی۔ وہ چیختا ہوا منہ کے بل گرا۔

شارق نے برآمدے والا دروازہ کھول کر برآمدے اور سامنے والے دو کمروں کی بتیاں جلا دی تھیں۔ وہ سب برآمدے کے سامنے تھے۔ منور کا چہرہ خوف سے پیلا ہو رہا تھا۔ اس کی ٹانگیں تھرتھر کانپ رہی تھیں۔

"تم نے مجھے تو پہچان لیا ہے اور تمہیں یہ بھی یاد ہو گا کہ تقریباً" دو مہینے پہلے تم نے میری ماں اور بہن کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا؟ انہیں کس طرح ذلیل کر کے گھر سے نکالا تھا۔"

"میں بے قصور ہوں استاد شارق۔" منور ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔ "اس میں میرا کوئی قصور نہیں تھا۔ مجھے حاجی نے کہا تھا کہ ان لوگوں کو نکال دیا جائے۔"

"حاجی تمہارا ماما لگتا ہے نا؟" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "اس نے یہ سمجھا تھا کہ میں مر چکا ہوں۔ وہ اپنے آپ کو بہت طاقتور سمجھتا ہے۔ اب میں اسے بتاؤں گا کہ کسی کو اپنے سے کمزور سمجھنے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔ میں نے حاجی کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا' لیکن اس نے مجھ سے دشمنی مول لے لی ہے اور یہ دشمنی اسے بہت مہنگی پڑے گی۔ اسے جب اپنے آدمیوں کی لاشوں کے تحفے ملنے لگیں گے تو اس کے ہوش ٹھکانے آ جائیں گے۔"

"مم---- مجھے معاف کر دو شارق استاد۔" منور گھگھیایا۔

"فکر مت کرو۔ میں تمہیں قتل نہیں کروں گا۔" شارق بولا۔ "میں تمہیں زندہ حاجی کے پاس پہنچاؤں گا تاکہ تم اسے بتا سکو کہ شارق اس کے خلاف میدان میں اتر آیا ہے۔"

"مم----- میں-----"

"کیا میں میں لگا رکھی ہے۔" موجو نے غراتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی اور اس کے ساتھ ہی ایک بھرپور گھونسا اس کے جبڑے پر رسید کر دیا۔

منور چیختا ہوا لڑکھڑا کر گرا۔ گھونسا خاصا زوردار تھا۔ منور کا ایک دانت ٹوٹ گیا اور اس کے منہ سے خون بہہ نکلا۔ وہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ پپو نے ایک زوردار ٹھوکر رسید کر دی۔

منور چیختا ہوا ایک بار پھر لڑھک گیا۔

"یہاں نہیں۔ اسے اندر لے کر چلو۔" شارق نے کہا۔ "یہاں اگرچہ آبادی زیادہ نہیں ہے۔ اکا دکا لوگ ہی رہتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اس کی چیخوں کی آواز سن کر لوگ جمع ہو جائیں۔ اندر لے چلو۔ پچھلے کمرے میں۔"

پپو اور موجو' منور کو گھسیٹتے ہوئے حویلی کے ایک کمرے میں لے آئے۔ منور اپنا لاچہ درست کر رہا تھا کہ شارق نے اس کے پیٹ پر زوردار ٹھوکر ماری۔

"تم جانتے ہو کہ کوئی شخص ہر قسم کی زیادتی برداشت کر لیتا ہے لیکن ماں اور بہن کی بے عزتی تو کوئی بے غیرت سے بے غیرت آدمی بھی برداشت نہیں کر سکتا۔" شارق چیخ کر کہہ رہا تھا۔ "جتنے آدمی میرے گھر پر گئے تھے ان سب کو چن چن کر ختم کر دوں گا اور تمہارا تو میں وہ حشر کروں گا کہ حاجی بھی تمہیں دیکھ کر کانپ اٹھے گا۔"

شارق نے منور کو لاتوں اور گھونسوں پر رکھ لیا۔ پپو' ظفری اور موجو بھی ایک آدھ لات یا گھونسا جڑ دیتے۔ منور بری طرح چیخ رہا تھا۔

اس کمرے میں کچھ چیزیں بھی بکھری ہوئی تھیں۔ شارق نے لوہے کی ایک سلاخ اٹھا لی اور اسے گھما کر پوری قوت سے منور کے منہ پر مار دی۔ منور کے منہ سے نکلنے والی وہ چیخ بہت ہی بھیانک تھی۔ سلاخ اس کے ہونٹوں پر لگی تھی جس سے نہ صرف اس کے ہونٹ پھٹ گئے بلکہ اوپر کے دو دانت بھی ٹوٹ گئے۔ وہ زمین پر لوٹنے لگا۔ شارق نے اسے دو چار ٹھوکریں بھی رسید کر دیں۔

"مجھے تم پر ذرا بھی ترس نہیں آئے گا۔" شارق چیخا۔ "تم اپنے علاقے کے بہت بڑے بدمعاش ہو نا۔ لوگوں سے جگا ٹیکس وصول کرتے ہو۔ شریف لوگوں کی پگڑیاں اچھالتے ہو۔ تمہیں حاجی کی پشت پناہی حاصل ہے اور پولیس کی آشیرباد۔ لیکن اب تمہیں نہ تو حاجی بچا سکے گا اور نہ ہی پولیس۔"

شارق نے ایک بار پھر لوہے کی سلاخ اٹھا لی اور منور پر پے در پے حملے کرنے لگا۔ اس پر جنون سا طاری ہونے لگا۔ اس موقع پر اگر ظفری وغیرہ بھی اسے روکنے کی کوشش کرتے وہ ان کے قابو بھی نہ آتا۔

منور کی چیخیں کمرے میں گونج رہی تھیں۔ اس کے جسم سے جگہ جگہ سے خون بہہ رہا تھا۔ اس کے دونوں بازوؤں اور پنڈلیوں کی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ کم از کم تین دانت نکل چکے تھے۔ ایک رخسار کی ہڈی چیخ گئی تھی اور دو پسلیاں بھی کریک ہو چکی تھیں۔ منور کا چہرہ اس طرح بگڑ گیا

تھا کہ اسے پہچاننا مشکل ہو رہا تھا۔ شارق نے سلاخ سے اس کی پسلیوں پر آخری وار کیا اور سلاخ ایک طرف پھینک دی۔ منور بری طرح چیخ رہا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ ابھی تک ہوش میں تھا۔

"اب تم نہ تو کبھی اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکو گے اور نہ ہی اپنے ہاتھ سے کچھ کھا سکو گے۔ زندگی بھر دوسروں کے محتاج رہو گے۔" شارق نے اسے ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ ظفری کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ظفری' برآمدے کے ساتھ دائیں طرف کچن ہے۔ وہاں سے تھوڑی سی مرچیں یا نمک لے آؤ۔"

ظفری فوراً" ہی باہر چلا گیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ پلاسٹک کی ایک برنی اٹھائے کمرے میں داخل ہوا۔ اس میں پسی ہوئی مرچیں تھیں۔ شارق نے ڈبہ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور ڈھکنا کھول کر مرچوں کی چٹکی بھری۔

"نہیں' نہیں۔" منور بلبلا اٹھا۔ "خدا کے لئے میرے زخموں پر مرچیں نہ چھڑکو۔"

"میں نے دیکھ لیا ہے کہ تم بہت زبردست قوت برداشت کے مالک ہو۔" شارق نے کہا۔ "کسی اور کے ساتھ یہ سب کچھ ہوتا تو وہ ختم ہو چکا ہوتا لیکن تم بزدل ہونے کے باوجود بہت سخت جان ہو۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کہاں تک برداشت کرتے ہو۔"

شارق نے چٹکی بھر مرچیں اس کے ایک زخم پر چھڑک دیں۔ منور بری طرح تڑپنے لگا۔ اس کی خوفناک چیخیں ایک بار پھر کمرے میں گونجنے لگیں۔

"مار دو۔۔۔۔۔ مجھے مار دو۔" وہ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ "خدا کے لئے مجھے مار ڈالو۔"

"نہیں۔۔۔۔۔ تم زندہ رہو گے۔" شارق بولا۔

منور تڑپتا' چیختا رہا اور بالآخر اس کی آواز حلق میں گھٹی چلی گئی اور وہ ساکت ہوتا چلا گیا۔ منور بے ہوش ہو گیا تھا۔

"اسے اس کے لاچے میں باندھ کر گاڑی کی ڈکی میں ڈال دو۔" شارق نے ظفری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ظفری اور پپو نے منور کا لاچہ فرش پر بچھا دیا اور منور کو اٹھا کر گٹھڑی کی طرح لاچے میں باندھ دیا۔ وہ ہڈیوں اور گوشت کا ایک ڈھیر تھا۔ جسے اٹھا کر وہ باہر لے گئے۔ سفید ریشمی لاچہ فوراً" ہی خون سے تر ہونے لگا تھا۔

شارق کمرے میں کھڑا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ کمرے میں ہر طرف خون کے چھینٹے نظر آ رہے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ بھی کمرے سے نکل آیا۔ پپو اور ظفری گٹھڑی کو کار کی ڈکی میں ٹھونس

رہے تھے۔ شارق قریب کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔ پھر کمروں کے دروازے بند کرنے لگا اور بالآخر کار کی طرف آ گیا۔ پپو وغیرہ کار کے قریب کھڑے تھے۔

"یہ حویلی میری خفیہ پناہ گاہ ہے۔ اس کے بارے میں میرے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔" شارق باری باری ان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اب تم تینوں اس خفیہ ٹھکانے سے واقف ہو گئے ہو۔ میری اجازت کے بغیر تم میں سے کوئی بھی اس طرف نہیں آئے گا اور نہ ہی اس حویلی کے بارے میں کسی اور کو پتا چلنا چاہئے۔"

"شارق باؤ۔" ظفری نے گویا ان تینوں کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا۔ "ہم تینوں نے تم سے وفاداری کا عہد کیا ہے۔ ہم اپنی جان تو دے سکتے ہیں لیکن تمہارا کوئی راز ہمارے سینے سے باہر نہیں نکلے گا۔"

"مجھے تم تینوں کی دوستی اور وفاداری پر فخر ہے۔" شارق نے کہتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول لیا۔ "سیٹ کے نیچے سے تیسری رائفل بھی نکال لو۔ راستے میں شاید اس کی بھی ضرورت پڑ جائے۔ منور' حاجی کا بھانجا ہے۔ اسے منور کے اغوا کی اطلاع مل گئی ہو گی۔ اس وقت پورے شہر میں ہماری تلاش ہو رہی ہو گی۔ ہمیں پولیس سے بچتے ہوئے اس زندہ لاش کو داروغہ والا میں حاجی کی کوٹھی کے سامنے پہنچانا ہے تاکہ حاجی یہ جان لے کہ شارق نے اپنی کارروائی شروع کر دی ہے۔"

شالیمار باغ تک پہنچنے کے لئے انہیں ایک طویل چکر کاٹنا پڑا تھا۔ وہ مغلپورہ سے ہوتے ہوئے شالیمار باغ کے عین سامنے نکل آئے۔ وہاں سے شارق نے گاڑی جی ٹی روڈ پر داروغہ والا کی طرف موڑ دی۔ شالیمار باغ سے چند گز آگے لب سڑک باغبانپورہ تھانہ تھا اور شارق کو توقع تھی کہ یہاں بھی گاڑیوں کی چیکنگ ہو رہی ہو گی لیکن حیرت کی بات تھی کہ یہاں انہیں کوئی روک ٹوک پیش نہیں آئی تھی۔

پاکستان منٹ سے آگے نکلتے ہی شارق نے کار کی رفتار کم کر لی اور محتاط نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس سے آگے چونکہ دیہی آبادی شروع ہو جاتی تھی اس لئے اس سڑک پر ٹریفک بھی کم ہو گیا تھا۔ یوں بھی رات کے بارہ بجنے والے تھے۔

شارق نے گاڑی کی رفتار بہت کم کر دی۔ وہ بائیں طرف دیکھ رہا تھا۔ سڑک سے تقریباً" بیس فٹ کے فاصلے پر کوٹھیاں بنی ہوئی تھیں۔ یہ پرانی طرز کی کوٹھیاں تھیں اور کافی کشادہ تھیں۔ حاجی کی کوٹھی بھی انہی میں سے ایک تھی۔ شارق شروع میں ایک مرتبہ ماجھا گجر کے ساتھ یہاں آیا تھا' اور اب اسے یاد نہیں رہا تھا کہ وہ کونسی کوٹھی تھی۔ لیکن بالآخر اس نے کوٹھی شناخت کر لی۔ اس

نے سڑک کے کنارے پر کار روک لی۔ کوٹھی کا گیٹ بند تھا۔ شارق نے سڑک پر دونوں طرف دیکھا۔ باغبانپورہ کی طرف سے ایک دو گاڑیاں آ رہی تھیں اور سامنے سے ایک ٹریکٹر ٹرالی آ رہی تھی جس پر پھٹے لدے ہوئے تھے۔

"یہ سامنے والی کوٹھی ہے۔" شارق نے پیچھے مڑ کر پپو اور ظفری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "آگے پیچھے سے آنے والی گاڑیاں گزر جائیں تو ڈکی میں سے گٹھڑی نکال کر کوٹھی کے گیٹ کے سامنے رکھ دینا اور گھنٹی بجا کر لوٹ آنا۔ آج کی رات حاجی کے لئے میرا یہ ایک ہی تحفہ کافی ہے۔"

"کیا تمہارے خیال میں حاجی اس وقت کوٹھی میں موجود ہو گا؟" ظفری نے پوچھا۔

"نہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "وہ اس وقت اپنے سینما کے دفتر میں بیٹھا ہو گا یا سمن آباد والی کوٹھی میں۔ لیکن وہ جہاں کہیں بھی ہو گا اسے پانچ منٹ کے اندر اندر اطلاع ہو جائے گی۔"

اس دوران سامنے سے آنے والی پھٹوں سے لدی ہوئی ٹریکٹر ٹرالی گزر گئی۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد پیچھے سے آنے والی گاڑیاں بھی گزر گئیں۔

"چلو--- جلدی کرو۔" شارق بولا۔ اور اپنی طرف کا دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔

ظفری اور پپو بھی نیچے اتر آئے۔ شارق نے ڈکی کا لاک کھول کر ڈھکنا اوپر اٹھا دیا۔ پپو اور ظفری نے بیک وقت گٹھڑی پر ہاتھ ڈال دیئے۔ اس وقت گٹھڑی میں کچھ حرکت سی ہو رہی تھی۔ منور شاید ہوش میں آ رہا تھا۔ چادر خون سے تر ہو رہی تھی۔ انہوں نے کھینچ تان کر گٹھڑی کو ڈکی میں سے نکالا اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے کوٹھی کے گیٹ کی طرف چلنے لگے۔

شارق نے ڈکی میں جھانکا فرش پر خون نظر آ رہا تھا۔ اس نے ڈکی بند کر دی اور جلدی سے اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا اور انجن سٹارٹ کر کے کوٹھی کی طرف دیکھنے لگا۔

ظفری اور پپو نے گٹھڑی گیٹ کے ستون کے قریب رکھ دی۔ پپو تو واپس آ گیا اور ظفری گیٹ کی جھری سے اندر دیکھنے لگا۔ برآمدے میں روشنی ہو رہی تھی۔ پھر اس نے ستون پر لگے ہوئی کال بیل کا بٹن دو تین مرتبہ دبا دیا۔ اندر کہیں سے گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ ظفری تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا واپس آ گیا۔ کار حرکت میں آ چکی تھی۔ ظفر دروازہ کھول کر چلتی کار میں بیٹھ گیا۔

شارق نے یوٹرن لیا۔ کار کا رخ سیدھا ہوتے ہی اس نے گردن گھما کر کوٹھی کی طرف دیکھا تھا۔ اس وقت گیٹ کھلتا ہوا دکھائی دیا تھا۔ شارق سنبھل کر بیٹھ گیا اور کار کی رفتار بڑھا دی۔

کار تیز رفتاری سے دوڑ رہی تھی۔ شارق کے تینوں ساتھی محتاط بیٹھے تھے۔ ان کے ہاتھ پیروں کے قریب پڑی ہوئی رائفلوں پر تھے۔ وہ کسی بھی لمحہ کسی بھی صورتحال سے نمٹنے کے لئے

تیار تھے لیکن انہیں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

اس مرتبہ شارق نے مغلپورے کا رخ نہیں کیا۔ وہ کار کو سیدھا باغبانپورہ کی طرف لیتا گیا۔ اس کا خیال تھا کہ کواپریٹو سٹور کے قریب سے کار کو گڑھی شاہو کے پل کی طرف موڑ دے گا اور وہاں سے شملہ پہاڑی والے راستے سے ہوتا ہوا مال روڈ کی طرف نکل جائے گا۔

لیکن کواپریٹو والے موڑ سے چند گز پہلے ہی سڑک پر پولیس کو کھڑے دیکھ کر شارق چونک گیا۔ سڑک پر پولیس کی وین بھی کھڑی تھی اور سڑک کے وسط میں کھڑا ہوا ایک پولیس والا کار کو روکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

"ہوشیار۔" شارق اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "میں کار کی رفتار کم کر کے بڑھا دوں گا۔ تم لوگ فوراً ہی فائرنگ شروع کر دو گے لیکن خیال رہے کہ کوئی پولیس والا مرنے نہ پائے۔ پولیس سے ہماری دشمنی نہیں ہے۔"

"فکر ہی نہ کرو شارق باؤ۔" ظفری نے جواب دیا۔ "اگر کوئی پولیس والا ہمارے ہاتھ سے مر بھی گیا تو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ یہ لوگ تو ہمیں ویسے بھی نہیں بخشیں گے۔ ان کے ساتھ رعایت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔"

شارق نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے کار کی رفتار کم کر دی۔ اس کی نظریں سرچ لائٹ کی طرح گھوم رہی تھیں۔ جو پولیس والا رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی کاغذ بھی تھا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ اس کاغذ پر ان کی کار کا نمبر لکھا ہوا تھا اور پولیس کو ان کی تلاش تھی۔

ظفری، پپو اور موجو تیار بیٹھے تھے۔ انہوں نے رائفلیں اپنی اپنی طرف کھڑکیوں کے ساتھ لگا رکھی تھیں۔

شارق نے کار کی رفتار اور کم کر دی۔ پولیس والے یہی سمجھے کہ کار رک رہی ہے۔ جو پولیس والا انہیں رکنے کا اشارہ کر رہا تھا وہاں سے ایک طرف ہٹ گیا۔

قریب پہنچتے ہی شارق نے اچانک ہی کار کی رفتار بڑھا دی۔ کار ایک زوردار جھٹکے سے اچھل کر آگے بڑھی تھی۔ اس کے ساتھ ہی شارق کے تینوں ساتھیوں نے فائرنگ شروع کر دی۔ ان کی رائفلوں کا رخ قدرے اوپر کی طرف تھا گولیاں پولیس والوں کے سروں کے اوپر سے گزر گئیں۔

پولیس والے بدحواس سے ہو گئے۔ وہ ادھر ادھر دوڑے اور پھر دوسرے ہی لمحہ انہوں نے سنبھل کر فائرنگ شروع کر دی۔ اس وقت جی ٹی روڈ پر سٹیشن کی طرف سے دو تین تانگے آ رہے تھے فائرنگ کی آواز سے آگے والے تانگے کا گھوڑا بدک گیا۔ شارق نے بڑی مشکل سے اپنی کار

کو بچا کر نکالا تھا۔

"پولیس وین ہمارے پیچھے آ رہی ہے شارق باؤ۔" پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے ظفری نے کہا۔

"فکر مت کرو۔ وہ ہمیں نہیں پکڑ سکیں گے۔" شارق نے جواب دیا۔

"وہ کار کی رفتار بڑھاتا چلا گیا۔ پولیس کی وین خاصی دور تھی اور اس سے مسلسل فائرنگ ہو رہی تھی۔

"تم لوگ فائرنگ مت کرنا۔" شارق نے کہا۔

کار کی رفتار خطرناک حد تک تیز تھی اور پھر شارق نے کار کو اچانک ہی دائیں سمت تیزاب احاطے کی طرف جانے والی سڑک پر موڑ دیا۔ یہ سڑک زیادہ چوڑی نہیں تھی اور اس طرف روشنی بھی نہیں تھی۔ شارق کار کی رفتار کو بڑھاتا چلا گیا۔

اور پھر ایک اور موڑ کو گھومتے ہوئے اچانک ایک کتا سامنے آ گیا۔ وہ آوارہ کتا دوڑتا ہوا ایک طرف سے دوسری طرف جانا چاہتا تھا۔ شارق نے کتے کو بچانے کے لئے سٹیئرنگ گھما دیا اور پھر وہ کار پر قابو نہیں رکھ سکا تھا۔

کار ایک زوردار دھماکے سے ایک دیوار سے ٹکرا کر الٹ گئی۔ اس وقت پولیس وین بھی اس سڑک پر مڑی تھی۔ شارق کی الٹی ہوئی کار پولیس وین کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں تھی اور فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا۔

○

کار ایک قلا بازی کھا کر سیدھی ہوگئی۔ کار کے الٹنے اور اس کے لگنے والے جھٹکوں سے شارق وغیرہ کا جوڑ جوڑ ہل گیا تھا۔ اس لحاظ سے وہ سب لوگ بہت خوش قسمت ثابت ہوئے تھے کہ ان میں سے کسی کو زیادہ چوٹ نہیں لگی تھی۔ صرف موجو سب سے زیادہ متاثر ہوا تھا۔ اس کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکرایا تھا' پیشانی پر ایک جگہ کھال پھٹ گئی تھی اور خون رسنے لگا تھا۔ موجو کے سوا کسی اور کو تو اتنی چوٹ بھی نہیں لگی تھی۔

کار سیدھی ہوتے ہی شارق نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ اس وقت پولیس وین گلی میں گھوم رہی تھی۔ شارق اپنی طرف کا دروازہ کھولنے لگا لیکن دروازہ جام ہوگیا تھا۔ کوشش کے باوجود وہ اسے کھولنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔

"یہ دروازہ جام ہوگیا ہے۔ اپنی طرف کا دروازہ کھولو۔ جلدی کرو۔" شارق نے اپنی سیٹ سے موجو کی سیٹ کی طرف سرکتے ہوئے کہا۔

موجو نے اپنی طرف کے دروازے کے ہینڈل میں انگلیاں پھنسا کر زور دار جھٹکا دیا۔ دروازہ کھل گیا۔ موجو نے اپنی رائفل سنبھالتے ہوئے باہر چھلانگ لگا دی۔ شارق بھی سیٹ پر سرکتا ہوا باہر نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا' پپو اپنی طرف کا دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن شاید وہ دروازہ بھی جام ہوچکا تھا۔ ظفری سیٹوں کے درمیان پھنسا ہوا تھا اس کی طرف کا دروازہ بھی جام تھا' کار کے دیوار سے ٹکرانے اور قلابازی کھانے سے آگے پیچھے کی ونڈ اسکرینز ٹوٹ گئی تھیں۔ اور شیشے سیٹوں پر بکھرے ہوئے تھے۔

"دروازہ نہیں کھل رہا تو چھوڑ دو۔" شارق چیخا۔ "اگلے دروازے سے نکل آؤ ..... جلدی کرو۔"

پپو آگے والی سیٹ کے اوپر سے کود کر اگلی سیٹ پر پہنچ گیا اور کھلے ہوئے دروازے سے باہر آگیا۔ وہ اپنی رائفل بھی لے آیا تھا۔ اب ظفری بھی اسی طریقہ سے باہر آنے کی کوشش کر رہا تھا کہ فضا فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی۔ پولیس وین نے فائر کھول دیا گیا تھا۔ چند گولیاں کار پر لگیں لیکن وہ لوگ محفوظ ہی رہے۔ ایک گولی پچھلے ایک ٹائر پر لگی۔ ایک زور دار دھماکہ ہوا اور ٹائر کے پرخچے اڑنے لگے۔

شارق اور پپو نے کار کی آڑ میں پناہ لے لی جبکہ موجو چھلانگ لگا کر دیوار کی آڑ میں چلا گیا وہ تینوں پولیس کو روکنے کے لئے فائرنگ کرنے لگے۔ ظفری ابھی تک کار ہی میں پھنسا ہوا تھا شارق چیخ چیخ کر اسے باہر آنے کو کہہ رہا تھا اور بالآخر ظفری بھی کار سے باہر آگیا اور وہ بھی کار کی آڑ میں پوزیشن لے کر پولیس وین پر فائرنگ کرنے لگا۔

پولیس وین رک گئی تھی اور پولیس والوں نے بھی نیچے اتر کر وین کے پیچھے پوزیشن لے تھی۔ دونوں طرف سے زبردست فائرنگ ہو رہی تھی۔ پورا علاقہ فائرنگ کی آواز سے گونج رہا تھا شارق کے ہاتھ میں وہ خوفناک پستول تھا جسے اس نے ابھی تک استعمال نہیں کیا تھا۔ وہ اس گولیاں ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے بہت کم فائرنگ کر رہا تھا۔ جبکہ اس کے ساتھی اند دھند فائرنگ کر رہے تھے۔

"احتیاط سے فائرنگ کرو اور گولیاں ضائع مت کرو۔"

شارق چیخا۔

"شارق باؤ۔" موجو نے دیوار کی آڑ سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں یہاں آپ کو کور دے رہا ہوں۔ آپ تینوں گلیوں میں آجائیں۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم تیار ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔

موجو نے دیوار کی آڑ سے پولیس پر اندھا دھند فائرنگ شروع کردی۔ فائرنگ اس قدر تھی کہ پولیس والوں کو وین کے پیچھے دبک جانا پڑا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شارق اور ظفری کار کی آڑ سے نکل کر دوڑتے ہوئے گلی میں آگئے۔

"تم لوگ نکل جاؤ۔ میں پولیس کو یہیں کچھ دیر کے لئے روکنے کی کوشش کرتا ہوں۔" موجو نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ تم بھی ہمارے ساتھ ہی یہاں سے نکلو۔" شارق چیخا۔

"ٹھیک ہے تو بھاگو۔" موجو نے کہا اور ایک آخری برسٹ مار کر تیزی سے مڑا۔

شارق وغیرہ بھی اس کے ساتھ ہی دوڑے تھے۔ یہ تنگ سی پرپیچ گلیاں تھیں۔ وہ گلیوں میں دوڑتے رہے۔ فائرنگ کی آواز دور رہ گئی تھی۔ غالباً" پولیس والے ابھی وہیں تھے دوڑتے ہوئے رک گئے۔ گلی آگے سے بند تھی۔ سامنے دراصل ایک ٹوٹا پھوٹا کھنڈر نما مکان جو تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ "یہ مکان غالباً" عرصہ پہلے ٹوٹ پھوٹ گیا تھا اور اس کے مکیں کہیں چلے گئے تھے۔ وہ اس کھنڈر میں گھس گئے اور ٹوٹی ہوئی سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے اوپر کی منزل پہنچ گئے۔

مکان کے اوپر کا حصہ بھی کھنڈر بنا ہوا تھا۔ ایک کمرے کی چھت تھی وہ بھی شکستہ جبکہ تین کمروں کی چھتیں ہی غائب تھیں۔ مکان کے پچھواڑے بھی ایک گلی تھی زمین کا فاصلہ تیئس فٹ سے کم تو کسی طرح بھی نہیں تھا۔

وہ اس کھنڈر نما مکان کا جائزہ لے رہے تھے کہ باہر گلی میں دوڑتے ہوئے بھاری قدموں

آواز سنائی دی۔ شارق اور اس کے ساتھی دیواروں کی آڑ میں ہوگئے۔ لیکن باہر سے غالباً" ان میں سے کسی کو دیکھ لیا گیا تھا۔ کیونکہ دوسرے ہی لمحہ زبردست فائرنگ شروع ہوگئی تھی۔ گولیاں ٹوٹی ہوئی دیواروں پر لگ رہی تھیں۔ فائرنگ ایک لمحہ کو رک گئی اور ایک بھاری آواز گونجتی ہوئی سنائی دی۔

"اس مکان کو پولیس نے گھیرے میں لے لیا ہے۔ تم لوگ بچ کر نہیں جاسکو گے۔ بہتر ہے کہ اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کردو۔"

جواب میں موجو اور پپو نے فائرنگ شروع کردی۔ پولیس کی طرف سے بھی زبردست فائرنگ ہونے لگی۔

"شارق باؤ۔" موجو نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم لوگ پچھلی طرف سے کود کر نکل جاؤ۔ میں پولیس کو روکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق نے کہا۔ "یہاں سے نکل کر کہیں بھی چلے جانا۔ کل رات نو بجے کے بعد حویلی میں ملاقات ہوگی۔"

اس نے پپو اور ظفری کو اشارہ کیا۔ وہ پچھلی دیوار کے قریب آگئے۔ پچھلی طرف تاریکی تھی۔ پپو نے جھک کر نیچے جھانکا اور پھر دوسرے ہی لمحہ اس نے چھلانگ لگا دی۔ دھب کی آواز سننے کے فوراً" ہی بعد ظفری اور پھر شارق نے بھی چھلانگ لگا دی۔

اوپر سے زبردست فائرنگ کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ موجو پولیس کو روکے ہوئے تھا کیونکہ پولیس مکان میں داخل نہیں ہوسکی تھی۔

"اس طرف ..... جلدی۔" شارق ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے دوڑا۔ پپو اور ظفری نے بھی اس کے ساتھ ہی دوڑ لگا دی تھی۔

موجو بڑی دلیری سے پولیس کا مقابلہ کر رہا تھا' وہ ایک جگہ رک کر فائرنگ کرنے کے بجائے جگہ بدل بدل کر گولیاں چلا رہا تھا۔ تاکہ پولیس کو یہ تاثر دیا جاسکے کہ وہاں ایک نہیں کئی آدمی ہیں۔

چھ سات منٹ گزر گئے۔ دفعتاً" موجو چونک گیا۔ دو پولیس والے مکان کی ٹوٹی ہوئی سیڑھیوں پر چڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان پر فائرنگ کرنے کے لئے موجو کو دیوار کی آڑ سے نکل کر سامنے آنا پڑا۔ اس نے رائفل کا رخ پولیس والوں کی طرف کیا اور ٹرائیگر دبا دیا۔ لیکن رائفل سے کوئی گولی نہیں نکلی۔ میگزین خالی ہوچکا تھا۔ موجو ایک دم سناٹے میں آگیا۔ وہ وہاں سے ہٹنا ہی چاہتا تھا کہ دو تین سمتوں سے آنے والی لاتعداد گولیاں اس کے سینے میں پیوست

ہوگئیں۔

موجو کے جسم سے خون کے دھارے بہہ نکلے۔ اس کے منہ سے ایک خوفناک چیخ نکلی اور لڑکھڑاتا ہوا مکان کی اوپر والی منزل سے نیچے گرا۔ وہ نیچے گرنے سے پہلے ہی ختم ہوچکا تھا۔

دوسری طرف شارق اور اس کے ساتھی گلیوں میں دوڑتے ہوئے وہاں سے کافی دور نکل چکے تھے۔ فائرنگ کی آوازیں اب بھی سنائی دے رہی تھیں جس کا مطلب تھا کہ موجو ابھی تک ڈٹا ہوا تھا اور پھر دفعتاً" فائرنگ رک گئی۔

شارق ایک گلی سے نکلتے ہی رک گیا۔ سامنے والی گلی کافی چوڑی تھی اور دوسری طرف کے مکان بھی خاصے وسیع و عریض تھے۔ کونے پر ایک چھوٹی سی مسجد دیکھ کر شارق کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ اس مسجد کو دیکھ کر اس کے ذہن میں اچانک ہی ایک خیال ابھرا تھا اور اس نے فوری طور پر ایک فیصلہ کرلیا تھا۔

"اس طرف آؤ ..... میرے ساتھ۔" شارق نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا۔

وہ مسجد کے سامنے سے گزرتا ہوا ایک کشادہ گلی میں داخل ہوکر ایک مکان کے سامنے رک گیا۔ یہ مکان بھی خاصا کشادہ تھا۔ آگے کے رخ پر تقریباً" آٹھ فٹ اونچی دیوار تھی۔ اینٹوں سے بنی ہوئی یہ دیوار کائی کی وجہ سے تقریباً" کالی ہو رہی تھی۔ اس کے دائیں طرف لکڑی کا گیٹ تھا جس سے ایک کار اندر داخل ہوسکتی تھی۔ شارق نے گیٹ کے اندر جھانک کر دیکھا اور پھر اپنے ساتھیوں کو اشارہ کرتا ہوا دیوار پر چڑھ کر بڑی آہستگی سے اندر کود گیا۔ اس کے فوراً" ہی بعد پپو اور ظفری بھی اندر کود گئے۔

وہ تینوں دیوار کے ساتھ لگے بیٹھے رہے۔ شارق بڑی گہری نظروں سے اس مکان کا جائزہ لے رہا تھا۔ خاصا وسیع لان تھا۔ جس کے دوسری طرف مکان کی عمارت تھی۔ یہ مکان پرانی طرز کا تھا۔ کشادہ پورچ تھا جس میں ایک لمبی سی کار کھڑی تھی۔ پوری عمارت اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ برآمدے میں بھی کوئی بلب نہیں جل رہا تھا حالانکہ اس قسم کی عمارتوں میں رات کو برآمدے میں بلب ضرور جلا دیا جاتا ہے۔

شارق نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور وہ تینوں دبے قدموں چلتے ہوئے لان سے نکل کر عمارت کے پہلو میں ہوتے ہوئے مکان کے پچھلی طرف آگئے۔ اس طرف بھی تقریباً" پندرہ فٹ کھلی جگہ تھی اور اس کے بعد عقبی مکان کی چار دیواری تھی۔ عمارت کے اس طرف بھی ایک مختصر سا برآمدہ تھا۔ یہاں بھی تاریکی تھی البتہ برآمدے کے دائیں طرف والے کمرے کی کھڑکی میں بہت مدہم سی سبز روشنی جھلک رہی تھی۔ کھڑکی کے اندر پردہ پڑا ہوا تھا۔ شارق نے اندر جھانکنے

کی کوشش کی مگر پردے کی وجہ سے کچھ دکھائی نہیں دیا۔

شارق نے پپو اور ظفری کو اشارہ کیا' وہ دونوں آڑ میں ہوگئے۔ شارق نے پستول دائیں ہاتھ میں پکڑلیا اور بائیں ہاتھ سے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ اس نے دوبارہ دستک دی۔ اس مرتبہ بھی کوئی ردعمل نہیں ہوا۔ البتہ تیسری مرتبہ دستک دینے کے بعد اندر سے ایک خمار آلود اور سہمی ہوئی سی مردانہ آواز سنائی۔

"کون ہے .... باہر کون ہے اس وقت؟"

"الطاف بھائی میں ہوں' شارق' دروازہ کھولئے۔" شارق نے جواب دیا اس کا لہجہ سرگوشی سے زیادہ بلند نہیں تھا۔

"کون شارق ؟" اندر سے پوچھا گیا۔

"لوہاری والے شفاعت علی کا بیٹا۔" شارق نے کہا۔ "دروازہ کھولئے الطاف بھائی .... میں اس وقت بڑی مصیبت میں ہوں۔"

"ایک منٹ انتظار کرو۔ میں اباجی کو جگاتا ہوں۔" اندر سے کہا گیا اور پھر خاموشی چھاگئی۔

دو تین منٹ گزر گئے۔ شارق خاموش کھڑا انتظار کرتا رہا۔

یہ اس کے دادا فضل الٰہی کے دوست عبدالرحمان کا گھر تھا۔ ۶۵ کی جنگ کے بعد فضل الٰہی جو چونڈہ سے لاہور آیا تھا تو اس نے عبدالرحمان کے گھر پر ہی پناہ لی تھی عبدالرحمان نے دوستی کا حق ادا کردیا تھا۔ اس نے نہ صرف فضل الٰہی اور اس کے بیٹے شفاعت علی کو کئی مہینوں تک اپنے گھر پر رکھا تھا بلکہ کوئی کاروبار شروع کرنے کے لئے اس کی مالی مدد بھی کی تھی اور لوہاری والا مکان بھی اسے الاٹ کروا دیا تھا۔

فضل الٰہی کے انتقال کے بعد ان گھروں کے تعلقات برقرار رہے تھے اور جب شارق کے باپ شفاعت علی اور اس کی ماں کو قتل کر دیا گیا تھا اور نو عمر شارق ہی کو قتل کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا تھا تو عبدالرحمان کے بیٹے نے اس کا کیس لڑنے کے لئے بڑی تگ و دو کی تھی۔

الطاف' عبدالرحمان کا پوتا تھا۔ شارق کا تقریباً" ہم عمر ہی تھا۔ شارق جب جیل سے رہا ہوا تھا تو وہ کئی مرتبہ ان کے گھر جاچکا تھا۔ لیکن جب پولیس نے شارق سے شرافت سے زندگی گزارنے کا حق چھین لیا تو شارق نے ان کے ہاں آنا جانا چھوڑ دیا تھا۔ کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کی وجہ سے پولیس انہیں بھی تنگ کرے۔

اب صورت حال مختلف ہوگئی تھی۔ پولیس پورے علاقے میں شارق اور اس کے ساتھیوں کو تلاش کرتی پھر رہی تھی۔ شارق کو یقین تھا کہ مزید پولیس علاقے میں پہنچ چکی ہوگی۔ ایسی

صورت میں ان کے لئے علاقے سے نکلنا ضروری ہوگیا لیکن پولیس کی موجودگی میں فرار ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔ پولیس کو ایسے ملزموں کی تلاش تھی جو گاڑیوں کی چیکنگ کے دوران فرار ہوئے تھے اور شارق نہیں چاہتا تھا کہ اسے اس کی حیثیت سے شناخت کرلیا جائے۔ موجودہ صورت حال میں اسے صرف ایک ہی راستہ نظر آیا تھا۔ الطاف کا مکان ان کے لئے کم از کم آج کی رات پناہ گاہ ثابت ہوسکتا تھا۔

سیٹیوں کی آواز سن کر شارق چونک گیا۔ اس کا اندازہ درست نکلا تھا۔ غالباً" پولیس کی مزید نفری علاقے میں پہنچ گئی تھی۔ یہ آوازیں پولیس ہی کی سیٹیوں کی تھیں۔

تین چار منٹ گزر گئے تھے۔ اندر سے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ نہ ہی کوئی آواز سنائی دے رہی تھی۔ شارق نے ایک بار پھر ہلکی سی دستک دی۔ اس مرتبہ تھوڑی ہی دیر بعد ایک مردانہ آواز سنائی دی۔ لہجہ بتا رہا تھا کہ وہ کوئی بوڑھا آدمی ہے۔

"کون ہے بھئی ؟"

شارق کو اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ وہ الطاف کا والد اور عبدالرحمان کا بیٹا راشد علی تھا۔

"میں ہوں چاچا جی شارق۔" شارق نے جواب دیا۔ "دروازہ کھولئے مجھے اس وقت آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔"

"کیسی مدد؟" اندر سے آواز سنائی دی۔ "مجھے پولیس کی سیٹیاں سنائی دے رہی ہیں۔ کیا یہ پولیس تمہاری تلاش میں ہے ؟"

"جی ہاں چاچا جی۔" شارق نے جواب دیا۔ "ایک غلط فہمی کی بناء پر پولیس میرا پیچھا کر رہی ہے' دروازہ کھولئے' میں زیادہ دیر یہاں نہیں رکوں گا۔"

"ایک منٹ رکو۔ کھولتا ہوں دروازہ۔" اندر سے جواب دیا۔

اور پھر چند سیکنڈ بعد اندر سے کنڈا ہٹائے جانے کی آواز سنائی دی اور دروازہ کھل گیا۔ شارق اندر داخل ہوگیا۔ وہ اس طرح کھڑا ہوا تھا کہ دروازہ بند نہ کیا جاسکے۔ اس کے قریب کھڑے ہوئے الطاف نے بتی جلانے کے لئے سوئچ بورڈ کی طرف ہاتھ بڑھایا لیکن شارق نے جلدی سے اسے روک دیا۔

"بتی مت جلاؤ۔"

شارق کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ یہ الطاف کا بیڈ روم تھا۔ بستر پر دو ڈھائی سال کی ایک بچی سو رہی تھی۔ پلنگ کے قریب ہی ایک خوبصورت عورت کھڑی تھی۔ اس کی عمر اٹھائیس اور تیس

کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات نمایاں تھے۔ وہ الطاف کی بیوی فریدہ تھی۔ شارق کو وہ بھی جانتی تھی۔ لیکن اس وقت شارق کو دیکھ کر وہ خوفزدہ ہوگئی تھی۔ شارق کے بارے میں وہ اخبارات میں بھی بہت کچھ پڑھتی رہی تھی۔ گھر میں بھی اکثر و بیشتر اس کا تذکرہ ہوتا رہتا تھا۔ اپنے ساس سسر اور شوہر سے شارق کے حالات سن کر اسے اگرچہ شارق سے ہمدردی ہوگئی تھی لیکن اس وقت وہ شارق کی موجودگی سے خوفزدہ تھی۔ پولیس کی سیٹیوں کی آواز وہ بھی سن رہی تھی۔ اسے یہ خوف تھا کہ اگر پولیس شارق کی تلاش میں یہاں آگئی تو شارق تو شاید بھاگ جائے لیکن وہ لوگ مصیبت میں پھنس جائیں گے۔

شارق اچھی طرح جانتا تھا کہ اس گھر میں ان تینوں اور ایک چھوٹی بچی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ گھر کے کام کاج کے لئے ایک ملازمہ تھی جو رات کے کھانے کے بعد اپنے گھر چلی جایا کرتی تھی۔ صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد شارق نے دروازے سے باہر گردن نکال کر سرگوشیانہ لہجے میں ظفری کو پکارا۔ پلک جھپکنے کی دیر میں ظفری اور پپو تاریکی سے نکل کر برآمدے میں آگئے۔ شارق نے دروازہ کھول دیا۔ وہ دونوں جیسے ہی اندر داخل ہوئے شارق نے دروازہ بند کر دیا۔

ان دونوں کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔ وہ چہروں سے بھی چھٹے ہوئے بدمعاش لگ رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر فریدہ کے منہ سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ راشد علی اور الطاف کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑنے لگیں۔ راشد علی بوڑھا آدمی تھا۔ اس کا چہرہ دھواں ہوگیا تھا۔ وہ لرزتی ہوئی آواز میں بولا۔

"شارق ! میں نے صرف تمہیں پناہ دی تھی۔ بدمعاشوں اور قاتلوں کے پورے ٹولے کو نہیں۔ تم لوگ یہاں سے نکل جاؤ۔ ابھی اور اسی وقت۔"

"چچا جی۔" شارق نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کو مخصوص انداز میں حرکت دیتے ہوئے کہا۔ "ہم میں سے کوئی نہیں جائے گا اور اگر آپ لوگوں میں سے کسی نے کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو ....."

"بہت بے غیرت اور احسان فراموش ہو تم۔" راشد علی بولا۔ "تم شاید بھول گئے ہو کہ میرے باپ نے تمہارے باپ اور دادا کو اس وقت اس گھر میں پناہ دی تھی جب وہ بے گھر ہو کر در در کی ٹھوکریں کھا رہے تھے۔ کوئی ان کا پرسان حال نہیں تھا۔ ہم نے انہیں سہارا دیا۔ تمہارے باپ کی شادی ہم نے کروائی اور جب تمہیں پہلی بار پولیس نے پکڑا تھا تو ہم نے تمہارے لئے کیا کچھ نہیں کیا تھا۔ لیکن تم سب کچھ بھول گئے۔ ہمارے تمام احسانات فراموش

کردیئے تم نے۔"

"مجھے سب یاد ہے۔ میں آپ کا کوئی احسان نہیں بھولا۔" شارق نے اس کی بات کا
دی۔" اگر آپ لوگ میرے باپ اور دادا کو سہارا نہ دیتے تو شاید آج میرا بھی وجود نہ ہوتا۔ پ
تو آپ کے احسانات مرتے دم تک نہیں بھول سکوں گا۔ لیکن اس وقت مجبوری ہے۔ پولیس
ہماری تلاش میں ہے۔ ہمیں دیکھتے ہی گولی مار دی جائے گی۔ ہمیں پناہ چاہئے۔ یقین کیجئے۔ ہم
آپ کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ لیکن .... آپ کو ہم پر ایک اور احسان کرنا ہوگا۔ ہمارے ساتھ
تعاون کیجئے۔ پولیس جیسے ہی اس علاقے سے نکلے گی ہم بھی چلے جائیں گے۔"

"لیکن پولیس یہاں آئے گی۔" راشد علی نے کہا۔ "اس تھانے کی پولیس جانتی ہے کہ
تمہارا ہمارے ہاں آنا جانا تھا۔ وہ لوگ تمہیں تلاش کرتے ہوئے یہاں پہنچ جائیں گے۔"

"پولیس کو شارق کی تلاش نہیں ہے۔" شارق نے بتایا۔ "انہیں نامعلوم ملزموں کی تلاش
ہے جو چیکنگ کے دوران فرار ہوئے ہیں۔ وہ لوگ خاص طور پر اس گھر کے دروازے پر دستک
نہیں دیں گے۔"

"لیکن ..... میں عزت دار آدمی ہوں۔ کوئی مصیبت مول نہیں لینا چاہتا۔" راشد علی نے
کہا۔

"آپ کی عزت پر کوئی حرف نہیں آئے گا۔" شارق نے کہا۔

"لیکن میں تم لوگوں کو یہاں رہنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔" راشد علی نے ایک ایک
لفظ پر زور دے کر کہا۔ "تم بدنام زمانہ مجرم ہو۔ پولیس عرصہ سے تمہاری تلاش میں ہے۔ اگر بعد
میں بھی پولیس کو پتا چل گیا کہ تم یہاں آئے تھے تو پولیس ہمیں سکون سے نہیں بیٹھنے دے گی۔"

"پولیس کو کبھی پتا نہیں چلے گا کہ ہم کبھی یہاں آئے تھے۔" شارق نے جواب دیا۔ "لیکن
اگر آپ نے ہمیں پناہ دینے سے انکار کر دیا تو ....." اس نے خاموش ہوکر معنی خیز انداز میں
پستول کو حرکت دی پھر ظفری اور پپو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "میرے یہ دونوں ساتھی
مجھ سے زیادہ خطرناک ہیں۔ میں تو آپ کا لحاظ کرسکتا ہوں لیکن یہ ....."

"تو گویا تم ....."

ہاں۔ میں سب کچھ بھول جاؤں گا۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "جہاں سوال اپنی
زندگی کا ہو وہاں دوسروں کے احسانات کی کوئی وقعت نہیں رہتی۔ مجبوری ہے چچا جی۔" اس نے
خاموش ہوکر کمرے میں ادھر ادھر دیکھا اور پھر راشد علی' الطاف اور اس کی بیوی کو پستول سے
اشارہ کرتے ہوئے بولا۔" اب میں آپ لوگوں پر اعتماد کرسکتا ہوں۔ برائے کرم آپ تینوں درمیان

والے کمرے میں چلے جائیے۔ کسی کو اس کمرے میں چھوڑ کر میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا۔
بھابھی! آپ بچی کو اٹھالیں' درمیان والے کمرے میں قالین بچھا ہوا ہے آپ چاہیں تو وہاں بستر بچھا
سکتی ہیں' جلدی کریں۔"

"یہ زیادتی ....."

"کوئی زیادتی نہیں ہے۔" شارق نے ایک بار پھر راشد علی کی بات کاٹ دی۔

"میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ ہر وقت ہماری نظروں میں رہیں اور اس مقصد کے لئے
درمیان والا کمرہ ہی مناسب رہے گا۔"

راشد اور الطاف خونخوار نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے پھر الطاف کی بیوی فریدہ
نے بڑی احتیاط سے پلنگ پر سوئی ہوئی بچی کو گود میں اٹھا لیا اور وہ تینوں ایک دوسرے کے پیچھے
اندر والے دروازے میں داخل ہوگئے۔ شارق نے پپو کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور ظفری کو لے کر
خود بھی درمیان والے کمرے میں آگیا۔

شارق کئی مرتبہ یہاں آچکا تھا اور اس مکان سے اچھی طرح واقف تھا۔ سامنے والے
برآمدے سے اندر داخل ہونے کے بعد دائیں طرف بیٹھک تھی۔ بائیں طرف وہ کمرہ تھا جہاں عام
طور پر مہمانوں کو ٹھہرایا جاتا تھا۔ آگے ایک بڑا ہال نما کمرہ تھا۔ جہاں عام طور پر رات کو گھر کے
سب افراد جمع ہوا کرتے تھے۔ اس کمرے کے فرش پر دبیز قالین بچھے ہوئے تھے اور خوبصورت
طریقے سے آراستہ تھا۔ ایک کونے میں چھوٹی میز پر ریڈیو بھی رکھا ہوا تھا۔ اس سے آگے دائیں
طرف ساتھ ساتھ دو کمرے تھے۔ ان میں ایک کمرہ راشد علی کا تھا اور دوسرا الطاف اور اس کی
بیوی کا۔ اس کمرے کا دروازہ عقبی برآمدے میں کھلتا تھا۔ دوسری طرف ایک اور کمرہ اور اس کے
ساتھ کشادہ کچن تھا۔ شارق نے ان لوگوں کے لئے درمیان والے کمرے کا انتخاب اس لئے کیا تھا
کہ یہاں وہ لوگ ہر وقت ان کی نظروں میں رہ سکتے تھے۔

الطاف کمرے میں جاکر چادریں اور تکئے اٹھالایا' اس نے دو چادریں قالین پر بچھا کر تکئے رکھ
دیئے۔ فریدہ نے بچی کو ایک چادر پر لٹا دیا اور خود اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ الطاف بھی اس کے
قریب ہی بیٹھ گیا تھا جبکہ راشد علی بے چینی سے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔

"تم بہت برا کر رہے ہو شارق۔" راشد علی رک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"برائی تو اس وقت ہوگی جب میں یا میرے ساتھی آپ میں سے کسی کو کوئی نقصان
پہنچائیں۔" شارق بولا۔ "ہمارا آپ کو نقصان پہنچانے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ پولیس کا خطرہ ٹل
جانے کے بعد ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔"

"اور ہم پولیس کا سامنا کرنے کے لئے یہاں رہ جائیں گے۔" راشد علی بولا۔ "میں نے کہہ دیا نا کچھ نہیں ہوگا۔" شارق نے کہا اس کے لہجے میں شدید جھنجلاہٹ تھی..... "سو جاؤ ..... اب تم لوگ سو جاؤ۔" اس نے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ اس وقت دو بجنے والے تھے۔

راشد علی بھی جھنجلا گیا تھا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر دانت بھینچ کر رہ گیا اور قریب پڑی ہوئی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

پپو بھی اب الطاف کے بیڈ روم سے نکل کر اسی کمرے میں آگیا تھا۔ شارق نے اسے اشارہ کیا اور وہ کمرے کے دروازے کے قریب ہی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اپنی کلاشنکوف اس نے گھٹنوں پر رکھ لی تھی۔ ظفری بھی شارق کا اشارہ پاکر فرنٹ ڈور کے قریب ایک کرسی پر بیٹھ چکا تھا جبکہ شارق بھی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

فریدہ اور الطاف ایک دوسرے کے قریب قالین پر بیٹھے سرگوشیوں میں گفتگو کر رہے تھے۔ فریدہ اگرچہ خوفزدہ تھی لیکن کچھ ہی دیر بعد وہ اونگھنے لگی پھر وہ اپنی بچی کے ساتھ لیٹ گئی اور جسم پر چادر اوڑھ لی۔ اس کے تقریباً" آدھے گھنٹے بعد الطاف بھی قالین پر لیٹ چکا تھا۔ البتہ بوڑھا راشد علی کرسی پر بیٹھا جاگ رہا تھا۔

شارق، پپو اور ظفری اپنی اپنی کرسیوں پر مستعد اور چاق و چوبند بیٹھے رہے۔ سارا دن اور پھر رات بھر کی بھاگ دوڑ کے باوجود ان تینوں میں سے کسی کو نیند نہیں آرہی تھی۔

شارق اپنی کرسی پر خاموش بیٹھا راشد علی اور اس کے گھر والوں کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس گھرانے نے شارق کے باپ دادا پر واقعی بہت احسانات کئے تھے اور اس وقت انہیں یرغمال بنانے پر شارق کو افسوس ہو رہا تھا لیکن اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

صبح ساڑھے پانچ بجے قریب کی مسجد سے فجر کی اذان کی آواز سنائی دی تو راشد علی ایک جھٹکے سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ چند منٹ بعد ہی فریدہ اور الطاف بھی بیدار ہوگئے۔

"میں باتھ روم جا رہا ہوں، وضو کرنے کے لئے۔" راشد علی کرسی سے اٹھ کر شارق کے جواب کا انتظار کئے بغیر ایک کمرے میں گھس گیا۔

شارق خاموش بیٹھا کمرے کے دروازے کو دیکھتا رہا۔ تقریباً" پندرہ منٹ بعد راشد علی کمرے سے برآمد ہوا۔

"میں نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں جا رہا ہوں۔" راشد علی خارجی دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"آپ باہر نہیں جاسکتے۔" شارق کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ "آج گھر پر ہی نماز پڑھ لیجئے۔"

"میں نماز پڑھنے کے لئے باقاعدگی سے مسجد میں جاتا ہوں۔ وہاں میرے پڑوسی اور محلے کے دوسرے لوگ بھی آتے ہیں۔ نماز کے بعد ہم میں کچھ گپ شپ ہوتی ہے۔ اگر میں نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں نہ گیا تو میرا کوئی نہ کوئی پڑوسی میرے مسجد میں نہ آنے کی وجہ معلوم کرنے کے لئے یہاں ضرور آجائے گا۔ اس وقت تم لوگوں کی یہاں موجودگی کا راز کھل جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "آپ مسجد میں نماز پڑھنے ضرور جائیے لیکن یہ بات ذہن میں رکھئے کہ آپ کا بیٹا، بہو اور پوتی ہمارے قبضے میں ہیں۔"

"میں تمہاری دھمکی کو سمجھ رہا ہوں۔ لیکن مطمئن رہو میری زبان بند رہے گی۔" راشد علی نے کہا۔

شارق نے دروازہ کھول دیا اور راشد علی کے باہر جاتے ہی دروازہ بند کر دیا۔ پھر مڑ کر فریدہ کی طرف دیکھنے لگا۔ جو اب بھی خاصی خوفزدہ نظر آرہی تھی۔

"کیا تم چائے بنانے کی زحمت کرسکتی ہو بھابھی۔" شارق اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"مت کہو مجھے بھابھی۔" فریدہ کے لہجے میں تلخی اور نفرت کا ملا جلا عنصر تھا اس نے سوتی ہوئی بچی کی طرف دیکھا اور اٹھ کر باورچی خانے میں چلی گئی۔

شارق بھی باورچی خانے کے دروازے پر آکر رک گیا۔ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ باہر کی طرف باورچی خانے کا کوئی دروازہ تو نہیں تھا۔ پھر مطمئن ہو کر اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گیا۔

تقریباً" آدھے گھنٹے بعد فریدہ چائے بنا کر لے آئی۔ اس نے ایک ایک کپ ان تینوں کے ہاتھ میں تھما دیا۔ ایک اپنے شوہر کو دیا اور ایک کپ لے کر خود بیٹھ گئی۔

تقریباً" سوا چھ بجے دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ شارق اور اس کے ساتھی ہوشیار ہوگئے۔ شارق نے الطاف کو اشارہ کیا۔ وہ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھا۔

"اگر کوئی باہر کا آدمی ہو تو اسے کسی بہانے سے لوٹا دینا۔" شارق نے پستول سیدھا کرتے ہوئے سرگوشی کی۔ "اگر تم نے کوئی گڑبڑ کی تو ان میں سے کوئی بھی زندہ نہیں بچے گی۔" اس نے فریدہ اور بچی کی طرف اشارہ کیا۔

الطاف اسے خونخوار نظروں سے گھورتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ شارق آڑ میں ہوگیا تھا۔ اس کے دونوں ساتھی بھی مختلف کمروں کے دروازوں کی آڑ میں چھپ گئے تھے۔ الطاف نے دروازہ کھول دیا۔ راشد علی کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ راشد

علی اندر آکر کرسی پر بیٹھ گیا۔ فریدہ اٹھ کر کچن میں چلی گئی اور اس کے لئے چائے بنا کر لے آئی۔

"باہر کی صورت حال کیا ہے۔ پولیس کے بارے میں کچھ معلوم ہوا۔" شارق نے راشد علی کے قریب آکر پوچھا۔

"پولیس ابھی تک علاقے میں موجود ہے۔" راشد علی نے جواب دیا۔ "بعض مشکوک گھروں پر چھاپے بھی مارے گئے ہیں اور کچھ بدنام لوگوں کو گرفتار بھی کیا گیا ہے۔"

"کچھ اور؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"رات کو پولیس مقابلے میں ایک آدمی مارا گیا ہے اور وہ یقیناً تمہارا ہی ساتھی ہوگا۔ پولیس ابھی اسے شناخت نہیں کرسکی لیکن پولیس کے بارے میں تم مجھ سے زیادہ اچھی طرح جانتے ہو۔ مرنے والے کی شناخت ہوجانے کے بعد وہ اس کے ساتھیوں کے بارے میں بھی معلوم کرلیں گے۔ اس لئے ....."

"پولیس میرے بارے میں کبھی نہیں جان سکے گی۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ موجو کے مارے جانے کی خبر سن کر وہ افسردہ ہوگیا تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ ان کے چہروں پر بھی افسردگی نظر آرہی تھی۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ ٹھیک اسی وقت باہر کے دروازے کی گھنٹی بجی۔ شارق اچھل پڑا اور الجھی ہوئی نظروں سے راشد علی کی طرف دیکھنے لگا۔

"دودھ والا ہوگا۔" راشد علی نے کہا پھر فریدہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا "فریدہ بیٹی۔ دودھ لے آ۔"

"دودھ لینے کے لئے فریدہ نہیں' الطاف جائے گا۔" شارق نے کہا۔

فریدہ نے باورچی خانے میں سے پتیلی لا کر الطاف کو دیدی اور وہ دودھ لینے کے لئے باہر چلا گیا۔ شارق پستول سنبھالے دروازے کے قریب کھڑا رہا۔ ویسے اسے یقین تھا کہ الطاف کوئی ایسی حرکت نہیں کرے گا جس سے اس کی بچی' بیوی اور باپ کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو۔

دودھ والے کے جانے کے تقریباً" پندرہ منٹ بعد ایک بار پھر کال بیل بجی۔

"نوکرانی ہوگی۔ میں دیکھتا ہوں۔" راشد علی اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔

"ایک منٹ۔" شارق نے اسے روک دیا۔ "نوکرانی کو مطلع کردو۔ اس سے کہہ دو کہ گھر والے آج کہیں جا رہے ہیں اس لئے آج وہ بھی چھٹی کرے۔"

"وہ بڑی کائیاں عورت ہے۔ اسے شک ہو جائے گا۔" راشد علی نے کہا۔

"میں جو کہتا ہوں وہ کرو۔" شارق کے لہجے میں ہلکی سی غراہٹ تھی۔

راشد علی کندھے اچکاتا ہوا باہر چلا گیا۔ اس کی واپسی تقریباً" پانچ منٹ بعد ہوئی تھی۔ اس

کے اندر آتے ہی شارق نے دروازہ بند کردیا۔

بچی بھی اب بیدار ہوچکی تھی۔ فریدہ اسے لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

شارق نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی البتہ وہ خود کمرے کے دروازے پر آکر کھڑا ہوگیا تھا تاکہ فریدہ پچھلے برآمدے والا دروازہ نہ کھول سکے۔

فریدہ بچی کو لے کر باتھ روم میں گھس گئی تھی۔ وہ تقریباً" آدھے گھنٹے بعد بچی کو لے کر باہر نکلی تھی۔

"بھابھی!" شارق اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "پہلے بچی کو ناشتا کراؤ اور پھر ہمارے لئے بھی کھانے پینے کا بندوبست کرو۔ مجھے یقین ہے کہ ہر چیز گھر میں موجود ہوگی اور کوئی چیز لینے کے لئے گھر سے باہر جانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔"

فریدہ بچی کو لے کر باورچی خانے میں چلی گئی۔ پہلے اس نے بچی کو ناشتا کروایا پھر سب کے لئے ناشتہ کا بندوبست کرنے لگی۔

ناشتے کے بعد صورتحال کچھ مختلف ہوگئی۔ شارق اور اس کے ساتھی دو دن سے جاگے ہوئے تھے۔ ناشتا کرنے کے بعد ان پر نیند کا خمار طاری ہونے لگا۔ راشد علی' فریدہ اور الطاف بھی کچھ ڈھیلے پڑگئے تھے۔ شارق نے پپو اور ظفری کو اپنے قریب بٹھالیا۔

"اگر ہم تینوں اونگھ گئے تو گڑبڑ ہو جائے گی۔" وہ سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "ان لوگوں پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ موقع ملتے ہی یہ لوگ ہمارے خلاف کوئی کارروائی ضرور کریں گے اور میں نہیں چاہتا کہ ایسا کوئی موقع آئے اور میرے ہاتھوں انہیں کوئی نقصان پہنچے۔ اس لئے مناسب یہ ہوگا کہ ہم لوگ باری باری جاگتے رہیں۔ تم دونوں اس کمرے میں جاکر سو جاؤ۔ میں جاگ رہا ہوں۔ تین گھنٹے بعد میں ظفری کو جگا دوں گا اور خود سو جاؤں گا۔ ظفری کے بعد پپو کی باری آئے گی۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم اس کمرے میں جا رہے ہیں۔" ظفری نے فرنٹ ڈور کے ساتھ والے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

وہ دونوں کمرے میں چلے گئے۔ شارق پستول سنبھال کر اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔ راشد علی کرسی پر بیٹھے بیٹھے سو رہا تھا۔ فریدہ بھی اونگھ رہی تھی البتہ اس کی بیٹی قالین پر بیٹھی کھلونوں سے کھیل رہی تھی جو فریدہ نے کمرے سے لاکر اس کے سامنے رکھ دیئے تھے۔ شارق اس بچی کی طرف دیکھ رہا تھا اسے اندیشہ تھا کہ یہ بچی ان کے لئے کوئی مسئلہ پیدا نہ کردے۔

وقت بڑی مشکل سے گزر رہا تھا۔ شارق بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر قالین پر آگیا اور بچی کے

ساتھ کھیلنے لگا۔ فریدہ اس وقت سو رہی تھی۔ بچی کھیلتے کھیلتے اچانک ہی رونے لگی۔ فریدہ کی آنکھ کھل گئی اس نے خونخوار نظروں سے شارق کی طرف دیکھا اور بچی کو گود میں لے لیا۔ شارق دوبارہ اپنی جگہ پر جاکر بیٹھ گیا۔

شارق کو شام سات بجے کے قریب جگایا گیا تھا۔ اس نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا اور اس وقت اسے بھوک لگ رہی تھی۔ ظفری اور پپو بھی جاگ رہے تھے۔ شارق نے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر جھانکا۔ باہر شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ اس نے فریدہ سے کہہ کر چائے بنوائی۔

چائے پینے کے بعد شارق نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور وہاں سے جانے کی تیاری کرنے لگے۔

"ایک بات ذہن میں رکھنا شارق۔" الطاف نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "اگر دوبارہ تم یہاں آئے تو صورت حال مختلف ہوگی۔"

"آپ لوگوں کو ہماری وجہ سے جو ذہنی کوفت ہوئی اس کا مجھے افسوس ہے الطاف بھائی۔" شارق نے کہا۔ "میں مجبوری کے تحت یہاں آیا تھا۔ لیکن میرا خیال ہے کہ آئندہ ایسی کوئی مجبوری نہیں ہوگی جو مجھے یہاں لے کر آئے۔"

ابھی شام شروع ہوئی تھی۔ گلی میں لوگوں کی آمدورفت تھی۔ راشد علی مسجد سے نماز پڑھ کر واپس آچکا تھا۔ شارق' پپو اور ظفری نے چادریں اوڑھ لی تھیں۔ سب سے پہلے راشد علی نے ظفری کو دروازے پر جاکر اس طرح رخصت کیا جیسے وہ اس کا مہمان ہو۔ اس کے آدھے گھنٹے بعد الطاف نے پپو کو اسی طرح رخصت کیا۔ پپو کی رائفل چادر میں چھپی ہوئی تھی۔ اسے چادر اوڑھے دیکھ کر کوئی شبہ نہیں کرسکتا تھا کہ اس کے پاس رائفل ہوگی۔

نو بجے کے قریب شارق' راشد علی کے ساتھ کمرے سے نکل کر گیٹ پر آگیا' شارق نے بھی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ اس وقت گلی میں تین چار لڑکے کھیل رہے تھے۔ دو آدمی باتیں کرتے ہوئے دروازے کے سامنے سے گزر رہے تھے۔ انہوں نے سرسری سے انداز میں ان کی طرف دیکھا تھا۔ شارق نے مسکراتے ہوئے راشد علی سے ہاتھ ملایا اور گلی میں ایک طرف چل پڑا۔

راشد علی اس سے ہاتھ ملاتے ہی مڑگیا تھا۔ اس نے اندر داخل ہوکر دھڑ سے دروازہ بند کرلیا جیسے ڈر ہو کہ شارق دوبارہ نہ آجائے۔

شارق نے مڑکر دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا ایک طرف چلنے لگا۔

صبح کے اخبارات نے پورے شہر میں سنسنی پھیلا دی تھی۔ بعض اخباروں نے تصویریں بھی شائع کی تھیں۔ اخبارات نے لکھا تھا کہ قتل کی ایسی سنسنی خیز واردات کبھی نہیں ہوئی تھی کہ مقتول کو اس طرح موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہو کہ اس کے جسم کی کوئی ہڈی سلامت نہ رہی ہو۔

اخبارات کے مطابق سینما کے مالک حاجی افضال کا بھانجہ منور شہر کا چھٹا ہوا بدمعاش تھا۔ اس کی تھانے میں باقاعدہ حاضری لگتی تھی۔ وہ اپنے علاقے میں لوگوں سے بھتے وصول کیا کرتا تھا۔ اس نے اپنے گرگوں کے ساتھ مل کر علاقے کے لوگوں کی زندگی حرام کر رکھی تھی۔ اس کی مجرمانہ سرگرمیوں کے بارے میں سب کچھ جانتے ہوئے بھی پولیس نے اس کے خلاف کبھی کوئی کارروائی نہیں کی تھی۔ علاقے کے لوگوں کا کہنا ہے کہ حاجی افضال کی وجہ سے منور کو پولیس کی پشت پناہی بھی حاصل تھی۔

اخبارات کے مطابق گزشتہ شام منور ملتان روڈ پر بھلا اسٹاپ پر بیٹھا لوگوں سے بھتہ وصول کر رہا تھا کہ شارق اور اس کے ساتھی اسلحہ کے زور پر اسے اغوا کرکے لے گئے۔ اطلاع ملتے ہی پولیس نے علاقے کی ناکہ بندی کردی۔ لیکن شارق اور اس کے ساتھی بڑی ہوشیاری سے منور کو اس علاقے سے نکال کر لے گئے۔ کئی گھنٹوں بعد منور کو ایک گٹھری میں باندھ کر حاجی کی کوٹھی کے سامنے ڈال دیا گیا۔ گٹھری منور کے لاچے سے بنائی گئی تھی۔ حاجی کے گھر والوں نے منور کو دیکھا تو کانپ کر رہ گئے۔ وہ ٹوٹی ہوئی ہڈیوں اور گوشت کے لوتھڑوں کا ڈھیر تھا۔ تاہم اس وقت اس میں زندگی کی رمق موجود تھی لیکن اسپتال پہنچائے جانے سے پہلے وہ ختم ہوچکا تھا۔

دوسری خبر تیزاب احاطے میں ہونے والے پولیس مقابلے کی تھی۔ اس خبر کے مطابق پولیس مقابلے میں ہلاک ہونے والا موجو بھی بدمعاش تھا۔ لیکن کئی مہینوں سے وہ گوشہ نشینی اختیار کئے ہوئے تھا۔ اطلاع کے مطابق دو روز پہلے شارق نے اس سے رابطہ کیا تھا۔ پولیس نے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ منور کو اغوا کرنے' اس پر تشدد کرنے اور اسے گٹھری میں باندھ کر حاجی کی کوٹھی کے سامنے ڈالنے میں موجو بھی شارق کے ساتھ تھا۔ واپسی پر کوآپریٹو سٹور کے قریب گاڑیوں کی چیکنگ کے دوران ان کا پولیس سے مقابلہ ہوگیا۔ تیزاب احاطے کے علاقے میں موجود پولیس کے ہاتھوں مارا گیا جبکہ شارق اور اس کے دو ساتھی فرار ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ پولیس نے علاقے کی ناکہ بندی کردی اور رات بھر انہیں تلاش کرتی رہی لیکن ان کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ پولیس کا خیال ہے کہ شارق اور اس کے ساتھی اب بھی اس علاقے کے کسی مکان میں پناہ لئے ہوئے ہیں۔ ہوسکتا ہے کسی مکان میں گھس کر انہوں نے گھر والوں کو یرغمال بنا رکھا ہو۔

لیکن یہ علاقہ اتنا بڑا ہے کہ گھر گھر کی تلاشی لینا پولیس کے لئے ممکن نہیں ہے۔

تیسری خبر کار کے بارے میں تھی جو شارق اور اس کے ساتھیوں کے استعمال میں تھی اور تیزاب احاطے کے علاقے میں دیوار سے ٹکرا کر الٹ گئی تھی۔ پولیس کی اطلاع کے مطابق یہ کار شہر کی ایک کار رینٹل ایجنسی سے کرائے پر لی گئی تھی۔ رجسٹر میں اصغر علی کا نام لکھا گیا تھا جبکہ ضمانتی کے خانے میں حاجی افضال کا نام لکھا ہوا تھا۔ شو روم کے کلرک کے بیان کے مطابق وہ کار لے جانے والے کو نہیں جانتا تھا لیکن اس نے حاجی افضال کا حوالہ دیا تھا جس پر کار اس کے حوالے کردی گئی تھی۔ شو روم کے کلرک نے کار لے جانے والے کا جو حلیہ بتایا تھا وہ سو فیصد شارق کا تھا۔

تیسری خبر جو بوکس میں شائع کی گئی تھی' سب سے زیادہ سنسنی خیز تھی۔ "عفریت کی واپسی ....." اس عنوان سے شائع ہونے والی خبر میں مختصر طور پر شارق کے بارے میں بتایا گیا تھا' اور آخر میں لکھا تھا کہ یہ عفریت کئی ماہ کی غیر حاضری کے بعد شہر میں واپس آگیا ہے اور اس مرتبہ اس کا ٹکراؤ حاجی افضال کے گروہ سے ہے۔ اخبارات نے لکھا تھا کہ چند مہینے پہلے حاجی نے شارق کی منہ بولی ماں اور بہن کو بے عزت کرکے ان کے گھر سے نکال دیا تھا اور ان کے مکان پر قبضہ کرکے اسے فروخت کر دیا تھا۔ شارق نے شہر میں واپس آتے ہی اپنی ماں اور بہن کی توہین کا بدلہ لینے کے لئے حاجی کے خلاف کارروائی شروع کردی ہے۔

اخبارات نے شارق کے حوالے سے ثمینہ کا بھی تذکرہ کیا تھا اور آخر میں لکھا تھا کہ ان دو گروہوں کے تصادم کی وجہ سے شہر کا امن و سکون برباد ہونے والا ہے جس میں بہت سے بے گناہ بھی مارے جاسکتے ہیں۔ اخبارات نے پولیس کے اعلیٰ حکام اور حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ شہر کا امن برقرار رکھنے کے لئے پیش بندی اور حفاظتی انتظامات کرلئے جائیں۔

شارق اس وقت ملتان روڈ والی حویلی میں بیٹھا ہوا تھا۔ ظفری اور پپو بھی موجود تھے۔ گزشتہ رات راشد علی کے مکان سے نکلنے کے بعد وہ لوگ الگ الگ راستوں سے یہیں آئے تھے۔ شارق کو اگرچہ گھر جانا تھا لیکن وہ بھی یہیں چلا آیا تھا۔ صبح نو بجے کے قریب وہ حویلی سے نکل کر مین روڈ کے بس اسٹاپ پر چلا گیا تھا۔ ناشتے اور کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ وہ اخبار بھی خرید لایا تھا۔ پپو چولہے میں آگ جلائے ناشتہ تیار کر رہا تھا اور شارق اور ظفری درخت کے نیچے چارپائی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ شارق اخبار پڑھ رہا تھا اپنے اور حاجی کے بارے میں خبریں پڑھ کر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی تھی۔

"کیا بات ہے شارق باؤ۔" کس بات پر مسکرا رہے ہو؟" پپو نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے

کہا۔ وہ برآمدے سے ذرا ہٹ کر دیوار کے قریب بیٹھا ہوا تھا جہاں اس نے اینٹیں جوڑ کر عارضی چولہا بنا لیا تھا۔ چولہے پر چائے کی پتیلی رکھی ہوئی تھی۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ حاجی کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔" شارق نے بدستور مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میرے خیال میں یہ اس کی زندگی کا پہلا موقع ہوگا کہ کسی نے اسے اس طرح کا تحفہ بھیجا ہو۔ منور اس کا بھانجہ تھا۔ اس کی لاش دیکھ کر بھی حاجی نے یہ نہیں سوچا ہوگا کہ وہ خود دوسروں کے ساتھ کیا کرتا رہا ہے' راجہ اسپتال میں ہے۔ وہ مرا تو نہیں لیکن اس کی حالت مردوں سے بدتر ہے۔ جس شخص کی ٹانگوں اور بازوؤں کی ہڈیاں توڑ دی گئی ہوں اسے زندوں میں کس طرح شمار کیا جاسکتا ہے۔ اس وقت حاجی کو ذرا بھی خیال نہیں آیا تھا کہ وہ ایک انسان کی زندگی مفلوج کر رہا ہے۔ اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دینے کے لئے صرف زبان ہلائی ہوگی۔ لیکن اب اپنے بھانجے کی لاش دیکھ کر وہ پاگل ہوگیا ہوگا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "اس نے میرے قتل کی سازش کی۔ میری ماں اور بہن کو ذلیل کیا۔ میرے آدمی کو مفلوج کرکے پھینک دیا۔ میں نے اس کے خلاف ابھی پہلا قدم اٹھایا ہے۔ میں حاجی سے ایسا انتقام لوں گا کہ وہ خودکشی کرنے پر مجبور ہوجائے گا۔"

"ایسا ہی ہوگا شارق باؤ۔" قریب بیٹھے ہوئے ظفری نے کہا۔ "رات کو موجو بھی اسی کی وجہ سے مارا گیا ہے' ہم نے اس کا بھی انتقام لینا ہے۔"

"میں اس سے اپنے ایک ایک آدمی کا انتقام لوں گا۔" شارق نے دانت بھینچتے ہوئے جواب دیا۔ "تم لوگ میرے ساتھ ہو۔ مجھے کوئی خوف نہیں ہے۔"

"ہم مرتے دم تک تمہارے ساتھ ہیں شارق باؤ۔" پپو نے کہا اور پتیلی چولہے سے اتار کر کپوں میں چائے انڈیلنے لگا۔

ظفری نے چارپائی پر ہی چادر بچھا دی تھی اور پھر تھیلے میں سے ڈبل روٹی وغیرہ نکال کر چادر پر رکھنے لگا۔ شارق مکھن' اچار اور جام وغیرہ بھی لے کر آیا تھا۔ اس حویلی کے باورچی خانے میں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ پچھلی مرتبہ جب وہ ثمینہ کے ساتھ یہاں آکر رہا تھا تو اس نے ہر چیز لاکر ڈال دی تھی اور اس وقت بازار سے ناشتے کے علاوہ دوپہر کے پکانے کے لئے گوشت اور آٹا وغیرہ بھی لے آیا تھا۔

پپو چائے لے کر آگیا۔ وہ تینوں چارپائی پر بیٹھ گئے اور ناشتا کرنے لگے۔

"ہمیں کم از کم چوبیس گھنٹے اس حویلی میں رہنا ہوگا۔" شارق نے ڈبل روٹی کے پیس پر مکھن لگاتے ہوئے کہا۔ "پورے شہر میں ہماری تلاش ہو رہی ہوگی۔ باہر نکلنا ہمارے لئے خطرے

سے خالی نہیں ہوگا۔ میں کھانے پینے کا سامان لے آیا ہوں۔ سالن تو میں پکالوں گا۔ روٹی کو
پکائے گا؟"

"میں پکاؤں گا شارق باؤ۔" پپو نے کہا۔ "سالن بھی میں پکالوں گا۔ میرے ہاتھ کا پکا ہو
سالن کھاؤ گے تو انگلیاں چاٹتے رہ جاؤ گے۔"

"ٹھیک ہے۔ یہ کام تم ہی سنبھال لو۔" شارق نے جواب دیا۔

ناشتے کے ساتھ ساتھ وہ صورتحال پر تبصرہ بھی کرتے رہے۔ پھر ظفری ادھر ادھر دیکھتے
ہوئے بولا۔

"یہ حویلی کس کی ہے شارق باؤ۔"

"اپنی ہی سمجھ لو۔" شارق نے جواب دیا۔ "اگر تمہیں یہ حویلی پسند آگئی ہو تو مستقل طور
پر یہاں رہ سکتے ہو۔"

"اپنی ایسی قسمت کہاں شارق باؤ۔" ظفری نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "اپنی تو زندگی
ہی فٹ پاتھ پر' کھولیوں اور طویلوں میں گزری ہے۔ میں تو اس حویلی کے بارے میں کسی اور
نظریے سے پوچھ رہا تھا۔"

"کیا نظریہ ہے تمہارا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"اس حویلی کو ہم اپنا ہیڈ کوارٹر بناسکتے۔ آس پاس زیادہ آبادی بھی نہیں ہے۔ ہماری
آمدورفت کے بارے میں لوگوں کو پتا بھی نہیں چلے گا۔" ظفری نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

"مستقل نہیں۔" شارق بولا۔ "البتہ ہم ہنگامی صورت حال میں اس حویلی کو پناہ گاہ کے
طور پر استعمال کرسکتے ہیں۔ مستقل طور پر آنے جانے کی صورت میں ہم یقیناً" دوسروں کی نظروں
میں آسکتے ہیں۔ ویسے میں سوچ رہا ہوں کہ یہاں کوئی ایسی چیزیں ڈلوا دی جائیں کہ ہمارے کبھی
کبھار آنے کا بھی جواز رہے۔"

"تو پھر میرا خیال ہے کہ اس میں اسکریپ ڈھیر کر دیا جائے۔" پپو نے کہا۔ "یہاں جگہ تو
بہت ہے۔ ایک کونے میں ڈھیر لگا دیں گے۔ لوگوں کو یہی پتا چلے گا کہ ہم اسکریپ کا بزنس کرتے
ہیں۔"

تمہارا خیال ٹھیک ہے۔" شارق بولا۔ "ایک مرتبہ پہلے بھی ہم یہاں اسکریپ لے کر آئے
تھے۔ اب بھی اسکریپ ہی مناسب رہے گا۔"

وہ لوگ ناشتا کرچکے تھے۔ پپو نے برتن وغیرہ دھو کر رکھ دیئے۔ شارق تو چارپائی پر لیٹ گیا
اور پپو اور ظفری اٹھ کر حویلی کا جائزہ لینے لگے۔

حویلی کا صحن بہت وسیع و عریض تھا۔ اس میں مختلف جگہوں پر شیشم کے کئی درخت تھے۔
دائیں طرف والی دیوار کے قریب درختوں کے سائے میں ایک چھوٹا کنواں بھی تھا۔ جس پر چرخی
لگی ہوئی تھی۔ پینے کا پانی اس کنویں سے استعمال ہوتا تھا۔ حویلی کے پچھلی طرف بھی کافی کشادہ
جگہ تھی۔ اس طرف بھی کونے میں ایک کنواں تھا۔ اس کنویں کا قطر بیس فٹ سے بھی زیادہ تھا
لیکن اس کنویں پر چرخی نہیں تھی۔ یہ کنواں برسوں سے ایسے ہی پڑا تھا اور اس کا پانی استعمال
نہیں ہوتا تھا۔ کنویں کے منہ پر بیچوں بیچ ایک بہت موٹا شہتیر پڑا ہوا تھا اور کنویں کا زیادہ حصہ
درختوں کی موٹی موٹی خشک شاخوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

وہ دونوں حویلی کی عمارت کے اوپر سے گھوم کر دوبارہ برآمدے والی طرف آگئے اور اندر
داخل ہوکر کمروں کا جائزہ لینے لگے۔ تمام کمروں کے دروازے کھلے تھے البتہ ایک اندرونی دروازے
پر موٹا سا تالا لگا ہوا تھا۔

وہ دونوں باہر آگئے اور دوسری چارپائی کھینچ کر شارق کے قریب بیٹھ گئے۔ شارق اپنی چارپائی
پر لیٹا ہوا تھا۔

"شارق باؤ۔" پپو اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تمام کمروں کے دروازے کھلے ہیں لیکن
ایک دروازے پر تالا لگا ہوا ہے۔ اس کمرے میں کیا ہے؟"

"کل رات تم لوگ مجھ سے پہلے یہاں آگئے تھے۔ حویلی کی چابیاں بھی تمہارے پاس
تھیں۔ وہ کمرہ بھی کھول کر دیکھ لیا ہوتا۔" شارق نے کہا۔

"تمہاری اجازت کے بغیر تو ہم ایسی کوئی حرکت نہیں کرسکتے نا شارق باؤ۔" پپو نے کہا۔

"اب میری اجازت سے وہ کمرہ کھول کر دیکھ لو۔" شارق نے ہنستے ہوئے چارپائی کے
سرہانے پڑا ہوا چابیوں کا گچھا اٹھا کر اس کی طرف اچھال دیا۔

وہ دونوں اٹھ کر پھر برآمدے میں داخل ہوگئے اور تھوڑی دیر بعد جب وہ اس کمرے کا تالا
کھول کر اندر داخل ہوئے تو وہاں سفید پوڈر کے بھرے ہوئے تھیلے اور اسلحہ کی پیٹیاں دیکھ کر ان
کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ وہ فوراً" ہی باہر آگئے اور کمرے کا تالا لگا کر تیز تیز شارق
کے پاس پہنچے اور چابیوں کا گچھا اس کی چارپائی پر پھینک دیا۔

"یہ .... یہ سب کچھ کہاں سے آیا شارق باؤ۔" پپو کے لہجے میں حیرت تھی۔ "یہ مال ایک
ارب روپے سے زیادہ مالیت کا ہے۔ اور کئی مہینوں سے یہاں پڑا ہوا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

ان دونوں پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ وہ غنڈے اور بدمعاش تو تھے لیکن اپنی
پوری زندگی میں یہ سب کچھ نہیں دیکھا تھا۔ ان کی بدمعاشی کمانی دار چاقو پر یا زیادہ سے زیادہ

پستول پر چلتی تھی اور یہاں بڑی تعداد میں جدید ترین اسلحہ رکھا ہوا تھا۔ وہ ہیروئن کی پڑیاں بیچ رہے تھے۔ پاؤ بھر سے زیادہ ہیروئن کبھی نہیں دیکھی تھی اور یہاں کروڑوں روپے مالیت کی ہیروئن رکھی ہوئی تھی۔

"میں اپنے دوستوں پر اعتماد کرتا ہوں۔" شارق نے کہا۔ "اس حویلی کی چابیاں میری عدم موجودگی میں دیوار کی کھولی میں پڑی رہتی ہیں اور چابیوں کی جگہ کا تم لوگوں کو بھی پتا چل گیا ہے۔ جیسا کہ میں نے ابھی بتایا ہے کہ یہ مال ایک ارب روپے سے زیادہ مالیت کا ہے' لیکن مجھے تم لوگوں پر اعتماد ہے۔"

"تمہارے اعتماد کو کبھی ٹھیس نہیں پہنچے گی شارق باؤ۔" ظفری نے کہا۔ "تم نے ہم پر اعتماد کیا ہے۔ ہم اپنی جان دے کر بھی تمہارے اعتماد کو قائم رکھیں گے۔"

"شکریہ۔ مجھے تم لوگوں سے یہی امید ہے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ کافی دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے پھر پپو اٹھ کر باورچی خانے چلا گیا۔ سارا سامان وہاں موجود تھا۔ گوشت اور سبزی بھی وہیں رکھی ہوئی تھی۔ وہ سالن بنانے کی تیاری کرنے لگا۔

شارق کا زیادہ وقت چارپائی پر لیٹے اونگھتے ہوئے گزرا تھا دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد تو وہ تینوں سوگئے تھے۔ شیشم کی ٹھنڈی چھاؤں میں ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے انہیں آنکھیں بند کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

شارق کی آنکھ چھ بجے کے قریب کھلی تھی۔ ظفری اور پپو پہلے ہی جاگ گئے تھے۔ شارق کے جاگ جانے کے بعد پپو چائے بنانے لگا تھا۔

شام کا اندھیرا پھیلنے لگا۔ ظفری نے برآمدے کا بلب جلا دیا تھا۔ اندھیرا پھیلتے ہی مچھر انہیں پریشان کرنے لگے۔ وہ اپنی چارپائیاں اٹھا کر برآمدے کے ساتھ پہلے کمرے میں آگئے۔ یہاں لائٹ بھی موجود تھی اور چھت پر پنکھا بھی لگا ہوا تھا۔

تقریباً" آٹھ بجے کے قریب انہیں یوں لگا۔ جیسے کوئی گاڑی حویلی کے پھاٹک کے سامنے رکی ہو۔ شارق کی ہدایت پر پپو نے کمرے اور برآمدے کی بتیاں بجھا دیں۔ پپو اور ظفری نے اپنی اپنی کلاشنکوف رائفلیں سنبھال لیں۔ شارق کا پستول بھی اس کے ہاتھ میں آگیا تھا۔

وہ تینوں برآمدے میں آگئے۔ حویلی کے پھاٹک کی جھریوں سے روشنی نظر آرہی تھی جس سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ گاڑی گیٹ کے عین سامنے کھڑی تھی اور اس کا رخ پھاٹک کی طرف تھا۔

کچھ ہی دیر بعد پھاٹک پر زور زور سے دستک دی جانے لگی۔ پھاٹک لکڑی کا تھا۔ اس لئے

آواز زیادہ نہیں پھیل رہی تھی۔ اس کے فوراً" ہی بعد ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

"شاہ پری۔ دروازہ کھولو۔ میں ہوں تمہاری دوست۔"

شارق یہ آواز سن کر چونک گیا۔ اس نے ثمینہ کی آواز پہچاننے میں کوئی غلطی نہیں کی تھی۔ لیکن اس نے شاہ پری کا نام لے کر آواز دی تھی اور یہ بات شارق کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

"کوئی عورت ہے۔ شاید غلطی سے یہاں آگئی ہے۔" ظفری نے سرگوشی کی۔

"نہیں وہ صحیح جگہ پر آئی ہے۔" شارق بولا۔ "یہ ثمینہ کی آواز ہے۔ تم جاکر دروازہ کھول دو۔ لیکن ہوشیار رہنا۔ ہوسکتا ہے ہمارے ساتھ دھوکا کرنے کی کوشش کی جارہی ہو۔"

ظفری رائفل سنبھالے گیٹ کی طرف چل پڑا۔ شارق برآمدے سے نکل کر درخت کے تنے کی آڑ میں کھڑا ہوگیا۔ پپو کو اس نے دوسری طرف جانے کا اشارہ کیا تھا۔ اس دوران ظفری پھاٹک کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اس نے زنجیر نکال کر بھاری کنڈا کھول دیا اور تیزی سے ایک طرف ہٹ گیا۔

باہر سے کسی نے دھکا دے کر پھاٹک کو تھوڑا سا کھولا اور اس کے فوراً" ہی بعد ثمینہ اندر داخل ہوئی۔ ظفری نے اسے فوراً" ہی رائفل کی زد پر لے لیا۔

رک جاؤ ..... کون ہو تم۔" اس کے حلق سے ہلکی سی غراہٹ نکلی۔

ثمینہ بڑی تیزی سے آواز کی طرف گھوم گئی۔ وہ خود کار کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں تھی لیکن ظفری تاریکی میں اور ثمینہ اسے نہیں دیکھ سکتی تھی۔

"تم کون ہو ؟ شارق کہاں ہے ؟" ثمینہ نے تاریکی میں گھورتے ہوئے پرسکون لہجے میں کہا۔ "تاریکی میں کیوں کھڑے ہو روشنی میں آؤ تاکہ تمہیں دیکھ سکوں۔"

"تمہارے ساتھ اور کون ہے؟" ظفری نے پوچھا۔

"اکیلی ہوں۔ شارق کہاں ہے ؟" ثمینہ نے پھر سوال کیا۔

اس دوران شارق بھی درخت کی آڑ سے نکل کر سامنے آگیا۔ اسے اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ ثمینہ اکیلی ہی تھی۔

"ظفری ! پھاٹک کھول دو اور ثمینہ تم گاڑی اندر لے آؤ۔" شارق نے وہیں سے پکار کر کہا۔

ثمینہ مڑ کر گیٹ سے باہر چلی گئی اور ظفری نے گیٹ پوری طرح کھول دیا۔ ثمینہ گاڑی اندر لے کر آئی تو ظفری نے پھاٹک بند کر دیا۔ ثمینہ نے گاڑی آگے لاکر روک لی اور انجن بند کرکے

نیچے اتر آئی۔ شارق نے قریب آتے ہوئے پپو کو اشارہ کیا۔ اس نے آگے جاکر برآمدے اور کمرے کی بتیاں جلادیں۔

"خیریت ثمینہ! تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں یہاں ہوں۔" شارق نے ثمینہ کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"ان حالات میں اندازہ ہی لگایا جاسکتا تھا کہ تم کہاں ہوسکتے ہیں۔" ثمینہ نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔ "یہ لوگ کون ہیں؟"

"اپنے ہی آدمی ہیں۔ آؤ۔ اندر بیٹھ کر اطمینان سے بات کرتے ہیں۔ ماں جی اور رضیہ کیسی ہیں۔" شارق بولا۔

"وہ دونوں تمہارے لئے پریشان ہیں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"شاید اسی لئے تم یہاں آئی ہو۔" شارق مسکرایا۔

"ہاں' لیکن میرے آنے کی ایک اور وجہ بھی ہے؟" ثمینہ نے جواب دیا وہ برآمدے میں سے گزرتے ہوئے کمرے میں پہنچ چکے تھے۔

"وہ کیا ..... ؟" شارق نے ایک چارپائی پر بیٹھتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ابھی بتاتی ہوں۔ لیکن کیا یہاں چائے کا بندوبست ہوسکتا ہے۔ میں نے ابھی تک شام کی چائے نہیں پی۔" ثمینہ نے دروازے کے قریب کھڑے ہوئے پپو کی طرف کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ ثمینہ' پپو کی موجودگی میں کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔ ظفری پہلے ہی باہر تھا۔ شارق نے پپو سے چائے بنانے کو کہا اور جب وہ کمرے سے نکل گیا تو شارق ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں۔ اب بتاؤ کیا معاملہ ہے؟"

"آج صبح اخبار میں یہ سب کچھ پڑھنے کے بعد رضیہ اور ماں جی بہت پریشان ہوگئی ہیں۔ رضیہ کو تو میں نے ساری بات سمجھا دی ہے کہ تم یہ سب کچھ کیوں کر رہے ہو لیکن ماں جی کو کیسے سمجھاؤں۔ وہ صرف ایک ہی بات کی تکرار کر رہی ہیں کہ سب کچھ چھوڑ کر ہم کسی دوسرے شہر چلے جائیں۔"

"دوسرے شہروں میں بھی حاجی جیسے لوگ ہی بستے ہیں۔" شارق نے کہا۔

"بہرحال' میں ابھی تمہارے ساتھ چلوں گا اور ماں جی کو سمجھا دوں گا اور کوئی خاص بات؟"

"ہاں۔" ثمینہ بولی۔ "سہیل کو حاجی کے آدمی اٹھا کر لے گئے ہیں۔"

"کیا؟" شارق اچھل پڑا۔ "یہ کب کی بات ہے؟"

"صبح اخبار پڑھنے کے بعد میں بھی تمہارے بارے میں پریشان تھی۔" ثمینہ نے کہا۔ "میرا خیال تھا کہ تم جہاں کہیں بھی ہوگے فون پر مجھ سے رابطہ کرو گے۔ لیکن چار بجے تک تمہاری طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی تو میں نے سہیل کو فون کیا۔ فون رشید نے اٹھایا تھا۔ اس نے بتایا کہ تقریباً" آدھا گھنٹہ پہلے حاجی کے تین آدمی ریسٹورنٹ میں آئے تھے۔ وہ پہلے تو سہیل سے تمہارے بارے میں پوچھتے رہے پھر اسلحہ کے زور پر اسے ایک کار میں بٹھا کر لے گئے۔"

"رشید کو کیسے پتا چلا کہ وہ حاجی کے آدمی ہیں؟" شارق نے پوچھا۔

"وہ لوگ جاتے ہوئے پیغام دے گئے تھے کہ اگر آج آدھی رات تک شارق نے اپنے آپ کو حاجی کے سامنے سرنڈر نہ کیا تو نہ صرف سہیل کو قتل کر دیا جائے گا بلکہ ماں جی اور رضیہ کو بھی تلاش کرکے ختم کر دیا جائے گا۔" ثمینہ نے بتایا۔

"مجھے معلوم تھا کہ ہماری طرف سے جب کوئی کارروائی ہوگی تو حاجی خاموش نہیں بیٹھے گا۔ اسی لئے میں نے پہلے ماں جی اور رضیہ کے لئے کسی محفوظ جگہ کا بندوبست کیا تھا۔ لیکن بہرحال' تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں یہاں ہوں۔"

"طفیل سے پتا چلا تھا کہ دو دن پہلے تم ماسی مہراں کے گھر پر تھے۔ میرا خیال تھا کہ اب بھی وہیں ہوگے۔ میں نے طفیل کو ماسی مہراں کے گھر بھیجا تھا لیکن تم وہاں نہیں تھے۔ پھر مجھے خیال آیا کہ تم یہیں ہوسکتے ہو۔ اس لئے میں یہاں چلی آئی۔ گیٹ پر دستک دیتے ہوئے میں نے شاہ پری کا نام پکارا تھا تاکہ تم مجھے شناخت کرلو۔ ظاہر ہے شاہ پری کے بارے میں صرف تم اور میں جانتے ہیں۔ اس کی طرف سے کوئی اطلاع ملی؟"

"ابھی نہیں۔" شارق نے نفی میں سرہلایا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ اسے فیصل آباد سے بلانا ہی پڑے گا۔ حاجی والے معاملے میں ہمیں اس کی ضرورت پڑے گی۔"

"سہیل کے بارے میں کیا کرنا ہے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"ظاہر ہے اسے لاوارث تو نہیں چھوڑا جاسکتا۔" شارق بولا۔ "حاجی اپنے بھانجے کے قتل کا انتقام لینا چاہتا ہے۔ لیکن اگر سہیل کو کچھ ہوا تو میں حاجی کے خاندان کے ایک ایک فرد کو ختم کر دوں گا۔"

اسی دوران پپو چائے لے کر اندر داخل ہوا۔

"چائے یہاں رکھ دو اور ظفری کو بھی بلا لاؤ۔" شارق نے پپو سے کہا۔ پپو نے چائے کے

کپ چارپائی کے سامنے پڑی ہوئی چھوٹی میز پر رکھ دیئے اور کن انکھیوں سے ثمینہ کی طرف دیکھتا ہوا باہر نکل گیا۔ تقریباً دو منٹ بعد وہ ظفری کے ساتھ واپس آگیا۔ وہ دونوں سامنے والی چارپائی پر بیٹھ گئے۔

"یہ ثمینہ ہے۔" شارق نے گویا تعارف کرایا۔ "اور ثمینہ یہ میرے وفادار دوست پپو اور ظفری ہیں۔"

"ثمینہ بی بی۔" ظفری کے لہجے میں حیرت تھی۔ "بڑا نام سنا ہے جی آپ کا۔ ماجھا گجر کے ساتھ آپ نے شارق باؤ کے ساتھ مل کر جو کچھ کیا تھا وہ سب ہمیں معلوم ہے جی۔ بڑا جگرا ہے آپ کا۔" وہ عجیب سی نظروں سے ثمینہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ ثمینہ سے بہت متاثر ہوا تھا۔ ایک تو زیر زمین دنیا میں ثمینہ کا نام ہی دوسروں کو متاثر کر دینے کے لئے کافی تھا اور دوسرے اس کا حسن و شباب بھی ہوش اڑا دینے والا تھا۔

"اب مسئلہ یہ ہے۔" شارق ان دونوں کو متوجہ کرتے ہوئے بولا۔ "حاجی نے ہمارے خلاف کارروائی شروع کردی ہے۔ آج چار بجے اس کے غنڈے میرے دوست سہیل کو اٹھا کر لے گئے ہیں اور اس نے یہ دھمکی بھی دی ہے کہ اگر میں نے آج آدھی رات تک اپنے آپ کو اس کے حوالے نہ کیا تو وہ نہ صرف سہیل کو قتل کر دے گا جبکہ میری ماں اور بہن کو بھی تلاش کرکے انہیں ختم کردے گا۔"

"سہیل ....." ظفری سوچنے والے انداز میں بولا۔ "یہ وہی تو نہیں، جس کا انارکلی میں ہوٹل بھی ہے۔"

"ہاں وہی۔" شارق بولا۔ "میرے بچپن کا دوست ہے۔ میرے لئے اس نے بہت کچھ کیا ہے بہت نقصان اٹھایا ہے میری خاطر۔ میں اس کا احسان مند ہوں اور اب میری ہی وجہ سے حاجی نے اسے اغوا کیا ہے۔ اس موقع پر میں اسے اکیلا تو نہیں چھوڑ سکتا۔"

"فکر ہی مت کرد شارق باؤ۔" پپو بولا۔ "اگر سہیل باؤ کو کچھ ہوگیا تو حاجی سے ایسا بدلہ لیں گے کہ اس کی آنے والی کئی نسلیں یاد کریں گی۔"

"اس کے لئے ہم زیادہ انتظار نہیں کرسکتے۔" شارق بولا۔ "حاجی نے آدھی رات تک مہلت دی ہے اور ہمیں اس سے پہلے ہی کارروائی کرنی ہے۔"

"جو کہو گے ہم کریں گے شارق باؤ۔" ظفری نے کہا۔

"میرا خیال ہے حاجی کی سمن آباد والی کوٹھی پر گولیوں کا تھوڑا سا چھڑکاؤ کر دیا جائے۔ اس

کے لئے یہ وارننگ کافی ہوگی۔" شارق نے کہا۔

"صرف گولیوں کا چھڑکاؤ نہیں۔ میرے ذہن میں ایک اور تجویز ہے۔" پپو نے کہا اور پھر اپنی تجویز بتانے لگا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم دس بجے یہاں سے نکلیں گے۔ پپو! تم کھانا تیار کرلو۔ ہم سب کھانا کھا کر جائیں گے۔" شارق نے آخری الفاظ پپو کی طرف دیکھتے ہوئے کہے تھے۔

پپو اور اس کے ساتھ ظفری بھی کمرے سے نکل گیا۔

"یہ گاڑی کس کی ہے؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے ثمینہ کی طرف دیکھا۔

"چوری کی۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "گھر سے تو یہ سوچ کر نکلی تھی کہ کسی ٹیکسی یا رکشے پر یہاں آؤں گی۔ لیکن لبرٹی مارکیٹ کی طرف آتے ہوئے ایک کوٹھی کے سامنے یہ گاڑی کھڑی نظر آگئی۔ چابی بھی اگنیشن میں لگی ہوئی تھی۔ گلی میں کوئی نہیں تھا۔ میں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور گاڑی لے آئی۔"

"بہت اچھا کیا تم نے اس وقت ہمیں گاڑی کی ضرورت بھی تھی۔" شارق نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "ہم تمہیں مین روڈ پر کسی جگہ اتار دیں گے۔ تم ٹیکسی پر گھر چلی جانا۔ میں بعد میں کسی وقت آجاؤں گا۔"

"نہیں۔ میں بھی تمہارے ساتھ ہی رہوں گی۔" ثمینہ نے کہا۔

ثمینہ کا لہجہ کچھ ایسا تھا کہ شارق انکار نہ کرسکا۔

نو بجے انہوں نے کھانا کھالیا اور ٹھیک دس بجے وہ کوٹھی سے نکل گئے۔ شارق نے ثمینہ کے لئے بھی ایک رائفل نکال لی تھی۔ ان سب نے چادریں اوڑھ رکھی تھیں اور رائفلیں چادروں میں چھپی ہوئی تھیں۔ ثمینہ کی شمولیت کے بعد اس پروگرام میں کچھ تبدیلی کر دی گئی تھی۔

کار کے اسٹیئرنگ کے سامنے شارق اور ثمینہ اس کے برابر والی سیٹ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ پپو اور ظفری پچھلی سیٹ پر بیٹھے تھے۔ مین روڈ پر آنے کے بعد کار کو سیدھا لے جانے کے بجائے شارق نے اسے دائیں طرف ایک کچی سڑک پر موڑ دیا۔ اس طرح وہ یتیم خانے والے چوک پر آنے کے بجائے ایک مختصر سا چکر کاٹتے ہوئے شہری حدود میں داخل ہوگئے تھے۔ شارق اچھی طرح جانتا تھا کہ شہر میں جگہ جگہ چیکنگ ہو رہی ہوگی اور پھر یہ گاڑی بھی چوری کی تھی۔ چیکنگ کے دوران وہ کہیں بھی پھنس سکتے تھے۔ ثمینہ نے بتایا تھا کہ جب وہ اس طرف آرہی تھی تو سمن آباد موڑ پر اس کی گاڑی کو روکا گیا تھا، لیکن گاڑی میں اکیلی عورت کو دیکھ کر پولیس والوں نے کچھ پوچھے بغیر اسے جانے کی اجازت دے دی تھی۔

وہ ایک طویل چکر کاٹ کر پکی ٹھٹھی پہنچ گئے۔ اور پھر وہاں سے اس سڑک پر نکل آئے جس کی ایک گلی میں حاجی کی کوٹھی تھی۔ شارق نے کار اسی گلی میں موڑی۔ یہ گلی کافی کشادہ تھی۔ اس کے دونوں طرف کوٹھیاں تھیں اور ہر کوٹھی کے سامنے ایک مختصر لان بھی تھا۔

حاجی والی کوٹھی کے سامنے سفید رنگ کی ایک کار کھڑی تھی۔ کوٹھی کا گیٹ بند تھا لیکن گیٹ اور برآمدے کی بتیاں جل رہی تھیں۔ شارق اپنی کار کو ہلکی رفتار سے آگے لیتا چلا گیا۔ تقریباً بیس گز آگے جاکر اس نے کار دائیں طرف کی ایک اور گلی میں روک لی۔

"سمجھ گئیں نا تمہیں کیا کرنا ہے۔" شارق نے کار کا انجن بند کرکے ثمینہ کی طرف دیکھا۔

"کلاشنکوف مجھے دیدو اور یہ پستول اپنے پاس رکھ لو۔ اسے تم آسانی سے استعمال کرسکو گی۔ ہم اس گلی کے موڑ پر تمہارے سگنل کا انتظار کریں گے۔ اگر کوئی گڑبڑ ہو تو فائر کھول دینا۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ نے اپنی کلاشنکوف شارق کے حوالے کر دی اور اس کا پستول لے کر پتلون کے بیلٹ میں اڑس لیا۔ کار سے اتر کر اس نے ٹھیک طرح سے چادر اوڑھی اور حاجی کی کوٹھی کی طرف چلنے لگی۔

شارق بھی کار سے اتر کر دیوار کی آڑ میں کھڑا ہوگیا اور ثمینہ کی طرف دیکھنے لگا۔ ظفری اور پپو نے اپنی اپنی طرف کے دروازے کھول لئے تھے اور سیٹوں پر مستعد بیٹھے تھے۔ وہ ایک لمحہ کے نوٹس پر رائفلیں لے کر کار سے باہر آسکتے تھے۔

ثمینہ حاجی کی کوٹھی کے قریب پہنچ چکی تھی۔ اس نے ایک مرتبہ پیچھے مڑ کر دیکھا اور پھر کال بیل کا بٹن دبا دیا۔ گیٹ کا ذیلی دروازہ کھلنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ دروازہ کھولنے والا باہر نہیں آیا تھا۔ ثمینہ نے قدرے آگے جھک کر کوئی بات کی پھر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ اس کے ساتھ ہی ایک آدمی دروازے سے باہر آگیا۔ اس نے بھی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ شارق جانتا تھا کہ اس کی چادر کے نیچے بھی آٹومیٹک رائفل چھپی ہوئی تھی۔ اس نے گلی میں ادھر ادھر دیکھا اور پھر ثمینہ کو اشارہ کرتا ہوا دروازے میں داخل ہوگیا۔ ثمینہ بھی اس کے ساتھ ہی دروازے میں داخل ہوئی تھی اور پھر دروازہ بند ہوگیا۔

○

شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ اس نے ثمینہ کو بھیڑیوں کے بھٹ میں بھیج دیا تھا۔ یہ منصوبہ خود ثمینہ ہی نے بنایا تھا اور شارق نے پہلے تو اس کی مخالفت کی تھی۔ لیکن

پھر اسے ثمینہ کی بات ماننی ہی پڑی تھی۔ اس منصوبے کے مطابق ثمینہ حاجی کی کوٹھی میں داخل ہوتی۔ پہلے تو وہ اپنے آپ کو مظلوم ظاہر کرتی پھر اسلحہ کے زور پر کوٹھی کے چوکیدار کو قابو میں کرکے باہر موجود شارق وغیرہ کو سگنل دیدیتی اور وہ بھی اندر آجاتے اور اپنی کارروائی شروع کردیتے۔

دوسری طرف، کوٹھی کے گیٹ میں قدم رکھتے ہوئے ثمینہ کا دل کانپ رہا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ کوٹھی کے اندر قدم رکھنے کے بعد اس کی زندگی کی ضمانت نہیں دی جاسکتی تھی۔ وہ حاجی کے آدمیوں کو اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ انسان نہیں درندے تھے۔ انہیں اگر ذرا بھی شبہ ہوگیا تو وہ لوگ اسے چیر پھاڑ کر رکھ دیں گے۔ لیکن وہ ہر قسم کی صورتحال کا مقابلہ کرنے کو تیار تھی۔

جس شخص نے گیٹ کھولا تھا وہ اس کوٹھی کا چوکیدار رحمت تھا۔ پہلے ایک دو مرتبہ ثمینہ شارق کے ساتھ حاجی سے ملنے یہاں آئی تھی تو اس وقت بھی یہاں کا چوکیدار رحمت ہی تھا۔ وہ ثمینہ کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔ ثمینہ نے اسے بتایا تھا کہ وہ شارق کے شکنجے سے بھاگ کر آئی ہے اور حاجی کو ایک اہم اطلاع دینا چاہتی ہے۔ رحمت کو شاید کچھ شبہ ہوا تھا۔ اس نے باہر جھانک کر دیکھا بھی تھا۔ گلی میں دونوں طرف دور دور تک کوئی نہیں تھا اور شاید مطمئن ہوکر وہ ثمینہ کو اندر لے آیا تھا اور اندر آتے ہی اس نے دروازہ بند کردیا تھا۔

ثمینہ گیٹ میں داخل ہوکر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ برآمدے کے سامنے نیلے رنگ کی ایک چھوٹی کار کھڑی تھی۔ کوٹھی کے اندر بھی بعض کمروں میں روشنی ہورہی تھی۔

"حاجی صاحب اس وقت یہاں موجود ہیں کیا؟" ثمینہ نے رحمت کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ وہ چلے گئے ہیں۔ دس پندرہ منٹ پہلے آتیں تو ان سے تمہاری ملاقات ہو جاتی۔ لیکن حاجی صاحب کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم تو یہاں موجود ہیں۔ حاجی کو بھی اطلاع ہو جائے گی۔" رحمت نے جواب دیا۔

"یہ کار کس کی ہے اور باہر کس کی کار کھڑی ہے۔" ثمینہ نے پوچھا۔

"یہ کار تو یہیں رہتی ہے اور باہر حاجی کے منشی کی کار کھڑی ہے۔ حاجی کے بزنس کا سارا حساب کتاب الیاس کے پاس ہے۔ وہ حاجی کو اس ہفتے کا حساب دینے کے لئے ہی یہاں آیا تھا۔" رحمت نے کہا۔

وہ لوگ برآمدے میں پہنچ گئے تھے۔ رحمت نے دروازہ کھول دیا۔ پہلے ثمینہ اندر داخل

ہوئی اور پھر رحمت۔ اندر آکر رحمت نے یہ دروازہ بھی بولٹ کر دیا تھا۔ ثمینہ کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔

وہ ڈرائنگ روم میں آگئے۔ اندر لمبا تڑنگا ایک آدمی بیٹھا میز پر بکھرے ہوئے کاغذات سمیٹ رہا تھا۔ میز کے قریب ہی سیاہ رنگ کا ایک بریف کیس بھی کھلا پڑا تھا جس میں بڑے نوٹوں کی چند گڈیاں رکھی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ ثمینہ نے اس شخص کو پہچان لیا۔ وہ حاجی کا اکاؤنٹینٹ الیاس تھا۔

"الیاس باؤ۔ دیکھو یہ کون آیا ہے۔" رحمت نے دروازے کے قریب رک کر کہا۔ اس نے اپنی چادر اتار لی تھی اور اس کے کندھے پر لٹکی ہوئی کلاشنکوف صاف نظر آرہی تھی۔

الیاس نے سر اٹھایا اور ثمینہ کو دیکھ کر اچھل پڑا۔

"تم....."

"ہاں جی۔" ثمینہ نے اسے کچھ کہنے کا موقع نہیں دیا۔ "میں شارق کی قید سے بھاگ کر آئی ہوں اور اس کے بارے میں حاجی کو ایک اہم اطلاع دینا چاہتی ہوں۔ مجھے حاجی کے پاس لے چلو۔ یا اسے فون پر اطلاع دیدو۔"

"حاجی کو تو اطلاع بعد میں دی جائے گی۔ پہلے تمہیں میرے سوالوں کا جواب دینا ہوگا۔" الیاس اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔

"کیا پوچھنا چاہتے ہو۔" ثمینہ بولی۔ اس نے اپنی اندرونی کیفیت پر بڑی حد تک قابو پالیا تھا۔

"تمہارا اور شارق کا ساتھ تو بڑا پرانا ہے۔ تم نے شارق کے ساتھ مل کر بڑی بڑی کارروائیاں کی ہیں۔ ماجھا گجر کی پارٹی کو ختم کرنے میں شارق سے زیادہ تمہارا ہاتھ ہے۔ ایسی مثالیں میرے سامنے موجود ہیں جب تم نے شارق کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دی تھی۔ لیکن اب اچانک شارق کا ساتھ چھوڑ دینے کا کیا مطلب ہے۔ کہیں تم کوئی چال تو نہیں چل رہیں؟"

"اگر کوئی چال ہوتی تو میں اکیلی یہاں نہ آتی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "اور جہاں تک شارق کا ساتھ چھوڑنے کی بات ہے تو میں صرف یہی کہوں گی کہ شارق انسان نہیں بھیڑیا ہے۔ اس نے پہلے مجھے برباد کیا اور اب میری بہن کو بھی برباد کرنا چاہتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کچھ ایسی باتیں ہیں جو ہمارے درمیان اختلاف کا باعث بنیں۔ اس لئے ہم دونوں میں جھگڑا ہوگیا۔ اس نے مجھے سمن آباد ہی کے ایک مکان میں قید کردیا تھا۔ آج موقع ملا تو میں وہاں سے بھاگ نکلی۔"

"بہت خوب۔" الیاس نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ تمہیں پولیس کے پاس جانا چاہئے تھا۔ یہاں آنے کا اصل مقصد بتاؤ۔"

"اگر میں پولیس کے پاس جاتی تو مجھے بھی گرفتار کرلیا جاتا کیونکہ میرے خلاف بھی بہت سے کیسز ہیں۔ میں بہت سوچ سمجھ کر یہاں آئی ہوں۔ جب شارق کو پتا چلے گا کہ میں بھاگ گئی ہوں تو وہ مجھے تلاش کرکے قتل کرنے کی کوشش کرے گا۔ لیکن حاجی کے پاس مجھے پناہ مل جائے گی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "شارق اتنا خوفناک نہیں ہے جتنی اس کی دہشت پھیلی ہوئی ہے۔ میں اس کے بہت سے راز جانتی ہوں۔ حاجی کو جب ان باتوں کا پتا چلے گا تو وہ بہت خوش ہوگا۔"

"لیکن حاجی سے پہلے تمہیں ہم دونوں کو خوش کرنا ہوگا۔" الیاس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ "حاجی تمہاری باتوں پر یقین نہیں کرے گا۔ وہ بہت گھاگ آدمی ہے۔ لیکن اگر تم مجھے خوش کردوگی تو میں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ حاجی تمہیں اپنی پناہ میں لے لے گا۔ صرف آج کی رات..... صبح میں تمہیں حاجی کے سامنے پیش کردوں گا۔"

"نہیں۔ پہلے حاجی کو میرے بارے میں اطلاع دیدو۔" ثمینہ بولی۔

"اپنے حسن و شباب کی شراب کا صرف ایک گھونٹ پلا دو۔ اس کے بعد سب کچھ میں سنبھال لوں گا۔" الیاس اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔ "اگر یہ کام راضی خوشی ہو جائے تو بہتر ہے۔ ورنہ تم جانتی ہو کہ اب وہی ہوگا جو میں چاہوں گا۔"

"نہیں۔ تم ایسا نہیں کرو گے۔ میں حاجی سے تمہاری شکایت کردوں گی۔"

ثمینہ دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات ابھر آئے تھے۔

"حاجی سے شکایت تو تم اس وقت کرو گی جب تم زندہ اس کے سامنے جاؤ گی۔" الیاس نے کہا۔ "حاجی کا حکم ہے کہ تمہیں اور شارق کو دیکھتے ہی گولی سے اڑا دیا جائے۔ حاجی کو زیادہ خوشی تمہاری لاش دیکھ کر ہوگی۔ تمہیں زندہ دیکھ کر نہیں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر رحمت کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "رحمت! وہاں کھڑے کیا دیکھ رہے ہو۔ آگے بڑھ کر اس کی چادر اتار دو۔"

"ابھی لو الیاس باؤ۔" رحمت نے کلاشنکوف کندھے سے اتار کر دروازے کے قریب دیوار سے لگا کر کھڑی کردی۔ "ایسے مواقع تو کبھی کبھی ہی ملتے ہیں الیاس باؤ۔"

وہ نپے تلے قدم اٹھاتا ہوا ثمینہ کی طرف بڑھنے لگا۔ اتنی دیر کی گفتگو کے بعد ثمینہ نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ اس وقت کوٹھی میں ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا اور کسی اور کے آنے کی توقع بھی نہیں تھی۔ وہ سہمے سہمے سے انداز میں قدم اٹھاتی ہوئی پیچھے ہٹنے لگی اور بالآخر ایک جگہ رک گئی۔ پیچھے صوفہ تھا۔ رحمت کے ساتھ اب الیاس بھی آگے بڑھ رہا تھا۔ ان دونوں کی

آنکھوں میں ہوس چمک رہی تھی۔ الیاس تو ایک جگہ رک گیا اور رحمت بدستور آگے بڑھتا رہا۔

"تم تو لوگوں کے لئے ہوا بنی ہوئی تھیں۔" رحمت اس کے سامنے رک کر بولا۔ "لیکن اب معلوم ہوا کہ تمہارے نام کی صرف دہشت ہی تھی۔ تم میں تو اتنی ہمت بھی نہیں کہ اپنا بچاؤ کرسکو۔ آخر عورت ہو نا۔"

رحمت چند لمحے خاموش کھڑا ثمینہ کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے اچانک ہی ہاتھ بڑھا کر ثمینہ کی چادر کھینچ لی۔ ثمینہ نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی اس نے دونوں ہاتھ کولہوں پر رکھ لئے اور باری باری دونوں کی طرف دیکھنے لگی۔ صرف ایک سیکنڈ میں اس میں زمین و آسمان کا فرق آگیا تھا۔ ایک سیکنڈ پہلے وہ سہمی سہمی ڈری ہوئی اور خوفزدہ تھی لیکن اب بڑے پر اعتماد انداز میں کولہوں پر ہاتھ رکھے کھڑی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ الیاس نے اس کی جینز کی بیلٹ میں اڑسا ہوا وہ پستول دیکھ لیا تھا۔ رحمت کی نظریں بھی پستول پر جمی ہوئی تھیں۔ ان دونوں کے چہرے دھواں ہوگئے تھے۔

"د..... دھوکہ....." الیاس ہکلا گیا اور خوفزدہ انداز میں الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگا۔

"کیا تم لوگوں نے ثمینہ کو اتنا ہی کمزور سمجھ لیا تھا کہ وہ آسانی سے تمہارے ہاتھ آجاتی۔" ثمینہ نے کہتے ہوئے پستول ہاتھ میں لے لیا۔ "ثمینہ کا نام آج بھی دہشت کی علامت ہے اور جیسے بزدل تو نام سنتے ہی تھرتھر کانپنے لگتے ہیں۔ خبردار! اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرنا ورنہ گولی دوں گی اور اس پستول کی گولی تمہیں زخمی نہیں کرے گی تمہارے جسم کے چیتھڑے اڑا دے گی۔"

"ہا..... ہا..... ہم بے قصور ہیں ثمینہ بی بی۔" الیاس ہکلایا۔ "ہماری تم سے کوئی دشمنی نہیں ہے۔ ہم حاجی کے ملازم ہیں اور اس کا حکم ماننے پر مجبور ہیں مجھے معاف کر دو میری بہن۔"

"بہن۔" ثمینہ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "حاجی کے حکم کے بغیر تم مجھ سے کیا کرنے جا رہے تھے۔ اگر حاجی تمہیں اپنی بہن کے ساتھ ایسا کرنے کا حکم دے تو کیا تم اس حکم کی تعمیل کرو گے؟" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بولی۔ "شاید تم ایسا بھی کر گزرو۔ اس لئے کہ تم لوگ غیرت ہو۔ اپنی غیرت اور عزت تو تم حاجی جیسے لوگوں کے ہاتھ بیچ چکے ہو۔ لیکن اب حاجی کو بھول جاؤ۔ وہ تمہیں نہیں بچاسکتا۔ تم دونوں اس طرف آکر کھڑے ہو جاؤ۔ دیوار کی طرف کرکے اور دونوں ہاتھ دیوار پر رکھ لو۔ جلدی کرو۔ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

وہ دونوں دیوار کی طرف منہ کرکے کھڑے ہوگئے۔ دونوں نے ہاتھ سروں سے اوپر دیوار کے ساتھ ٹکا دیئے تھے۔ ثمینہ نے آگے بڑھ کر پہلے رحمت کا لباس ٹٹولا۔ اس کے پاس

نہیں تھا۔ البتہ الیاس کی پتلون کی جیب میں پستول موجود تھا جسے ثمینہ نے نکال لیا۔

ثمینہ الٹے قدموں چلتی ہوئی باہر کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے قریب پہنچ گئی۔ اس نے پردہ ہٹا کر کھڑکی کا ایک پٹ کھول دیا اور بائیں ہاتھ کی دو انگلیاں منہ میں ڈال کر زور دار سیٹی بجائی۔

صرف دو منٹ بعد شارق اور اس کے ساتھی حاجی کی کوٹھی کے ڈرائنگ روم میں موجود تھے۔ وہ باہر کی دیوار پھاند کر آئے تھے۔ شارق کو دیکھ کر الیاس اور رحمت تھرتھر کانپنے لگے۔

"حاجی اس وقت کہاں ہوگا؟" شارق نے الیاس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ ماڈل ٹاؤن والی کوٹھی گیا ہے۔ اس کے کچھ غیر ملکی مہمان آئے ہوئے ہیں جو اس کوٹھی میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔" الیاس نے کانپتے ہوئے جواب دیا۔

"وہاں کا فون نمبر بتاؤ۔" شارق بولا۔ الیاس نے فون نمبر بتا دیا۔

شارق نے قریب رکھے ہوئے فون کا ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے فوراً ہی کال ریسیو کرلی گئی۔

"حاجی سے بات کراؤ۔" شارق ماؤتھ پیس میں بولا۔

"حاجی صاحب ابھی ابھی کوٹھی میں داخل ہوئے ہیں اور مہمانوں سے بات کر رہے ہیں۔ آپ کون بول رہے ہیں۔" دوسری طرف سے جواب ملا۔

"شارق۔" شارق بولا۔ "اس بوڑھے شیطان سے کہو کہ شارق بات کرے گا۔"

دوسری طرف خاموشی چھا گئی اور پھر یوں لگا جیسے ریسیور الگ رکھ دیا گیا تھا۔ شارق اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگا۔ ظفری نے رحمت کو باندھ کر ڈال دیا تھا اور اب الیاس کو زمین پر گرا کر باندھ رہا تھا جبکہ پچو برآمدے کے سامنے کھڑی ہوئی گاڑی سے پٹرول نکال کر کوٹھی میں ادھر ادھر چھڑک رہا تھا۔

"ہیلو، کون بول رہا ہے۔" ریسیور سے ابھرنے والی آواز شارق کی سماعت سے ٹکرائی۔ اسے حاجی کی آواز شناخت کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔

"میں شارق بول رہا ہوں پاجی۔ میری بات غور سے سنو۔" شارق نے کہا۔ "تم نے مجھے مروانے کی جو سازش کی تھی اس کی بات میں بعد میں کسی وقت کروں گا۔ لیکن تم نے میری عدم موجودگی میں میری ماں اور بہن کے ساتھ جو سلوک کیا تھا وہ میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ اس کا حساب بھی تمہارے ساتھ بعد میں کسی وقت ہوگا۔ لیکن اس وقت میں نے تمہیں اس لئے فون کیا ہے کہ تم نے میرے جس دوست کو اٹھوایا ہے اس کا میرے معاملات سے کوئی تعلق نہیں ہے وہ بالکل بے گناہ ہے۔ میں تمہیں تنبیہہ کر رہا ہوں حاجی کہ اگر سہیل کو کوئی نقصان پہنچا تو

تمہارے خاندان کے ایک ایک فرد کو چن چن کر ختم کردوں گا۔ اس وقت تمہارا اکلوتا شٹ الیاس میرے قبضے میں ہے۔ یہ رشتے میں تمہارا سالا بھی ہوتا ہے۔ اگر سہیل دو گھنٹوں میں اپنے ہوٹل واپس نہ پہنچا تو صبح ہونے سے پہلے تمہیں الیاس کی لاش مل جائے گی۔"

"کیا بکواس کر رہے ہو تم۔" ریسیور پر حاجی کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔ "تم مجھے دھمکی دے رہے ہو۔ میں تم جیسے کیڑوں کو مسل کر رکھ دوں گا۔"

"شاید تمہیں میری بات کا یقین نہیں آرہا۔ لو..... خود ہی الیاس سے بات کرلو۔" شارق نے کہتے ہوئے جھک کر ریسیور الیاس کے کان سے لگا دیا۔

"حاجی..... جی۔" الیاس کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔ "ثمینہ اور شارق نے کوٹھی پر قبضہ کرلیا ہے۔ ہمیں بھی باندھ کر رکھا ہوا ہے۔ انہوں نے پوری کوٹھی میں پیٹرول چھڑک دیا ہے اور....."

شارق نے ریسیور الیاس کے کان سے ہٹالیا اور سیدھا ہوتے ہوئے خود ماؤتھ پیس میں بولا۔ "اب تو تمہیں یقین آگیا ہوگا کہ میں خالی پیلی دھمکی نہیں دے رہا۔ میں دو منٹ میں الیاس کو لے کر یہاں سے نکل رہا ہوں۔ البتہ رحمت کو یہیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ تمہارے آنے تک رحمت سمیت یہ کوٹھی راکھ کا ڈھیر بن چکی ہوگی اور دو گھنٹے بعد اگر سہیل صحیح سلامت اپنے ہوٹل واپس نہ پہنچا تو صبح تمہیں الیاس کی لاش بھی مل جائے گی اور اس کے بعد تمہارے دوسرے رشتے داروں کی باری آئے گی۔"

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا شارق۔" حاجی فون پر چیخا تھا۔

شارق نے ریسیور پٹخ دیا اور پپو کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "باہر جو نیلی گاڑی کھڑی ہے اس میں کچھ پیٹرول بچا بھی ہے یا نہیں۔"

"اس گاڑی میں اتنا پیٹرول موجود ہے کہ ہم اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے۔" پپو نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" شارق بولا۔ "الیاس کا منہ بھی باندھ دو اور اسے اٹھا کر کوٹھی کے باہر کھڑی ہوئی سفید گاڑی کی ڈکی میں ڈال دو جلدی کرو۔ ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

ظفری نے الیاس کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر اسے کندھے پر لاد لیا اور باہر کی طرف چل پڑا۔ میز پر بکھرے ہوئے کاغذات کے ساتھ گاڑی کی چابیاں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ شارق نے چابیوں کا گچھا اٹھایا پھر اس کی نظریں کھلے ہوئے بریف کیس کی طرف اٹھ گئیں۔ اس نے نوٹوں کے بنڈل اٹھا کر پپو کی طرف بڑھا دیئے۔

"یہ اپنے پاس رکھ لو۔ کام آئیں گے۔"

پپو نے نوٹوں کے بنڈل پتلون کی جیبوں میں ٹھونس لئے اور شارق سے چابیوں کا گچھا جھپٹ کر باہر دوڑا۔

باہر جاکر اس نے گیٹ کھولا پھر سفید گاڑی کی ڈکی کھول دی اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے ظفری کو اشارہ کیا۔ ظفری تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا باہر آگیا اور الیاس کو ڈکی میں ٹھونس کر ڈھکنا بند کردیا۔ وہ جب دوبارہ گیٹ میں داخل ہوا تو شارق اور ثمینہ کمرے سے نکل کر برآمدے میں پہنچ چکے تھے ثمینہ نے پھر چادر اوڑھ لی تھی۔

"یہ گاڑی نکالو۔ جلدی کرو۔" شارق نے ظفری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور اس نے سفید گاڑی کی چابیوں کا گچھا لے کر ثمینہ کی طرف بڑھا دیا۔ "تم باہر جاکر گاڑی اسٹارٹ کرو۔ میں آرہا ہوں۔"

ثمینہ باہر کی طرف لپکی۔ پپو گیٹ پوری طرح کھول چکا تھا۔ ظفری نے نیلی گاڑی باہر نکال لی۔ اس دوران ثمینہ بھی سفید گاڑی کا انجن اسٹارٹ کرچکی تھی۔ کوٹھی کے ڈرائنگ روم سے رحمت کی چیخوں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ شارق کوٹھی سے نکل کر ثمینہ کے ساتھ سفید گاڑی میں بیٹھ گیا۔

"پپو۔" شارق نے قریب کھڑے ہوئے پپو کو مخاطب کیا۔ "تیلی لگا دو اور تم دونوں اپنے اڈے پر پہنچ جاؤ۔ میں آج رات وہاں نہیں آؤں گا۔"

"ٹھیک ہے استاد۔" پپو نے کہتے ہوئے جیب سے ماچس نکال لی اور دوڑتا ہوا برآمدے میں پہنچ گیا۔

برآمدے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ آگے راہداری میں قالین بچھا ہوا تھا۔ جس پر پیٹرول چھڑکا جاچکا تھا۔ پپو نے ماچس کی تیلی جلا کر اندر اچھال دی۔ قالین نے فوراً ہی آگ پکڑلی۔ پپو دوڑ کر باہر نکلا اور نئی گاڑی میں بیٹھ گیا۔ ظفری فوراً ہی گاڑی کو حرکت میں لے آیا تھا۔

ثمینہ نے بھی جھٹکے سے گاڑی آگے بڑھا دی۔ دونوں گاڑیاں گلی میں مخالف سمتوں میں نکلی تھیں۔ سڑک کی طرف مڑنے سے پہلے شارق نے پیچھے مڑکر دیکھا۔ حاجی کی کوٹھی سے شعلے بلند ہونے لگے تھے۔ پوری کوٹھی میں پیٹرول چھڑکا ہوا تھا جس نے فوراً ہی آگ پکڑلی تھی۔

دو تین سڑکوں پر گھومنے کے بعد وہ مین روڈ پر نکلے ہی تھے کہ اچانک ہی بائیں طرف سے آنے والی پولیس کی ایک گاڑی نے ان کا راستہ روک لیا۔ ثمینہ کو بھی کار روکنی پڑی۔ شارق نے سرگوشی میں اس سے کچھ کہا اور سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں۔

دو تین پولیس والے گاڑی سے اتر کر ان کی طرف بڑھے۔ سب کے ہاتھوں میں رائفلیں

تھیں۔ ان میں ایک ہیڈ کانسٹیبل تھا۔ وہ ثمینہ والی طرف آگیا۔

"کیا بات ہے حوالدار جی۔" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہمیں کچھ خطرناک مجرموں کی تلاش ہے۔ ان میں ایک عورت بھی ہے۔" ہیڈ کا نے کہا اور شارق کی طرف دیکھنے لگا۔ "یہ کون ہے ؟"

"میرا شوہر ہے۔ دل کا دورہ پڑا ہے۔ میں اسے اسپتال لے جا رہی ہوں۔ اگر ہم شبہ ہے تو اپنا ایک آدمی میری گاڑی میں بٹھا دو۔ اسپتال پہنچ کر ہم سے جو پوچھنا ہے پوچھ اگر دیر ہوگئی تو میرے شوہر کی موت بھی واقع ہوسکتی ہے اور اس کی ذمہ داری تم پر ہوگی۔"

ہیڈ کانسٹیبل نے ایک بار پھر باری باری دونوں کی طرف دیکھا۔

"جاؤ بی بی جاؤ .... اپنے شوہر کو ہمارے کھاتے میں نہ ڈالو۔" ہیڈ کانسٹیبل پیچھے ہٹتے بولا۔

"شکریہ۔" ثمینہ نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ "احمق کہیں کے۔" وہ شارق کی طرف بڑبڑائی۔

"کیا کہا ..... میں احمق ہوں۔" شارق ایک جھٹکے سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"تمہیں نہیں۔ ان پولیس والوں کو احمق کہا تھا۔" ثمینہ نے رفتار بڑھاتے ہوئے دیا۔

"اگر پولیس مین احمق نہ ہوتے تو ہم جیسے لوگوں کا کام کیسے چلتا۔" شارق نے سیدھا بیٹھتے ہوئے کہا۔ "وہ جانتے ہیں کہ جن مجرموں کی انہیں تلاش ہے ان میں ایک عورت بھی ہے۔ ان میں اگر ذرا بھی عقل ہوتی تو گاڑی کو چیک کرتے۔ تم سے ایسے سوال کرتے پریشان ہو جاتیں لیکن وہ تمہاری باتوں میں آگئے اور مزید کوئی سوال کئے بغیر تمہیں جا اجازت دے دی۔"

"اطمینان رکھو۔" ثمینہ نے کہا۔ "چیکنگ تو پورے شہر میں ہو رہی ہوگی۔ ہمیں کس جگہ بھی روکا جاسکتا ہے اور وہاں شاید ہماری یہ ترکیب کامیاب نہ ہوسکے۔"

"دیکھا جائے گا۔" شارق نے کہا۔ "بعض اوقات پہلے سے سوچے ہوئے منصوبے دھرے رہ جاتے ہیں اور موقع پر جو بات سوجھ جائے کام آجاتی ہے۔"

ثمینہ اس مرتبہ خاموش رہی۔ اس کی تمام تر توجہ ڈرائیونگ کی طرف تھی۔ گاڑی سڑکوں پر گھومتی ہوئی گلبرگ کی طرف نکل آئی اور یہ اتفاق تھا کہ گلبرگ نہر کے پل پر فو والے چوک کے قریب انہیں ایک پولیس پارٹی نے روکا تھا اور یہاں بھی وہی ترکیب کام آئی

ثمینہ نے پولیس والوں کو بتایا تھا کہ اس کے شوہر پر دل کا دورہ پڑا ہے اور وہ اسے اسپتال لے جا رہی ہے۔ پولیس والوں نے اسے جانے کی اجازت دے دی تھی۔ ویسے شارق اس مرتبہ اپنے آپ کو تیار کئے بیٹھا تھا۔ اگر کوئی گڑبڑ ہوتی تو وہ فوراً ہی حرکت میں آجاتا۔

"اس طرف کہاں جا رہی ہو؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے ثمینہ کی طرف دیکھا۔

"تمہاری عدم موجودگی میں تھوڑا سا کام میں نے بھی کیا ہے۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "کل صبح میں لبرٹی مارکیٹ گئی تھی۔ سبزی والی دکان پر ایک گتے پر لکھا ہوا تھا کہ ایک کوٹھی کرائے پر خالی ہے۔ اس سبزی والے کا بھائی مالی ہے جو مختلف کوٹھیوں میں کام کرتا ہے۔ اس علاقے میں کوئی مکان یا کوٹھی خالی ہوتی ہے تو وہ مالک سے بات کرکے اپنے بھائی کو بتا دیتا ہے جو گتے پر لکھ کر دکان پر لگا دیتا ہے۔ اس طرح انہیں چار پیسے مل جاتے ہیں۔ میں نے سبزی والے کے ساتھ جاکر وہ کوٹھی دیکھی تو مجھے پسند آگئی۔ کوٹھی پسند آنے کی ایک بڑی وجہ کوٹھی کے نیچے واقع تہ خانہ ہے۔ میں نے مالک سے بات کرکے وہ کوٹھی کرائے پر حاصل کرلی ہے۔ مزے کی بات یہ کہ وہ کوٹھی ڈیکوریٹڈ ہے۔ فرنیچر اور ضرورت کی دیگر بہت سی چیزیں بھی موجود ہیں۔ اس وقت میں تمہیں وہیں لے جا رہی ہوں۔"

"یہ تو تم نے واقعی عقلمندی کا کام کیا ہے۔" شارق نے کہا۔

"اگر یہ عقلمندی کا کام نہ کرتی تو اس وقت ہمارے لئے ایک مسئلہ پیدا ہوچکا ہوتا۔" ثمینہ نے کہا۔ "ڈکی میں رکھے ہوئے سامان کو ٹھکانے لگانا مشکل ہو جاتا۔ اسے گھر تو لے جا نہیں سکتے تھے۔ ماں جی پریشان ہو جاتیں۔"

"ویسے تو اس قسم کا سامان رکھنے کے لئے ملتان روڈ والی حویلی موجود ہے۔ لیکن ایسی صورتحال میں جبکہ جگہ جگہ چیکنگ ہو رہی ہو شہر سے باہر نکلنا بہت مشکل ہو جاتا۔ شہر سے باہر جانے والے راستوں پر تو بڑی سخت چیکنگ ہو رہی ہے۔ ہمیں کسی دوسری جگہ کی ضرورت تھی۔ تم نے اس کا انتظام کرلیا۔ بہت اچھا ہوا۔ لیکن کیا اس کوٹھی میں ٹیلی فون بھی ہے۔"

"ہاں۔ میں نے ہر چیز کا جائزہ لینے کے بعد ہی کوٹھی کرائے پر لی ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

کار مختلف گلیوں میں گھومتی ہوئی ایک کوٹھی کے گیٹ کے سامنے رک گئی۔ گلی کافی کشادہ تھی۔ دونوں طرف کوٹھیاں تھیں، جن کی دیواریں کافی اونچی تھیں۔ اس کوٹھی کی دیوار بھی خاصی اونچی تھی۔ ثمینہ نے کار کا انجن چلتا چھوڑ دیا اور نیچے اتر گئی۔ اس نے جینز کی جیب سے چابیوں کا گچھا نکالا۔ ایک چابی منتخب کرکے گیٹ کھولا اور دوبارہ کار میں آکر بیٹھ گئی۔ کار اندر داخل ہو کر رکی

تو شارق نے نیچے اتر کر گیٹ بند کردیا۔ ثمینہ نے کار کوٹھی کی عمارت کے دائیں طرف گیراج کے گیٹ کے سامنے روکی تھی۔ شارق جب باہر کا گیٹ بند کرکے واپس آیا تو ثمینہ کار کو گیراج میں لے جاچکی تھی۔

شارق بھی گیراج میں داخل ہوگیا۔ گیراج کے اندر بھی ایک دروازہ تھا۔ جو بند تھا۔ ثمینہ شارق کو اشارہ کرتی ہوئی باہر آگئی۔ وہ تو برآمدے والے دروازے کا تالا کھولنے لگی اور شارق ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ برآمدے کے سامنے ایک وسیع پورچ تھا۔ سامنے ایک بہت بڑا لان تھا۔ لان کو دیکھ کر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ اس کی باقاعدگی سے دیکھ بھال ہوتی رہی ہے۔

"آؤ .... اندر آؤ۔"

ثمینہ کی آواز سن کر شارق اس کی طرف مڑ گیا اور وہ دونوں اندر داخل ہوگئے۔

یہ کوٹھی پانچ چھ کمروں پر مشتمل تھی۔ ہر کمرے میں اولپیا کارپٹ بچھے ہوئے تھے۔ چار بیڈ رومز تھے جن میں بیڈ بھی بچھے ہوئے تھے۔ ڈرائنگ روم خاصا وسیع تھا۔ اس میں فرنیچر بھی آراستہ تھا۔ ٹیلی فون کا ایک سیٹ ڈرائنگ روم میں رکھا ہوا تھا اور دوسرا شارق نے ایک بیڈ روم میں دیکھا تھا۔

وہ ڈرائینگ روم سے ہوتے ہوئے ایک اور کمرے میں آگئے۔ اس کمرے میں قالین نہیں تھا۔ فرش پر چکنائی وغیرہ کے دھبے نظر آرہے تھے اور پیٹرول کے خالی ڈبے' موٹر کے دو تین ناکارہ ٹائر اور ٹیوبیں اور ایسی چیزیں بکھری ہوئی تھیں جن کا تعلق موٹروں ہی سے ہوسکتا تھا۔ کمرے کے ایک کونے میں چار مربع فٹ کا ایک تختہ رکھا ہوا تھا جو فرش کے لیول کے برابر تھا۔

"یہ تہ خانے کا راستہ ہے۔" ثمینہ نے تختہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

نیچے سیڑھیاں تھیں۔ ثمینہ نے تختہ ایک طرف کھڑا کرکے دیوار پر لگے ہوئے سوئچ بورڈ پر ایک سوئچ آن کر دیا۔ سیڑھیوں پر روشنی ہوگئی۔

"اور یہ دروازہ گیراج میں کھلتا ہے۔" وہ دائیں طرف بڑھ گئی اور دروازہ کھول دیا۔ "آؤ ..... اب سامان کو تہہ خانے میں پہنچا دیں۔"

دونوں گیراج میں آگئے۔ ثمینہ نے پہلے گیراج کے گیٹ کا اندر سے کنڈا لگایا اور پھر کار کی ڈکی کھولی دی۔ الیاس ڈکی میں بے حس و حرکت پڑا تھا۔

"یہ کم بخت مرتو نہیں گیا۔" شارق نے جھک کر اس کے منہ سے کپڑا نکال دیا۔

"اس جیسے بے غیرت آسانی سے نہیں مرا کرتے۔" ثمینہ نے کہا۔ "بے ہوش ہوگیا ہوگا۔ اسے اٹھا کر تہ خانے میں لے چلو۔"

"جو حکم سرکار۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا اور جھک کر الیاس کو ڈکی میں سے نکال کر کندھے پر لاد لیا۔

تہ خانے کی سیڑھیاں اترتے ہوئے ثمینہ آگے تھی اور شارق پیچھے سیڑھیوں کے اختتام پر ایک بہت بھاری اور مضبوط دروازہ تھا جس کا صرف کنڈا لگا ہوا تھا۔ ثمینہ نے کنڈا کھول دیا۔

تہ خانہ خاصا کشادہ تھا۔ ایک بڑا ہال کمرہ تھا جس میں ایک طرف ٹوٹے ہوئے فرنیچر اور دیگر کاٹھ کباڑ کا انبار لگا ہوا تھا۔ دائیں طرف دو کمرے تھے۔ دونوں کمروں میں چارپائیاں پڑی تھیں۔

ثمینہ تہ خانے میں داخل ہونے کے بعد بتیاں جلاتی آئی تھی۔ ایک کمرے میں داخل ہوکر شارق نے کندھے پر لدے ہوئے الیاس کو جھلنگا سی چارپائی پر پٹخ دیا اور جھک کر اس کی نبض دیکھنے لگا۔

"تم نے ٹھیک کہا تھا۔" وہ سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔ "ایسے بے غیرت لوگ آسانی سے نہیں مرا کرتے .... یہ بے غیرت بھی زندہ ہے۔ چلو۔ اب اوپر چلو۔"

وہ تہ خانے سے باہر آگئے۔ شارق نے دروازہ بند کرکے کنڈا چڑھا دیا تھا۔ سیڑھیوں سے اوپر آکر اس نے تختہ بھی فرش کی خلا پر رکھ دیا۔

"کچھ کھاتے پینے کو ملے گا؟" شارق نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"صرف چائے مل سکتی ہے اس وقت۔" ثمینہ نے کہا۔ "میں نے لیکویڈ ملک کے دو ڈبے اور پتی چینی وغیرہ لاکر رکھ دی تھی۔ کل دوسری چیزیں بھی لانی پڑیں گی۔"

وہ دونوں باتیں کرتے ہوئے کچن میں آگئے۔ ثمینہ نے برشین گیس کا چولہا جلایا اور چائے بنانے لگی۔ کچھ دیر بعد وہ دونوں چائے کے کپ لئے ڈرائنگ روم میں آگئے۔

"تمہارا کیا خیال ہے۔ حاجی سہیل کو چھوڑ دے گا۔" ثمینہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"کچھ کہا نہیں جاسکتا۔" شارق چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے بولا۔ "وہ دولت کا پجاری ہے۔ انسانی اقدار اور خونی رشتوں کی اس کی نظروں میں کوئی اہمیت نہیں ہے۔ لیکن ایک فیصد امکان اس بات کا ہے کہ وہ الیاس کو بچانے کی کوشش کرے گا۔ اس کے ساتھ بارگیننگ کی جاسکتی ہے۔ الیاس رشتے میں اس کا سالہ ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے وہ ہمارے دباؤ میں آجائے۔"

"دباؤ میں تو اس صورت میں آسکتا ہے جب اس کی بیوی کو پتا چلے کہ الیاس کی زندگی خطرات سے دوچار ہے۔" ثمینہ بولی۔

"ہاں۔ اس صورت میں سہیل کی زندگی کو بھی خطرہ ہوسکتا ہے۔" شارق بولا۔ "لیکن اگر

سہیل کو کچھ ہوگیا تو میں حاجی سے بڑا خوفناک انتقام لوں گا۔ میں نے اسے دو گھنٹوں کی مہلت دی تھی۔ یہ دو گھنٹے پورے ہو جائیں تو میں ہوٹل فون کرکے سہیل کے بارے میں معلوم کرلوں گا۔"

چائے پینے کے بعد وہ ثمینہ کے ساتھ گھوم پھر کر کوٹھی کا معائنہ کرنے لگا ثمینہ نے یہ کوٹھی کرائے پر لے کر واقعی بڑی عقلمندی کا کام کیا تھا۔ ان کے مقاصد کے لئے یہ کوٹھی ہر لحاظ سے بے حد موزوں تھی۔ شارق نے طے کرلیا تھا کہ اس کوٹھی کو اپنے خفیہ ٹھکانے کے طور پر استعمال کرے گا اور کسی اور کو بھی اس کے بارے میں پتا نہیں چلنے دے گا۔

"یہ ظفری اور پپو کون ہیں ؟" ثمینہ نے پوچھا۔ وہ دونوں ڈرائنگ روم میں واپس آگئے تھے۔

"دونوں وفادار اور قابلِ اعتماد ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "مجھے حاجی کے خلاف کارروائی کے لئے آدمیوں کی ضرورت تھی۔ میں نے موجو سے رابطہ قائم کیا۔ ان دونوں کو وہی لے کر آیا تھا لیکن وہ خود ہمارے ساتھ نہیں رہا۔"

"کیا مطلب ؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تیزاب احاطے کے علاقے میں وہ پولیس مقابلے میں مارا گیا تھا۔" شارق نے بتایا۔ "اس نے ہم لوگوں کو نکل جانے کا موقع فراہم کرکے اپنی جان دے دی۔ ظفری اور پپو بھی اس کی طرح وفادار ہیں۔ یہ اپنی جان تو دے سکتے ہیں لیکن ہمارے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کریں گے۔"

"ایک بات اور پوچھنا چاہتی ہوں۔" ثمینہ بولی۔ "شاہ پری کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے۔ وہ فیصل آباد سے کب آئے گی ؟ یہ کوٹھی میں نے اسی کے نام سے کرائے پر لی ہے۔ میرا خیال ہے اب اسے آجانا چاہئے۔"

"میں کل ہی طفیل کو فیصل آباد بھیج دیتا ہوں تاکہ وہ شاہ پری کو یہاں لے آئے۔" شارق نے کہا اور گھڑی دیکھنے لگا۔ حاجی کو دی ہوئی مہلت میں ابھی آدھا گھنٹہ باقی تھا۔

اور پھر ٹھیک دو گھنٹے گزر جانے کے بعد شارق نے فون کا ریسیور اٹھایا اور سہیل کے ریسٹورنٹ کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ کال فوراً ہی ریسیو کرلی گئی۔ شارق نے رشید کی آواز فوراً ہی پہچان لی تھی لیکن پس منظر میں کچھ اور آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ یہ آوازیں سن کر شارق کا ماتھا ٹھنکا تھا۔

"ہیلو رشید۔" شارق جلدی سے بولا۔ "یہ شور کی آوازیں کیسی ہیں ؟"

"غضب ہوگیا شارق باؤ۔" ریسور پر رشید کی آواز سنائی دی۔ اس نے بھی شارق کی آواز پہچان لی تھی۔ "تقریباً پندرہ منٹ پہلے کچھ لوگ ریسٹورنٹ کے سامنے اپنے سہیل باؤ کو پھینک

ہیں اس وقت میں ریسٹورنٹ بند کرچکا تھا۔ گاڑی کی آواز سن کر باہر نکلا تو سہیل باؤ دروازے سامنے پڑے تھے۔ انہیں قتل کر دیا گیا ہے شارق باؤ..... میں یتیم ہوگیا ہوں۔" ریسیور پر کے رونے کی آواز سنائی دینے لگی۔

شارق سناٹے میں آگیا۔ اس کا یہ خیال درست نکلا تھا کہ حاجی کو انسانی قدروں اور خون رشتوں کا کوئی احساس نہیں تھا۔ اس نے اپنے سالے کو بچانے کے لئے سہیل کو رہا کرنے کے ئے اسے قتل کر دیا تھا۔ کیونکہ شارق نے اس کی کوٹھی کو آگ لگا دی تھی۔ وہ دولت کا پجاری ۔ اپنے رشتہ داروں کو موت کے گھاٹ اترتے دیکھ سکتا تھا لیکن اپنا مالی نقصان برداشت نہیں لکتا تھا۔

شارق نے رشید کو تسلی دی۔ مختلف ہدایات دیں اور فون بند کردیا۔

"کیا ہوا ؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ ویسے وہ فون پر ہونے والی ں کی گفتگو سے صورت حال کا اندازہ لگا چکی تھی۔

"وہی ہوا جس کا ننانوے فیصد امکان تھا۔" شارق نے مردہ سے لہجے میں جواب دیا۔ "اس ی آدمی نے سہیل کو قتل کر دیا ہے۔ میرے دوست کو مار دیا ہے اس نے ....." وہ چند لمحوں کو وش ہوا پھر بولا۔ "سہیل کا خون رائیگاں نہیں جائے گا۔ میں ایسا خوفناک انتقام لوں گا کہ اس نے والی نسلیں بھی یاد رکھیں گے۔"

شارق پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ ثمینہ کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔ سہیل واقعی بہت انسان تھا۔

کچھ ہی دیر بعد شارق ایک جھٹکے سے اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

"کیا ہوا ؟" ثمینہ نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

"الیاس کی لاش کا تحفہ حاجی کو آج ہی رات ملنا چاہئے۔" شارق کہتا ہوا کمرے سے نکل

ثمینہ بھی اٹھ کر اس کے پیچھے لپکی تھی۔ وہ دونوں تہ خانے میں آگئے۔ الیاس ہوش میں تھا۔ لیکن ہاتھ پیر بندھے ہوئے ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو حرکت نہیں دے سکتا تھا۔ نے شارق اور ثمینہ کی طرف دیکھا تو کانپ اٹھا۔ شارق کے چہرے پر بے پناہ درندگی تھی۔

"حاجی نے سہیل کو قتل کر دیا ہے۔ اب تم بھی مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔" شارق نے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"مم ..... میں بے قصور ہوں ..... میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ مم ..... مجھے چھوڑ دو۔ خدا

کے لئے مجھے چھوڑ دو۔ میں بالکل بے قصور ہوں۔" الیاس ہکلا کر بولا۔ خوف سے اس کا بالکل سفید ہوگیا تھا۔

"بگاڑا تو سہیل نے بھی حاجی کا کچھ نہیں تھا۔" شارق بولا۔ "اس کا قصور صرف یہ تھ وہ میرا دوست تھا اور تمہارا قصور یہ ہے کہ تم حاجی کے رشتہ دار ہو۔ صبح ہونے سے پہلے پہلے تمہاری لاش اس کے گھر پہنچا دوں گا۔ لیکن اس سے پہلے میں تم سے کچھ باتیں پوچھنا ہوں۔"

"مجھ سے جو چاہو پوچھ لو ..... میں سب کچھ بتا دوں گا مگر ..... خدا کے لئے مجھے مع کردو ..... مجھے چھوڑ دو۔ اپنی زندگی کے بدلے میں تمہیں منہ مانگی رقم دینے کو تیار ہوں۔" ال بولا۔

"دنیا کی ساری دولت بھی میرے دوست کی کمی پوری نہیں کرسکتی۔" شارق نے اس چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ شہر میں حاجی کے اڈے کہاں ہیں۔ وہ اپنا مال کہاں رکھتا ہے۔"

"اگر تم مجھے زندہ چھوڑ دینے کا وعدہ کرو تو میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔" الیاس جواب دیا۔ اس کے دل میں یہ ہلکی سی امید پیدا ہوگئی تھی کہ وہ جب تک حاجی کے اڈوں کے نہیں بتائے گا شارق اسے قتل نہیں کرے گا۔

"زندہ تو میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا البتہ یہ وعدہ کرتا ہوں کہ تمہاری موت کو آسا دوں گا۔ بصورت دیگر تمہیں اس طرح اذیتیں دے کر ماروں گا کہ شیطان بھی کانپ اٹھے" شارق بولا۔

"نہیں۔ تم ایسا نہیں کرسکتے۔" الیاس کانپ اٹھا۔

شارق چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اس نے جھک کر الیاس کے ہاتھ اور پیرو رسیاں کھول دیں۔ الیاس چارپائی پر پڑے پڑے اپنی کلائیاں اور ٹخنے سہلانے لگا جہاں رسیو نشان پڑگئے تھے۔ شارق نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر ایک جھٹکے سے چارپائی سے اٹھالیا اور کھینچ کمرے سے باہر لے آیا۔

"کیا خیال ہے ثمینہ ؟" شارق نے ثمینہ کی طرف دیکھا۔ "پہل تم کرو گی یا میں شرو جاؤں۔"

"اس کے لئے میں ہی کافی ہوں۔ تم الگ کھڑے رہو۔" ثمینہ نے آگے بڑھتے ہوئے وہ الیاس کے سامنے رک گئی۔ "یاد ہے حاجی کی کوٹھی پر تم نے کیا کہا تھا۔ "وہ الیاس کے

پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔ "تم میرے حسن و شباب کا صرف ایک گھونٹ پینا چاہتے تھے۔ اب میں تمہارے سامنے ہوں۔ جی بھر کے پی لو۔" الیاس عجیب سی کیفیت میں مبتلا ہوگیا تھا۔ "شارق ہمارے درمیان نہیں آئے گا۔ وہ مداخلت نہیں کرے گا۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ اگر تم مجھے زیر کرلو تو نہ صرف تم اپنی خوشی پوری کرسکتے ہو بلکہ تمہیں یہاں سے جانے کی بھی آزادی ہوگی۔ کوئی تمہارا راستہ نہیں روکے گا۔"

"مم .... مجھے معاف کردو ثمینہ بی بی۔" الیاس نے اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔ "میں بے قصور ہوں مجھے معاف کردو۔" وہ گھٹنوں کے بل اس کے سامنے جھک گیا۔

"بے غیرت ہمیشہ بزدل ہوتا ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "اٹھو۔ پکڑلو مجھے۔" لیکن الیاس گھٹنوں کے بل جھکا گڑگڑاتا اور رحم کی بھیک مانگتا رہا۔ ثمینہ نے چند لمحے اس کی طرف دیکھا اور پھر بھرپور ٹھوکر اس کے سینے پر رسید کردی۔ الیاس چیختا ہوا پیچھے الٹ گیا۔

"اٹھو بے غیرت۔" ثمینہ اسے ایک اور ٹھوکر مارتے ہوئے چیخی۔ "پکڑ لو مجھے ....."

الیاس کچھ دیر پٹتا رہا پھر اس نے اچانک ہی ثمینہ پر چھلانگ لگا دی۔

"گڈ۔" ثمینہ مسکرائی۔ اس نے بڑی خوبصورتی سے اپنے آپ کو بچالیا تھا۔

"اب تمہیں تھوڑی سی غیرت آئی ہے۔ آؤ ..... آؤ ..." وہ ہاتھ سے اسے اشارے کرنے لگی۔

شارق ایک طرف کھڑا دلچسپی سے یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ ثمینہ واقعی بڑی جی داری کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ الیاس لمبا تڑنگا آدمی تھا۔ دیکھنے میں وہ شارق سے بھی زیادہ طاقتور آدمی تھا۔ لیکن ثمینہ جس طرح اسے نچا رہی تھی وہ شارق کے لئے واقعی حیرت انگیز تھا۔

ایک موقع پر ثمینہ الیاس کے داؤ میں آئی۔ ثمینہ نے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کی تھی لیکن اس کا پیر پھسل گیا۔ وہ پشت کے بل گری اور اس وقت الیاس نے اسے چھاپ لیا تھا۔ اس نے نہ صرف ثمینہ کی قمیض پھاڑ دی بلکہ اس کے منہ پر کئی گھونسے جڑ دیئے اس موقع پر شارق نے آگے بڑھنا چاہا مگر ثمینہ نے اسے روک دیا۔

الیاس نے دونوں ہاتھ ثمینہ کے گلے پر جما دیئے۔ ثمینہ کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی گردن آہنی شکنجے میں جکڑی گئی ہو۔ نرخرے پر الیاس کے انگوٹھوں کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ ثمینہ کا سانس گھٹنے لگا۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنی ایک ٹانگ سمیٹی اور پیر کا پنجہ الیاس کے گلے پر رکھ دیا اور اسے پوری قوت سے پیچھے دھکیلنے لگی۔

ثمینہ کے گلے پر الیاس کی گرفت ڈھیلی پڑگئی اور بالآخر ثمینہ کی گردن اس آہنی شکنجے سے

آزاد ہوگئی۔ اس نے پیر ہی سے زور دار دھکا دیا۔ الیاس پیچھے الٹ گیا۔ اس کا سر دیوار سے ٹکر گیا تھا۔

ثمینہ بڑی پھرتی سے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اس نے الیاس کو سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ پہلا سر پر دو ٹھوکریں رسید کیں پھر الیاس کے جسم کے ہر حصے پر اس کی ٹھوکریں برسنے لگیں۔

الیاس نے موقع پاکر ثمینہ کی ٹانگ پکڑ کر زور دار جھٹکا دیا۔ ثمینہ لڑکھڑا کر گر گئی۔ لیکن گرتے ہوئے الیاس کی گردن ثمینہ کے قابو میں آگئی تھی۔ ثمینہ نے دایاں بازو اس کی گردن پر لپیٹ لیا اور بائیں ہاتھ سے اپنے دائیں ہاتھ کی کلائی پکڑلی اور پوری قوت سے الیاس کی گردن دبانے لگی۔

دور کھڑا ہوا شارق مسکرا دیا۔ ثمینہ نے الیاس کی گردن پر چوک ہولڈ لگایا تھا اور حریف کے لئے اس داؤ سے بچنا بہت ہی مشکل ہوتا تھا بشرطیکہ چوک ہولڈ لگانے والا اپنے بازو کی قوت صحیح طریقے سے استعمال کرنا جانتا ہو اور شارق دیکھ رہا تھا کہ ثمینہ اس داؤ کے استعمال سے واقف تھی۔ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہوتی گئی۔

الیاس نے بھی اپنے دونوں ہاتھ ثمینہ کی کلائیوں پر جما دیئے تھے اور وہ گرفت چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن ثمینہ کی گرفت بڑی صحیح اور مضبوط تھی۔ اس نے دباؤ بڑھانے کے لئے اپنے پیر دیوار کے ساتھ لگا لئے تھے۔ اس طرح اس کے جسم کی ساری قوت اس کی بانہوں میں سمٹ آئی تھی۔

الیاس بری طرح مچلنے لگا۔ وہ زور زور سے زمین پر پیر پٹخنے لگا۔ پہلے تو اس نے بڑی زور آزمائی کی تھی لیکن پھر اس کی قوت مدافعت کمزور پڑنے لگی۔ وہ اپنے آپ کو چھڑانے کے لئے بدستور تڑپتا رہا ثمینہ نے اس کی گردن پر دباؤ بڑھا دیا۔ اس کے ذہن میں ایک ہی خیال آیا تھا کہ "اب یا کبھی نہیں۔"

الیاس کی آنکھیں چڑھ گئیں۔ اس کی زبان باہر نکلنے لگی۔ ثمینہ کے چہرے پر بے پنا درندگی تھی۔ اس نے بازو کو ایک زور دار جھٹکا دیا۔ کڑک کی ہلکی سی آواز ابھری۔ الیاس پہلے سے بھی زیادہ شدت سے مچلنے لگا۔ ثمینہ نے اس کی گردن کو دو تین جھٹکے اور دیئے اور پھر اسے چھو کر الگ ہٹ گئی۔ اس کا چہرہ پسینے سے تر رہا تھا اور سانس کی رفتار بھی بگڑ گئی تھی۔ وہ دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی الیاس کی طرف دیکھنے لگی جو فرش پر بری طرح تڑپ رہا تھا اور پھر وہ بے حس و حرکت ہوگیا۔ اس کی گردن کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ زبان باہر نکلی ہوئی تھی اور آنکھیں بھی جیسے حلقوں سے باہر آگئی تھیں۔

"تمہارا یہ روپ پہلی مرتبہ دیکھا ہے۔" شارق ثمینہ کے قریب آگیا۔ "مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس نازک سے جسم میں فولاد بھرا ہوا ہے۔"

"کوئی عورت نازک نہیں ہوتی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "جب وہ انتقام لینے پر آتی ہے تو اس کا نازک بدن فولاد سے بھی زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے اس میں اتنی طاقت آجاتی ہے کہ بڑے سے بڑا سورما بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔"

"ہاں۔ یہ تو میں نے دیکھ لیا ہے۔" شارق بولا۔

ثمینہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔ شارق اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا۔ پھر وہ اس سے الگ ہوگیا۔

"تمہاری یہ شرٹ...."

"پھٹ گئی ہے۔ میں تبدیل کرلیتی ہوں۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں نے عقلمندی یہ کی تھی کہ جب یہ کوٹھی کرائے پر لی تھی تو ایک سوٹ کیس بھی لے آئی تھی جس میں چند جوڑے اپنے کپڑے اور تمہارے لئے بھی دو تین پینٹس اور شرٹس رکھ لی تھیں۔"

"تم واقعی دور کی سوچتی ہو۔" شارق مسکرا دیا۔ "اچھا اب اوپر چلو۔ پہلے کپڑے بدل لیں پھر اس خبیث کی لاش کا بندوبست کرنا ہے۔"

وہ لوگ تہ خانے سے نکل کر اوپر ایک بیڈ روم میں آگئے۔ ثمینہ نے دیوار میں نصب الماری کھول کر اس میں سے کپڑے نکالے۔ وہیں کھڑے کھڑے اس نے پھٹی ہوئی شرٹ اتار کر دوسری پہن لی۔

"میں کپڑے بعد میں بدلوں گا۔ اس سے پہلے میں تھوڑی دیر کے لئے باہر جانا چاہتا ہوں۔" شارق بولا۔

"کیوں؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"اس طرف آتے ہوئے میں نے کسی گلی کے موڑ پر ایک چھوٹا پک اپ ٹرک کھڑا دیکھا تھا۔ کوشش کرتا ہوں کہ وہ ٹرک ہاتھ لگ جائے تو اس کی لاش کو ٹھکانے لگا دیا جائے۔" شارق نے جواب دیا۔

وہ دونوں کمرے سے نکل کر بیرونی گیٹ کے قریب آگئے۔

"تم گیٹ کے قریب ہی رکنا۔ مجھے واپسی میں چند منٹ سے زیادہ نہیں لگیں گے۔" شارق کہتے ہوئے گیٹ کھول کر باہر نکل گیا۔

ثمینہ نے گیٹ بند کردیا اور قریب ہی کھڑی رہی۔ شارق کو واپسی میں واقعی زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ دس منٹ بعد گیٹ کے سامنے سوزوکی ٹرک کی مخصوص آواز سن کر اس نے گیٹ کھول دیا۔ شارق ٹرک کو اندر لے آیا تو اس نے گیٹ بند کردیا۔

شارق نے ٹرک گیراج کے قریب روکا تھا۔ وہ ثمینہ کے ساتھ اندر آگیا۔ گیراج کے سامنے والے کمرے میں شارق نے ایک بوری بھی دیکھی تھی جس میں موبل آئل کے خالی ڈبے اور اس قسم کی چیزیں بھری ہوئی تھیں۔ اس نے بوری خالی کردی اور ثمینہ کے ساتھ تہ خانے میں آگیا۔

الیاس کی لاش کو بوری میں ٹھونس کر اس نے بوری کا منہ اچھی طرح بند کردیا اور بوری اٹھا کر دوبارہ اوپر آگیا۔ بوری اس نے باہر لے جا کر سوزوکی ٹرک میں ڈال دی اور اس کمرے میں بھرا ہوا کاٹھ کباڑ اٹھا کر سوزوکی ٹرک میں بھرنے لگا۔ تیل کے خالی ڈبے' ناکارہ ٹائر ٹیوب اور اسی قسم کی بہت سی چیزیں تھیں۔ بوری ان چیزوں کے نیچے چھپ گئی۔

شارق دوبارہ کمرے میں آگیا۔ اس نے بستر کی ایک چادر پھاڑ کر اس کی چوڑائی کم کی اور اسے دھوتی کی طرح باندھ لیا۔ میلی شرٹ اپنے جسم پر رہنے دی اور چادر کا پھٹا ہوا ٹکڑا صافے کی طرح سر پر باندھ لیا۔ ٹین دبے اٹھانے میں اس کے ہاتھ چکنے اور کالے ہوگئے تھے۔ اس نے دھوتی اور پگڑی پر ہاتھ صاف کئے پھر ایک ہاتھ منہ پر بھی مل لیا۔ اب اس کے لباس اور چہرے پر چکنائی اور کالک کے دھبے نظر آرہے تھے۔

"میرے ساتھ پک اپ میں بیٹھ جاؤ۔" شارق نے کہا۔ "میں تمہیں کوٹھی کے سامنے ڈراپ کر دوں گا اور میں کل دن میں کسی وقت آؤں گا۔" وہ باہر آگئے۔ ثمینہ نے تمام بتیاں بند کرکے برآمدے والے دروازے کو تالا لگا دیا اور گیٹ کی طرف چلنے لگی۔ شارق پک اپ باہر لے آیا تو ثمینہ نے گیٹ بند کرویا اور پک اپ میں بیٹھ گئی۔

پک اپ مختلف گلیوں میں ہوتی ہوئی رضیہ والی کوٹھی کے سامنے رک گئی۔ ثمینہ نیچے اتر گئی تو شارق نے پک اپ آگے بڑھا دی۔

اس وقت تین بج رہے تھے۔ سڑکیں سنسان پڑی تھیں۔ شارق پک اپ کو تیز رفتار سے سڑکوں پر دوڑاتا رہا۔ اس کا رخ شادمان ٹاؤن کی طرف تھا۔

ایک سڑک کا موڑ گھومتے ہی اسے پک اپ کی رفتار کم کرنی پڑی۔ سامنے سڑک کے کنارے پولیس کی وین کھڑی تھی اور دو تین مسلح پولیس والے سڑک کے وسط میں کھڑے تھے۔

شارق نے قریب پہنچ کر پک اپ روک لی۔ پولیس والوں نے پک اپ کو گھیر لیا۔ شارق کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔

○

"کون ہو تم اوئے ؟" ایک ہیڈ کانسٹیبل شارق کو گھورتے ہوئے بولا۔

"باپ کی سڑکیں سمجھ کر اس وقت گھوم رہے ہو۔ تم لوگ رات کو بھی گھر میں نہیں بیٹھتے۔"

"مزدور آدمی کو آرام سے گھر میں بیٹھنے کا موقع کب ملتا ہے سرجی۔" شارق نے جواب دیا۔ "اپنے آپ کو ہی دیکھ لیں۔ کیا آپ کا دل نہیں چاہتا کہ رات کو گھر میں آرام سے سو جائیں۔ لیکن آپ کی بھی نوکری ایسی ہے سرجی۔ آدھی رات کو سڑکوں پر....."

"بند کرو بکواس۔" حوالدار نے اس کی بات کاٹ دی۔ "کیا ہے ٹرک میں اور کہاں جا رہے ہو اس وقت ؟"

"میں مال روڈ پر دادا موٹر ورکشاپ میں کام کرتا ہوں سرجی۔" شارق نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ "رات کو سارے ورکشاپ کی صفائی ہوتی ہے اور کاٹھ کباڑ گودام میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ سوزوکی میں تیل کے خالی ڈبے اور ایسی ہی بیکار چیزیں بھری ہوئی ہیں۔ انہیں گودام میں ڈالنے جا رہا ہوں۔ چیک کرلیں آپ۔"

"اوئے عمردین۔ دیکھو۔" ٹرک میں کیا ہے ؟ حوالدار نے ایک کانسٹیبل کو مخاطب کیا۔

"لعنت بھیجو جی اس پر۔" عمردین نے جواب دیا۔ وہ پہلے ہی تیل کے خالی ڈبوں کو ادھر ادھر ہٹا کر دیکھ رہا تھا جس سے اس کے ہاتھ چکنے ہوگئے تھے۔ "میرے تو ہاتھ بھی کالے ہوگئے ہیں۔ دفع کرو اسے۔"

"اوئے۔" حوالدار نے شارق کو گھورا۔ "لائسنس ہے تمہارے پاس؟"

"لائسنس۔" شارق نے جیب سے پچاس کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ "اس وقت تو میرے پاس یہی ہے سرجی۔ پر معاملہ کیا ہے ؟"

حولدار نے نوٹ لے کر پتلون کی جیب میں ٹھونس لیا۔ "اوئے۔ تمہیں نہیں پتا۔" وہ بولا۔ "دو دن پہلے کسی نے حاجی افضال کے بھانجے کو قتل کر دیا تھا اور اس کے سالے کو اغوا کرکے اور اس کی کوٹھی کو آگ لگا دی۔ حاجی افضال تو بادشاہ ہے اس شہر کا۔ حکومت تو اس کی ہے۔ تمام سرکاری افسر تو اس کے غلام ہیں۔ اس کے حکم پر چیکنگ ہو رہی ہے۔"

"ایسا کون ہے جس نے حاجی جیسے آدمی سے ٹکر لی ہے وہ تو میں نے بھی سنا ہے کہ حاجی بہت خطرناک آدمی ہے۔" شارق بولا۔

"اس شہر میں ایک آدمی اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ شارق نام ہے اس کا۔ ایک لڑکی بھی ہے اس کے ساتھ۔ ثمینہ ..... کچھ عرصہ پہلے ان دونوں نے شہر میں طوفان اٹھا رہا تھا۔ پھر وہ کہیں چلے گئے۔ لیکن اب واپس آگئے ہیں اور انہوں نے حاجی سے پنگے بازی شروع کردی ہے۔ اللہ ہماری حالت پر رحم کرے۔"

"لیکن سر جی۔" شارق بولا۔ "اس طرح ہم جیسے غریب لوگوں کو پریشان کرنے کا کیا فائدہ۔ بھلا کسی آدمی کو اغوا کرکے کھلے ٹرک میں لے جایا جاسکتا ہے۔"

"ہم نے اپنی ڈیوٹی پوری کرنی ہے۔ چلو۔ اب تم پھوٹو یہاں ہے۔ حوالدار نے اسے جانے کا اشارہ کیا۔

شارق نے مسکراتے ہوئے انجن اسٹارٹ کر دیا اور حوالدار کو سلام کرتے ہوئے سوزوکی آگے بڑھا دی۔

تقریباً" پندرہ منٹ بعد وہ شادمان ٹاؤن پہنچ گیا۔ حاجی کی کوٹھی کے سامنے کئی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ شارق نے گلی کے موڑ پر پک اپ روک لی اور کوٹھی کی طرف دیکھنے لگا۔ چار پانچ آدمی بھی کوٹھی کے گیٹ کے سامنے کھڑے تھے۔ شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ حاجی اس وقت کوٹھی میں موجود تھا۔

جب اس نے پک اپ روکی تھی تو کوٹھی کے گیٹ کے سامنے کھڑے ہوئے آدمی اس طرف دیکھنے لگے تھے۔ شارق بار بار انجن اسٹارٹ کر رہا تھا۔ وہ دور کھڑے ہوئے لوگوں کو یہ تاثر دینا چاہتا تھا جیسے اس کی پک اپ خراب ہوگئی ہو۔ پھر وہ نیچے اتر آیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

کچھ دیر بعد ایک اور آدمی نکل کر ایک کار میں بیٹھ گیا۔ چند سیکنڈ بعد ہی کار حرکت میں آگئی۔ وہ اسی طرف آرہی تھی۔ کار جیسے ہی قریب پہنچی شارق نے ہاتھ دے کر اسے روک لیا۔

"سر جی۔ میری پک اپ خراب ہوگئی ہے۔" شارق نے کھڑکی پر جھک کر اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھے ہوئے شخص کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر آپ مجھے مین روڈ تک لفٹ دیدیں تو بڑی مہربانی ہوگی۔"

اس شخص نے پہلے شارق پھر پک اپ کی طرف دیکھا اور پچھلے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"پیچھے بیٹھ جانا۔"

شارق دروازہ کھول کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"کیا بات ہے سر جی۔ اس کوٹھی کے سامنے لوگ کیوں جمع ہیں؟" شارق نے اس شخص

سے پوچھا۔

"یہ حاجی افضال کی کوٹھی ہے۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "کسی نے اس کی سمن آباد والی کوٹھی کو آگ لگا دی ہے۔ جس میں ایک آدمی بھی جل کر مرگیا ہے اور حاجی کے سالے کو اغوا کرایا ہے۔ پورے شہر کی پولیس اسے تلاش کر رہی ہے۔"

"سینما والا حاجی افضال؟" شارق بولا۔ "وہ تو بڑا ٹھکے والا آدمی ہے۔ سر جی۔ اس سے کون پنگا لے گا۔"

"شارق ..... حاجی کا سب سے بڑا دشمن۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "یہ بھی حاجی سے کم خطرناک نہیں ہے۔ میں نے حاجی سے کہا تھا کہ اس سے پنگا نہ لے لیکن اس نے میری بات نہیں مانی۔ حاجی نے شارق کی عدم موجودگی میں اس کی ماں اور بہن کو گھر سے نکال کر مکان پر قبضہ کرلیا تھا اور اب شارق اس سے اپنی ماں اور بہن کی توہین کا بدلہ لے رہا ہے۔"

"یہ بات تو حاجی کو پہلے سوچنا چاہئے تھی نا سر جی۔" شارق بولا۔ "کوئی غیرت مند اپنی ماں اور بہن کی بے عزتی تو برداشت نہیں کرسکتا نا۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" اس شخص نے سر ہلایا۔ "لیکن تم حاجی کو نہیں جانتے۔ وہ ملک کا سب سے بڑا سمگلر ہے۔ بڑے سے بڑا آفیسر اس کے سامنے نظریں نہیں اٹھا سکتا۔ اس نے سب کو پیسے سے خرید رکھا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ پولیس اور قانون ہر معاملے میں اس کا ساتھ دے گا اور ایسا ہو رہا ہے۔ وہ آزادانہ طور پر اپنا غیر قانونی دھندہ کر رہا ہے۔ کوئی آج تک اس کے سامنے رکاوٹ نہیں بن سکا۔ لیکن یہ شارق ....."

"شارق اس کے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ بن گیا ہے۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔ "وہ حاجی کو چین سے نہیں بیٹھنے دے گا۔ شارق بھی بڑا ضدی اور خطرناک آدمی ہے۔ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"تم شارق کے بارے میں کیسے جانتے ہو؟" وہ شخص چونک گیا۔

"میری طرف غور سے دیکھو مسٹر۔" شارق بولا۔ "میری شکل دیکھ کر تمہیں اندازہ ہو جائے گا کہ میں شارق کو کیسے جانتا ہوں۔"

اس شخص نے گردن گھما کر شارق کی طرف دیکھا۔ شارق نے سر پر لپٹا ہوا صافا اتار دیا تھا۔ وہ شخص اس کی شکل دیکھ کر چونک گیا۔ اسٹیئرنگ پر اس کے ہاتھ کانپ گئے۔

"شش ..... شارق ....." وہ ہکلا گیا۔ اس کا چہرہ خوف سے پیلا پڑگیا تھا۔

"گاڑی سنبھالو ورنہ کسی دیوار سے ٹکرا جائے گی۔" شارق بولا۔

اس شخص نے بڑی مشکل سے لہراتی ہوئی کار کو سنبھالا تھا۔

"کار اس موڑ سے پہلے روک لو۔" شارق نے کہا۔

اس شخص نے فوراً" ہی کار روک لی۔ اس کے ساتھ ہی اس کا ہاتھ جیب کی طرف بڑھا تھا لیکن شارق نے بڑی پھرتی سے آگے والی سیٹ پر جھک کر اس کی جیب سے پستول نکال لیا۔

"آرام سے بیٹھے رہو۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا۔" شارق نے پستول اس کی گردن پر رکھ دیا۔ "حاجی کو بتا دینا کہ شارق اتنا بزدل نہیں کہ کسی بل میں چھپ کر بیٹھ جائے۔ یہ تو تم دیکھ ہی چکے ہو کہ میں اس کی کوٹھی کے سامنے سے ہو کر آیا ہوں اور واپس جا کر حاجی کو بتا دینا کہ اس کی کوٹھی کے قریب جو سوزوکی پک اپ کھڑی ہے اس پر لادے ہوئے اسکریپ کے نیچے ایک بوری میں اس کے سالے الیاس کی لاش ٹھنسی ہوئی ہے۔ اسے یہ بھی بتا دینا کہ میں وقتاً" فوقتاً" اسے لاشوں کے تحفے بھیجتا رہوں گا .... اب اپنی ٹائی کھولو۔"

"کک ..... کیا کرنا چاہتے ہو۔" وہ شخص ہکلایا۔

"تمہیں کچھ نہیں کروں گا۔ ٹائی کھول دو۔" شارق غرایا۔

اس شخص نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اپنی ٹائی کھول دی۔ شارق سیٹ کے اوپر سے ہو کر اگلی سیٹ پر آگیا تھا۔ شارق نے اس کے دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ سے باندھ دیئے اور پستول کا دستہ زور سے اس کی کنپٹی پر رسید کر دیا۔ اس شخص کے منہ سے کراہ نکلی اور اس کا سر بھی اسٹیئرنگ پر جھک گیا۔ وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔

شارق دروازہ کھول کر کار سے اتر آیا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ وہ ایک کشادہ گلی میں تھا چند گز آگے مین روڈ تھی۔ اس نے سر والا کپڑا کار ہی میں پھینک دیا تھا۔ اس شخص کا پستول شارق کے ہاتھ میں تھا جسے اس نے دھوتی کی ڈاب میں اڑس لیا اور مین روڈ کی طرف چلنے لگا۔

اس وقت ساڑھے چار بجنے والے تھے۔ یہ شارق کی خوش قسمتی تھی کہ مین روڈ پر آتے ہی اسے دودھ والا ایک رہڑہ نظر آگیا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر رہڑے کو روکا اور دودھ والے سے پوچھے بغیر رہڑے پر سوار ہو گیا۔

"یار میری گاڑی خراب ہو گئی ہے۔ پیدل چلتے چلتے تھک گیا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں یار۔ بیٹھ جاؤ۔ گلبرگ لبرٹی مارکیٹ جا رہا ہوں، جہاں کہو گے اتار دوں گا۔" دودھ والے نے جواب دیا۔

رہڑے پر دودھ کے ولٹوہے لدے ہوئے تھے۔ وہ آدمی اکیلا ہی تھا جس نے گھوڑے کی لگام تھام رکھی تھی۔ شارق بھی اس کے ساتھ ہی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

راستے میں ایک جگہ اگرچہ پولیس پارٹی کھڑی تھی لیکن پولیس والوں نے انہیں نہیں روکا۔ گھوڑا دلکی چال چلتا رہا اور شارق دودھ والے سے باتیں کرتا رہا۔ وہ اس سے دودھ کے کاروبار کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ اپنے بارے میں اس نے بتایا تھا کہ وہ ایک موٹر ورکشاپ میں مکینک ہے۔ ایک گاڑی چیک کرنے کے لئے نکلا تھا کہ وہ خراب ہو گئی اور اب وہ دوسرے مکینک کو بلانے جا رہا ہے جو گلبرگ میں رہتا ہے۔

وہ تقریباً" آدھے گھنٹے میں گلبرگ پہنچ گیا۔ شارق دودھ والے کا شکریہ ادا کر کے ایک جگہ رہڑے سے اتر گیا اور گلیوں ہی گلیوں میں تقریباً" آدھے میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد اس کوٹھی کے سامنے پہنچ گیا جہاں ماں جی اور رضیہ وغیرہ رہائش پذیر تھیں۔

جب شارق نے کال بیل کے بٹن پر انگلی رکھی تھی صبح کا اجالا پھیلنے لگا تھا۔

○

شارق نے پپو اور ظفری کو گزشتہ رات ہی کو بڑی سختی سے ہدایت کر دی تھی کہ اس کی اجازت کے بغیر وہ حویلی سے باہر نہ نکلیں۔ حویلی میں کھانے پینے کی چیزیں موجود تھیں اور وہ لوگ تین چار دن تک آرام سے گزارہ کر سکتے تھے۔ حویلی میں رابطے کا اگرچہ کوئی ذریعہ نہیں تھا، سوائے اس کے کہ شارق خود وہاں جاتا، لیکن شارق کو یقین تھا کہ وہ دونوں اس کی ہدایت پر سختی سے عمل کریں گے اور حویلی سے باہر نکلنے کی کوشش نہیں کریں گے۔

شارق جب الیاس والے معاملے سے نمٹ کر کوٹھی واپس آیا تو وہ بہت تھکا ہوا تھا۔ بیل بجانے پر دروازہ طفیل نے کھولا تھا۔ وہ جیسے ہی اندر داخل ہوا ثمینہ بھی برآمدے میں آگئی۔ شارق نے تین بجے کے قریب اسے یہاں چھوڑا تھا اور وہ غالباً" ابھی تک سوئی نہیں تھی۔

"کوئی دشواری تو پیش نہیں آئی تھی؟" ثمینہ نے پوچھا۔ شارق اس وقت برآمدے میں پہنچ چکا تھا۔

"ایک آدھ جگہ رکنا پڑا تھا۔ لیکن معاملہ خیریت سے ٹل گیا تھا۔" شارق نے اس کے ساتھ برآمدے والے دروازے میں داخل ہوتے ہوئے جواب دیا۔ "سامان حاجی کی شادیان والی کوٹھی کے قریب چھوڑ دیا تھا اور مجھے یقین ہے کہ اب تک اسے اطلاع ہو چکی ہو گی۔ یا ہونے والی ہو گی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر تفصیل سے اسے سب کچھ بتانے لگا۔ آخر میں وہ بولا۔

"تم ابھی تک سوئی کیوں نہیں ہو؟"

"دوسری کوٹھی سے واپس آنے کے بعد کچھ بے چینی سی تھی۔ نیند نہیں آرہی تھی میں

رسالہ پڑھنے لگی۔ ویسے مجھے یقین تھا کہ تم صبح ہونے سے پہلے پہلے واپس آجاؤ گے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔" وہ باتیں کرتے ہوئے کمرے کی طرف جا رہے تھے کہ قریب کی مسجد سے اذان کی آواز سنائی دینے لگی۔

"تم کمرے میں چل کر بیٹھو۔ میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔ بہت تھکے ہوئے ہو۔" ثمینہ نے کہا۔

"میں چائے نہیں پیوں گا۔ نیند آرہی ہے مجھے۔" شارق بولا۔

"ماں جی اب اٹھ جائیں گی۔ وہ نماز پڑھنے کے بعد چائے پیتی ہیں وہ اس وقت تمہارے بارے میں ضرور پوچھیں گی۔ تھوڑی دیر ان سے گپ شپ کر لینا۔ ان کی تسلی ہو جائے گی۔ اس کے بعد بے شک سارا دن سوتے رہنا۔" ثمینہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں کمرے میں بیٹھا ہوں۔ ماں جی نماز پڑھ لیں تو مجھے بتا دینا۔" شارق کہتے ہوئے کمرے میں داخل ہوگیا۔

ثمینہ واپس مڑگئی تھی۔

شارق کمرے میں آکر بیڈ پر نیم دراز ہوگیا۔ تکیئے کے قریب ہی ایک رسالہ پڑا ہوا تھا۔ اس نے رسالہ اٹھالیا۔ اس کا ایک صفحہ مڑا ہوا تھا۔ ثمینہ غالباً یہی صفحہ پڑھ رہی تھی۔ شارق بھی پڑھنے لگا۔ وہ کوئی لو اسٹوری تھی۔ شارق کو اس میں کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوئی اس نے رسالہ بند کرکے رکھ دیا اور اٹھ کر کھڑکی کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ اس نے کھڑکی کھول دی۔ چہرے سے ٹکرانے والا تازہ ہوا کا جھونکا بڑا فرحت بخش محسوس ہوا تھا۔

تقریباً چالیس منٹ بعد ثمینہ کی آواز سن کر وہ پیچھے مڑا۔ ثمینہ اسے باہر آنے کا اشارہ کر رہی تھی۔ شارق اس کے ساتھ لاؤنج میں آگیا۔ مریم ایک طرف جائے نماز پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ نماز پڑھ چکی تھی اور تسبیح پھیر رہی تھی۔ اس نے آواز سن کر شارق کی طرف دیکھا اور تسبیح مکمل کرکے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔

جائے نماز کے قریب ہی ٹرے میں چائے کے تین کپ رکھے ہوئے تھے۔ شارق اور ثمینہ قریب ہی قالین پر بیٹھ گئے۔ دعا مانگنے کے بعد مریم نے شارق اور ثمینہ کی طرف رخ کرکے پھونک ماری اور پھر شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"کب آئے تھے بیٹا۔"

"تھوڑی دیر پہلے ہی آیا ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔

"یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے بے شک کل کا اخبار تو تمہارے ہی بارے میں خبروں سے بھرا

ہوا تھا۔ اب ایک طرف پولیس تمہارے پیچھے لگی ہوئی ہے اور دوسری طرف حاجی تمہارا دشمن ہو رہا ہے۔ اس دشمنی کا انجام نہ جانے کیا ہوگا۔ میں تو ہر وقت تمہاری سلامتی کی دعائیں مانگتی رہتی ہوں۔" مریم نے کہا۔

"آپ کی دعاؤں کا سایہ ہمارے سر پر رہے گا تو ہمیں کچھ نہیں ہوگا۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم دونوں کے لئے تو دعائیں میرے دل کی گہرائیوں سے نکلتی ہیں۔" مریم نے کہا۔

چائے پینے کے ساتھ وہ باتیں بھی کرتے رہے۔ اس دوران رضیہ بھی اٹھ کر آگئی تھی۔ اس نے حسب معمول شکائتوں کا پنڈورا بکس کھول لیا۔ شارق ہنس ہنس کر اس کی باتوں کا جواب دیتا رہا۔

"میرا خیال ہے اب تم ناشتہ کرکے ہی سونا۔" ثمینہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "میں ناشتہ تیار کرتی ہوں۔ ہم کئی روز بعد اکٹھے بیٹھ کر ناشتہ کریں گے۔"

ساڑھے سات بجے وہ سب میز پر بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔ اس وقت طفیل بھی اندر آگیا تھا۔ ثمینہ نے اسے بھی ناشتہ دے دیا اور وہ باورچی خانے میں بیٹھ کر کھانے لگا۔

"طفیل!" ناشتے کے بعد شارق طفیل کو اپنے کمرے میں لے گیا۔ "تم فیصل آباد میں طالب حسین کو تو جانتے ہو یا نہیں؟"

"طالب حسین ٹنڈا؟" طفیل نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں وہی۔" شارق بولا۔ "ثمینہ اور رضیہ سے پوچھ لو اگر بازار سے کوئی سودا وغیرہ منگوانا ہو تو لاکر دے دو۔ اس کے بعد فیصل آباد چلے جاؤ۔ سیدھے طالب حسین ٹنڈے کے پاس جانا وہ تمہیں نولکھا سے ملوا دے گا۔ نولکھا کے ساتھ شاہ پری نام کی ایک لڑکی بھی رہ رہی ہے۔ تم اس لڑکی کو ساتھ لے کر آؤ گے۔ میرا خیال ہے رات نو دس بجے تک تم واپس آجاؤ گے۔"

"اگر وہاں کوئی اور کام نہیں ہے تو اس سے پہلے ہی آجاؤں گا۔" طفیل نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ جاؤ ثمینہ سے پوچھ لو۔ کوئی کام تو نہیں اور کرائے کے لئے یہ پیسے اپنے پاس رکھ لو۔" شارق نے سو سو روپے کے پانچ نوٹ اس کی طرف بڑھا دیئے۔

طفیل نے نوٹ جیب میں ڈال لئے اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

شارق بستر پر لیٹ گیا۔ وہ نیند سے نڈھال ہو رہا تھا۔ لیٹنے کے تھوڑی دیر بعد ہی نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

شارق کی آنکھ کھلی تو شام کے چھ بج رہے تھے۔ آنکھ کھل جانے کے بعد بھی وہ کتنی دیر

تک بستر پر پڑا رہا۔ وہ اٹھ کر بیٹھا ہی تھا کہ رضیہ کمرے میں آگئی۔

"آپ تو خوب سوئے بھائی جان۔" رضیہ آگے بڑھتے ہوئے بولی۔

"دو تین دن سے جاگا ہوا تھا۔ آج نیند پوری ہو گئی۔" شارق اٹھتے ہوئے بولا۔ "یہاں میرے کپڑے ہوں تو پینٹ شرٹ لا دو میں نہا لوں تو پھر چائے پئیں گے۔"

"آپ کے کپڑے اس الماری میں رکھے ہوئے ہیں۔ آپ نہا کر کپڑے بدل لیں۔ ماں اور ثمینہ باہر لان میں بیٹھی ہوئی ہیں۔ آپ آجائیں تو میں چائے بناؤں۔" رضیہ کہتے ہوئے چلی گئی۔

شارق نے دروازہ بند کردیا اور باتھ روم میں گھس گیا وہ تقریباً" آدھے گھنٹے بعد باتھ سے نکلا تو اپنے آپ کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا ۔ ٹھنڈے پانی کے غسل نے اس کی سار کسلمندی دور کر دی تھی۔ اس نے کپڑے پہنے اور کمرے سے نکل کر لان میں آگیا جہاں گارڈ چیئرز پر ماں جی' ثمینہ اور رضیہ بیٹھی ہوئی تھیں رضیہ اسے دیکھ کر وہاں سے اٹھی اور کچن میں گئی۔

ہرے بھرے لان میں اس طرح بیٹھنا بڑا اچھا لگ رہا تھا۔ چائے کی چسکیوں کے ساتھ باتیں بھی کرتے رہے۔ آٹھ بجے کے لگ بھگ عشاء کی اذان ہوئی تو ماں جی وہاں سے اٹھ کمرے میں آگئیں۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد شارق بھی اٹھ گیا۔

"میں ذرا پپو اور ظفری کی خیر خبر لے آؤں۔ ہوسکتا ہے دیر ہو جائے لیکن واپس ضرور آؤں گا۔" وہ ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں بھی چلوں گی تمہارے ساتھ۔" ثمینہ بھی اٹھ گئی۔

"نہیں۔" شارق نے سختی سے منع کردیا۔ "میں اکیلا ہی جاؤں گا اگر تمہاری ضرورت ہوئی تو میں ضرور تمہیں ساتھ لے کر چلتا۔"

تقریباً" پندرہ منٹ بعد شارق کوٹھی سے نکل گیا۔ سڑک پر آتے ہی اسے ایک رکشہ مل گیا۔

سولہ سو ایکڑ اسکیم کے علاقے میں پہنچ کر اس نے رکشہ چھوڑ دیا۔ شارق کا یہ اصول تھا کہ وہ اپنی منزل پر سیدھا کبھی نہیں گیا تھا۔ اگر اپنی گاڑی ہوتی تو بھی کئی علاقوں سے گھومتا ہوا جاتا اور اگر رکشہ ٹیکسی پر سفر کرنا ہوتا تو کئی سواریاں بدلتا۔

سولہ سو ایکڑ اسکیم کے شاپنگ ایریا میں اس نے ایک جگہ سے چرغہ نان اور تکے وغیرہ خریدے اور دوسرے رکشے پر بیٹھ گیا۔ یتیم خانے کے چوک پر اس نے وہ رکشہ بھی چھوڑ دیا۔

اس چوک پر خاصی رونق تھی' سولہ سو ایکڑ اسکیم اور یتیم خانے کے چوک پر بھی لوگ ٹولیوں میں کھڑے گزشتہ رات کے واقعات پر تبصرے کر رہے تھے۔ دوپہر کو شائع ہونے والے ایوننگ پیپرز نے بڑی سنسنی خیز خبریں شائع کی تھیں۔ ان خبروں میں شارق اور ثمینہ کے نام نمایاں طور پر شائع کیے تھے۔ بعض اخبارات نے لکھا تھا کہ انہیں درندہ بننے پر مجبور کس نے کیا تھا۔ ان دونوں کے بارے میں لوگوں کی رائے بھی مختلف تھی۔ بعض لوگ انہیں ہیرو گردان رہے تھے اور بعض انہیں نہایت ظالم اور شقی القلب قاتل قرار دے رہے تھے۔ البتہ حاجی کو سب ہی گالیاں دے رہے تھے۔ اس کے بارے میں شہر کے تقریباً" سب ہی جانتے تھے کہ وہ منشیات کا بین الاقوامی اسمگلر ہے لیکن حکومت اس پر ہاتھ نہیں ڈالتی کیونکہ نہ صرف حکومت بلکہ قانون ساز اسمبلیوں میں بھی اس کے آدمی موجود تھے۔ اور وہ لوگ اسے تحفظ فراہم کر رہے تھے۔ لوگوں کی باتیں سن کر شارق نے محسوس کیا تھا لیکن وہ یہ سوچ کر مسکرا دیا کہ اگر انہیں لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ شارق ہے تو اس سے اظہار ہمدردی کرنے کے بجائے اس کے ٹکڑے کر ڈالیں۔

یہاں پولیس کی دو پارٹیاں تھیں جو گاڑیاں چیک کر رہے تھے۔ شارق بڑے اطمینان سے پیدل چلتا ہوا چوک سے بہت دور نکل گیا۔ اس کے ہاتھ میں پلاسٹک کا وہ تھیلا تھا جس میں کھانا رکھا ہوا تھا۔

تقریباً" دو سو گز آگے نکلنے کے بعد اسے کاہنا جانے والی بس مل گئی۔ وہ بس پر بیٹھ کر دو سٹاپ آگے اتر گیا' وہ سڑک پار کر رہا تھا کہ کاہنا کی طرف سے آنے والی ایک کار تیز رفتاری سے اس کے قریب سے گزر گئی۔ شارق سڑک پار کرکے اس کچے راستے پر مڑ گیا جو حویلی کی طرف چلا گیا تھا۔ اس راستے کے دونوں طرف زیر تعمیر مکان وغیرہ تھے جنہیں کسی وجہ سے ادھورا چھوڑ دیا گیا تھا۔

حویلی تک پہنچنے میں شارق کو زیادہ دیر نہیں لگی تھی' ہلکی سی دستک پر ہی ظفری نے دروازہ کھول دیا تھا۔ دروازہ کھولنے سے پہلے اس نے تسلی کرلی تھی۔

"تم لوگوں نے ابھی کھانا تو نہیں کھایا؟" شارق نے اندر داخل ہوتے ہی پوچھا۔

"ابھی نہیں۔" ظفری نے جواب دیا۔ "میں ابھی پپو سے کہہ رہا تھا کہ سڑک پر بس اسٹاپ پر جاکر کچھ لے آئے۔"

"میں تم لوگوں کے لئے کھانا لے کر آیا ہوں۔" شارق نے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھیلا اس کی طرف بڑھا دیا۔

وہ لوگ کمرے میں آگئے۔ جہاں پپو چارپائی پر لیٹا ہوا تھا۔ وہ شارق کو دیکھ کر اٹھ گیا۔

"باہر کی بتی کیوں بجھا رکھی ہے ؟" شارق نے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"بلب فیوز ہوگیا ہے شارق باؤ۔" ظفری نے کہا۔ "ویسے وہ بتی جلانے کی ضرورت ہی نہیں۔"

"اچھا۔ تم لوگ کھانا کھاؤ۔ پھر کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔" شارق نے کہا۔

"حاجی کا کیا حال شارق باؤ۔" اس نے سہیل باؤ کو چھوڑ دیا۔"

"نہیں۔" شارق نے ظفری کی بات کاٹ دی۔ "سمن آباد والے بنگلے کی آگ کا انتقام لینے کے لئے اس نے سہیل کو قتل کر دیا اور میں نے بھی رات کے پچھلے پہر الیاس کی لاش اس کی شادمان والی کوٹھی پر پہنچا دی تھی۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔" حاجی کے بارے میں تو یہ نہیں کہہ سکتا کہ الیاس کی لاش دیکھ کر اس کی کیا حالت ہوئی ہوگی لیکن شہر میں ایک طوفان کی سی کیفیت ہے۔ پولیس بڑی شدومد سے پورے شہر میں ہمیں تلاش کر رہی ہے۔ میں نے پولیس کے ایسے اعلیٰ افسروں کو بھی سڑکوں پر دیکھا ہے جو کبھی اپنے ایئرکنڈیشنڈ دفتروں سے باہر نہیں نکلے تھے۔لیکن حاجی کا حق نمک ادا کرنے کے لئے آج ہماری تلاش میں وہ بھی سڑکوں پر مارے مارے پھر رہے ہیں۔"

"ایسے حالات میں تو تمہیں بھی باہر نہیں نکلنا چاہئے تھا۔ شارق باؤ۔" اس مرتبہ پپو بولا تھا۔

"مجھ پر ہاتھ ڈالنا آسان نہیں ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "ویسے تمہارا مشورہ درست ہے۔ ہمیں دو چار روز احتیاط کرنی چاہئے۔ اس وقت تو میں اس لئے آیا ہوں کہ تم لوگوں کے بارے میں معلوم کرلوں۔"

"ہماری فکر مت کرو شارق باؤ۔ ہمیں کچھ نہیں ہوگا۔ تم اپنا خیال رکھو۔" ظفری نے کہا "ویسے اگر تم اجازت دو تو ہم دو تین دن کے لئے رائے ونڈ چلے جائیں۔ وہاں میری بہن رہتی ہے۔ میرا بہنوئی شہر کا ایک معزز آدمی ہے۔ اس کی وجہ سے ہم پر کسی کو شبہ بھی نہیں ہوگا۔"

"اگر رائے ونڈ میں اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن ....

شارق خاموش ہوگیا۔

"لیکن کیا ؟" ظفری نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"لیکن اپنے ساتھ کوئی اسلحہ وغیرہ لے کر نہیں جاؤ گے۔" شارق بولا۔

"بالکل نہیں شارق باؤ۔" ظفری نے کہا۔ "وہ لوگ مجھے بہت شریف آدمی سمجھتے ہیں۔ میرا بہنوئی تو سمجھتا ہے کہ میں کوئی بہت اچھا بزنس کرتا ہوں۔ اسے آج تک پتا نہیں چلا کہ میں

بدمعاشی بھی کرتا ہوں۔"

"یہ اچھی بات ہے وہاں کسی کو پتا بھی نہیں چلنا چاہئے کہ تم بدمعاش ہو۔ دو چار دن شرافت سے وہاں گزار دو۔ آج جمعرات ہے۔ تم لوگ پیر یا منگل کو واپس آجانا۔ میں منگل کی رات یہاں آؤں گا اور ہاں پیسے ہیں نا تم لوگوں کے پاس ؟"

"بہت۔" ظفری نے جواب دیا۔ "تم نے الیاس کے بریف کیس میں سے نوٹوں کے جو بنڈل نکال کر دیئے تھے۔ وہ پوری ساٹھ ہزار روپے کی رقم تھی۔ ہم نے آدھے آدھے بانٹ لئے ہیں۔ اگر تمہیں رقم چاہئے تو....."

"نہیں۔ مجھے رقم کی ضرورت نہیں ہے۔" شارق نے کہا۔ "لیکن تم لوگ وہاں احتیاط سے رقم خرچ کرنا۔ ضرورت سے زیادہ خرچ کرو گے تو کسی کو شبہ بھی ہوسکتا ہے۔"

"فکر ہی مت کرو۔ ہم بہت محتاط رہیں گے۔" ظفری نے جواب دیا۔

پپو تھیلا کھول کر درمیان کی چھوٹی میز پر کھانا لگا چکا تھا۔ شارق نے بھی ان کے ساتھ کھانا کھالیا اور پھر ایک گھنٹے بعد وہ تینوں حویلی سے نکل آئے۔

سڑک پر آکر شارق تو اسی طرف کھڑا رہا اور وہ دونوں اس سے ہاتھ ملا کر دوسری طرف چلے گئے۔ کچھ ہی دیر بعد انہیں رائے ونڈ جانے والی بس مل گئی۔

شارق پیدل یتیم خانہ چوک کی طرف چلنے لگا۔ وہ بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہا تھا کہ کوئی بس آئے تو اسے روک لے۔ اس نے ایک دو بسوں کو ہاتھ بھی دیا تھا۔ لیکن وہ نہیں رکی تھیں۔

سامنے سے ایک کار بہت ہلکی رفتار سے آرہی تھی۔ شارق نے کار کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ یہ دراصل وہی کار تھی جو اس وقت بھی شارق کے سامنے سے گزری تھی جب شارق بس سے اترا تھا۔ شارق تو کچے راستے پر مڑ کر تاریکی میں غائب ہوگیا تھا اور وہ کار کافی آگے جاکر رک گئی تھی ..... اور اب یہ وہی کار تھی۔ جو بہت ہلکی رفتار سے مخالف سمت سے آرہی تھی۔

شارق کار کے ہیڈ لیمپس کی روشنی میں نہا گیا تھا۔ لیکن وہ کار کی طرف توجہ دیئے بغیر سڑک کے کنارے پر چلتا رہا۔

وہ کار کچھ دور جاکر واپس مڑی اور اسی طرح ہلکی رفتار سے چلتی ہوئی شارق سے چند گز آگے جاکر رک گئی۔ کار کے دو دروازے کھلے اور دو آدمیوں نے باہر نکل کر شارق کا راستہ روک لیا۔

شارق نے چونک کر ان کی طرف دیکھا اور دوسرے ہی لمحہ اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ ان میں ایک ماجھا گجر کا سالہ مجیدا تھا اور دوسرے کو شارق نہیں پہچانتا تھا۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں پستول تھے اور پستولوں کے رخ شارق کے سینے کی طرف !

○

"مجیدے تم؟" شارق، مجیدے کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ اس کے لہجے میں کسی قدر حیرت بھی تھی۔ "چلو اچھا ہوا۔ تم نے پہچاننے سے انکار تو نہیں کیا۔" مجیدا بولا۔ "میں تو بہت عرصے سے تمہیں ڈھونڈ رہا تھا۔ پھر سنا کہ تم ملک سے ہی بھاگ گئے ہو۔ بڑا افسوس ہوا تھا مجھے یہ سن کر۔ اگر تم واپس نہ آتے تو میری یہ حسرت دل میں رہتی کہ تم سے اپنے بہنوئی کے قتل کا بدلہ نہ لے سکا۔"

"ماجھا تمہارا سگا بہنوئی تو نہیں تھا۔" شارق بولا۔ "وہ تو تمہاری پھوپھی زاد بہن تھی۔ ماجھے نے بھی تمہارے ساتھ کبھی اچھا سلوک نہیں کیا تھا۔ وہ تو تمہیں ہمیشہ اپنا دو ٹکے کا ملازم ہی سمجھتا تھا۔ تم شاید یہ بھول گئے ہو کہ اس نے کئی مرتبہ تمہیں دوسروں کے سامنے ذلیل کیا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس نے ایک مرتبہ لوگوں کے سامنے تمہیں تھپڑ بھی مارا تھا۔"

"بھائیوں میں ایسی باتیں ہوتی ہی رہتی ہیں۔" مجیدا بولا۔ "لیکن ان باتوں سے خون کے رشتے ختم تو نہیں ہو جاتے۔ تمہارا خیال ہے کہ تمہاری ان باتوں سے میں سب کچھ بھول جاؤں گا۔ نہیں شارق باؤ۔" وہ سر ہلانے لگا۔ "یہ تو میری خوش قسمتی ہے کہ تم اس وقت مجھے نظر آگئے۔ کوئی ڈیڑھ گھنٹے پہلے ہم رائے ونڈ سے آرہے تھے۔ اسی جگہ میں نے تمہیں سڑک پار کرتے ہوئے دیکھا۔ ہماری گاڑی کی رفتار بہت تیز تھی۔ اسے روکنے اور واپس موڑنے میں تھوڑا سا وقت لگ گیا۔ لیکن اس دوران تم کہیں اس طرف غائب ہوگئے تھے۔ ویسے پہلے کبھی مجھے معلوم ہوا تھا کہ تم نے شہر سے باہر کسی جگہ کوئی خفیہ اڈا بنا رکھا تھا۔ اب مجھے یقین ہوگیا ہے کہ واقعی یہاں تمہارا کوئی خفیہ اڈا بھی ہے اور میری اطلاع کے مطابق چھانگے کے مزنگ والے اڈے کا سارا مال بھی تم نے اسی خفیہ اڈے میں چھپا رکھا ہے۔"

"تو یہ بات ہے۔" شارق کے لہجے میں طنز تھا۔ "خون کا رشتہ نہیں مال کی ہوس ہے جس نے تمہیں اس وقت میرے سامنے لاکھڑا کیا ہے۔ لیکن تمہیں شاید معلوم نہیں ہے کہ میں چھانگے کے اڈے سے کوئی مال نہیں لے گیا تھا۔"

"بکواس کرتے ہو تم۔" مجیدے کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔ "مجھے سب کچھ معلوم ہو

چکا ہے۔ اگر تم زندہ رہنا چاہتے ہو تو ہمیں اپنے اس اڈے پر لے چلو۔ ورنہ ہم تمہیں وہاں چلنے پر مجبور کردیں گے۔"

شارق ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ سڑک پر بسوں وغیرہ کی آمدورفت جاری تھی۔ وہ لوگ کار کی آڑ میں اس طرح کھڑے تھے کہ سڑک پر سے انہیں کندھوں کے اوپر تو دیکھا جاسکتا تھا لیکن کوئی یہ نہیں جان سکتا تھا کہ دو آدمی تیسرے پر پستول تانے کھڑے ہیں۔

"سوچ میں وقت ضائع مت کرو شارق باؤ۔" مجیدے نے کہا۔ "اس وقت تمہارے بچنے کا کوئی راستہ نہیں ہے اور ویسے بھی تم اچھی طرح سمجھ سکتے ہو کہ دشمنوں کی تعداد بڑھانا تمہارے لئے مفید نہیں ہے۔ حاجی کے گرگے تمہیں پورے شہر میں کتوں کی طرح تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ دوسری طرف شہر بھر کی پولیس تمہاری تلاش میں ہے۔ اس وقت تمہیں دشمنوں کی نہیں دوستوں کی ضرورت ہے۔ اگر تم چھانگے کے اڈے والا مال میرے حوالے کردو تو میں تمہیں پناہ دے سکتا ہوں۔ میری پناہ میں آجاؤ تو حاجی کے کتے تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔"

"پوہ؟" شارق کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "جو شخص اپنی جان بچانے کے لئے خود چھپتا پھر رہا تھا وہ دوسروں کو کیا پناہ دے سکتا ہے۔ تم شاید اپنے بہنوئی کا انجام بھول گئے ہو۔ تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔"

"دادو!" مجیدے نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ اس طرح نہیں مانے گا۔ اسے زبردستی ساتھ لے جانا پڑے گا۔"

اسی وقت شہر کی طرف سے آتی ہوئی کسی بس نے ہارن بجایا۔ ہارن کی یہ آواز پولیس کے سائرن سے بڑی حد تک ملتی جلتی تھی۔ شارق نے ہارن کی اس آواز سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔

"پولیس۔" وہ ان کے پیچھے دیکھتے ہوئے چیخا۔

اس کا نفسیاتی حربہ سو فیصد کامیاب رہا تھا۔ ان دونوں نے بیک وقت پیچھے مڑ کر دیکھا تھا۔ شارق نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے چھلانگ لگا دی۔ اس کا ایک ہاتھ مجیدے کے پستول پر پڑا تھا اور پیر کی ٹھوکر دادو کے پستول والے ہاتھ پر اور جب شارق سیدھا ہوا تو مجیدے کا پستول اس کے ہاتھ میں آچکا تھا اور دادو کا پستول ہوا میں اڑتا ہوا کئی فٹ دور جھاڑیوں میں جاگرا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ دونوں سنبھلتے شارق نے سڑک کی طرف چھلانگ لگا دی۔ وہ تیز رفتار بس قریب آرہی تھی جس کے ہارن سے شارق نے فائدہ اٹھایا تھا۔ وہ چند فٹ کے فاصلے سے، بس کے سامنے سے گزر گیا۔

دادو نے بھی شارق کے پیچھے ہی دوڑ لگا دی تھی۔ لیکن ہوا یہ کہ شارق کے اچانک سامنے

آجانے سے بس ڈرائیور نے پوری قوت سے بریک لگا دیا تھا اور ٹھیک اسی وقت دادو سڑک پر پہنچ چکا تھا۔ وہ نہ تو بس کے آگے سے نکل سکتا تھا اور نہ پیچھے۔ بلکہ ہوا یہ کہ وہ پوری قوت کے ساتھ بس سے ٹکرایا اور اچھل کر دور سڑک پر جاگرا۔ دوسری طرف سے موٹر سائیکل آرہی تھی۔ موٹر سائیکل والا دادو سے ٹکرایا۔ موٹر سائیکل الٹ گئی اور اس کا سوار اچھل کر دور جاگرا۔

شارق برق رفتاری سے دوڑتا ہوا سڑک پار کرگیا تھا۔ دادو کے بس سے ٹکرانے کی آواز سن کر وہ رکا تھا' اور اس کے بعد جو کچھ بھی ہوا وہ آناً" فاناً" ہوگیا تھا۔ بس بھی کچھ آگے جاکر رک گئی تھی اور لوگ بس سے اتر کر اس طرف دوڑے تھے جہاں دادو اور موٹر سائیکل سوار سڑک پر پڑے تھے۔ شارق درختوں کی آڑ میں تھا۔ اس نے مجیدے کی کار کی طرف دیکھا۔ مجیدا کار کے قریب کھڑا تھا اور پھر شارق نے دیکھا کہ مجیدا دوڑ کر کار میں بیٹھ گیا اور کار حرکت میں آکر تیز رفتاری سے شہر کی طرف روانہ ہوگئی تھی۔

شارق زیادہ دیر وہاں نہیں رکا۔ وہ درختوں سے نکل کر کھیتوں کی طرف دوڑنے لگا۔ اس طرف کی زمینیں بھی مختلف ہاؤسنگ سوسائٹیوں نے خرید رکھی تھی۔ کہیں ابھی تک کھیت برقرار تھے اور کہیں کہیں لوگوں نے اپنے اپنے پلاٹوں کے گرد دیواریں کھڑی کر دی تھیں۔

سڑک پر ٹریفک جام ہونا شروع ہوگیا تھا۔ شارق نے ایک مرتبہ پیچھے مڑ کر دیکھا اور پھر دوڑتا چلا گیا۔ اس طرح وہ ایک طویل چکر کاٹ کر یتیم خانہ چوک پر پہنچ گیا۔ اس وقت وہاں پولیس نہیں تھی وہ لوگ شاید حادثہ کی اطلاع پاکر جائے حادثے کی طرف چلے گئے تھے۔

شارق جب کوٹھی واپس پہنچا تو رات کے بارہ بج چکے تھے۔ بیل بجانے پر گیٹ طفیل نے کھولا تھا۔

"کب آئے تم؟" شارق نے گیٹ میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

"تھوڑی دیر پہلے ہی آیا ہوں سرجی۔" طفیل نے جواب دیا۔ "وہ پٹھانی بی بی بھی آگئی ہے جسے لینے کے لئے آپ نے مجھے بھیجا تھا۔"

"نولکھا کیسا ہے؟" شارق نے چلتے ہوئے پوچھا۔

"وہ تو بیمار ہے سرجی۔" طفیل نے کہا۔ "کئی دن سے بخار نہیں اتر رہا۔ ڈاکٹر کہتا ہے ٹائیفائڈ ہوگیا ہے۔ اسے ٹھیک ہونے میں لمبا عرصہ لگے گا۔ ویسے ٹنڈا اس کی بڑی خدمت کر رہا ہے جی۔"

"اوہ۔" شارق کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "وہ کب سے بیمار ہے؟"

"کئی دن ہوگئے جی۔" طفیل نے بتایا۔ "ویسے اس نے ٹیلی فون کا ایک نمبر دیا ہے۔ یہ ٹیلی

فون اس مکان میں ہے جی۔ کرائے داروں نے لگوا دیا ہے نولکھا نے کہا تھا کہ اگر آپ کو موقع ملے تو اس نمبر پر بات کرلیں۔" اس نے جیب سے ایک کاغذ نکال کر شارق کی طرف بڑھا دیا۔

شارق نے دیکھے بغیر وہ کاغذ جیب میں رکھ لیا اور اندر آگیا۔ ثمینہ' رضیہ اور شاہ پری لاؤنج میں قالین پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ شاہ پری اسے دیکھتے ہی اٹھ کر اس کی طرف دوڑی۔ وہ غالباً" شارق سے لپٹ جانا چاہتی تھی لیکن پھر رک گئی۔ اس نے شارق کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔ پہلے انہیں بوسا دیا پھر آنکھوں سے لگایا۔ اس کا یہ والہانہ پن دیکھ کر رضیہ چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ اس نے معنی خیز نظروں سے ثمینہ کی طرف دیکھا۔

"یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں ثمینہ باجی!" رضیہ کے لہجے میں سرگوشی تھی۔

"شاہ پری تمہارے بھیا کو بہت چاہتی ہے۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اس وقت وہ شاید تمہارا لحاظ کر گئی ہے ورنہ وہ تو شارق سے لپٹ جاتی اور شاید وہ اٹھ کر دوڑی بھی اسی نیت سے تھی۔"

"تم یہ سب کچھ کیسے برداشت کر رہی ہو؟" رضیہ بولی۔

"ہم وہ دو تلواریں ہیں جو بڑے پیار و محبت سے ایک ہی میان میں رہ رہی ہیں۔ ہم میں کبھی ٹکراؤ نہیں ہوا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

ایک میان میں دو تلواروں والی بات پر رضیہ کے منہ سے بے اختیار قہقہہ نکل گیا۔ قہقہے کی آواز سن کر شاہ پری اور شارق ان کی طرف دیکھنے لگے۔

"کیا بات ہے۔ یہ قہقہے کیوں لگ رہے ہیں؟" شارق آگے بڑھ آیا۔

"کچھ نہیں بھائی جان۔ ایسے ہی ایک پرانی بات یاد آگئی تھی۔" رضیہ مسکرائی۔

"اچھا۔ اٹھو یہاں سے اور چائے بناکر لاؤ۔ میں بڑی شدت سے اس وقت چائے کی طلب محسوس کر رہا ہوں۔" شارق بھی قالین پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"آپ کے آنے سے پہلے ہم چائے کا پروگرام ہی بنا رہے تھے۔" رضیہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "میں ابھی بنا کر لاتی ہوں۔"

ثمینہ بڑے غور سے شارق کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شاہ پری سے ملاقات کرتے ہوئے شارق کے چہرے پر اگرچہ خوشگوار تاثرات آگئے تھے لیکن ثمینہ کی دور رس نظروں نے تاڑ لیا تھا کہ وہ ذہنی طور پر کچھ پریشان ہے۔

"کیا بات ہے شارق۔ باہر کے حالات تو ٹھیک ہیں نا؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"نہیں۔" شارق نے نفی میں سر ہلا دیا۔ "حالات مزید بگڑ گئے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"میں حویلی سے نکل کر مین روڈ پر آرہا تھا کہ مجیدے سے ٹکراؤ ہوگیا۔" شارق نے کہا۔"

مجیدے کو جانتی ہو نا۔ ماجھا گجر کے ساتھ ہوا کرتا تھا۔"

"اوہ۔" ثمینہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "اس کی تو ماجھے گجر کے ساتھ شاید کچھ رشتہ داری بھی ہے۔"

"ہاں۔ ماجھے گجر کی بیوی مجیدے کی پھوپھی زاد بہن ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "اس کا کہنا تھا کہ وہ ماجھے گجر کا بدلہ لینے کے لئے بہت عرصے سے مجھے تلاش کر رہا تھا۔ لیکن بہت جلد یہ بات بھی کھل گئی کہ وہ خون کا بدلہ لینے کے لئے نہیں بلکہ اس مال کے لئے مجھے تلاش کر رہا تھا۔ جو ہم نے چھانگے کے اڈے سے حویلی میں منتقل کر دیا تھا۔"

"اسے اس مال کے بارے میں کیسے پتا چلا؟" ثمینہ کے لہجے میں تشویش تھی۔

"ویسے راز کبھی نہ کبھی کھل ہی جاتے ہیں۔" شارق بولا۔ "لیکن یہ ہمیں معلوم کرنا پڑے گا کہ مجیدے یا کسی اور کو اس راز کا پتا کیسے چلا۔"

"یہ تو بہت برا ہوا شارق۔" ثمینہ بولی۔ "اب ہمیں تین محاذوں پر لڑنا ہوگا۔ ایک طرف حاجی دوسری طرف پولیس اور اب مجیدا۔"

"تم پریشان مت ہو۔" شارق بولا۔ "تم جانتی ہو کہ ہم کئی کئی محاذوں پر بیک وقت لڑے ہیں۔ پہلے ہم کسی اور مقصد کے لئے لڑتے تھے۔ اب ہمارا مقصد کچھ اور ہے۔ مجھے یقین ہے کہ۔" شارق رضیہ کو کچن سے نکلتے دیکھ کر خاموش ہوگیا۔

شاہ پری خاموش بیٹھی ان کی باتیں سن رہی تھی۔ رضیہ نے ٹرے قالین پر رکھ دی۔ ان سب نے ایک ایک کپ اٹھا لیا اور چائے کی چسکیاں لینے لگے۔

"ماں جی کی طبیعت کیسی ہے؟" شارق نے رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہی ہے۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "انہیں سب سے بڑی فکر تو تم دونوں کی ہے۔ اگر حالات ٹھیک ہوں تو وہ ہم سے زیادہ صحت مند نظر آئیں۔"

"تھوڑے ہی عرصے کی بات ہے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" شارق بولا۔

"اور ہاں شارق۔" ثمینہ اسے اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے بولی۔ "شاہ پری بتا رہی تھی کہ نولکھا بیمار پڑا ہے۔ اسے شاید ٹائی فائیڈ ہوگیا ہے اور میرا خیال ہے کہ وہاں اس کا علاج بھی ٹھیک سے نہیں ہو رہا' اگر مناسب سمجھو تو اسے یہاں بلا لیا جائے۔"

"ثمینہ باجی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" رضیہ بولی۔ "میں بھی یہی کہنے والی تھی کہ نولکھا بھائی کو

یہاں بلا لیا جائے تاکہ اس کا علاج تو ڈھنگ سے ہو سکے۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق نے کہا۔ "میں صبح ہی طفیل کو فیصل آباد بھیج دیتا ہوں۔"

وہ لوگ دیر تک باتیں کرتے رہے۔ رضیہ کو جمائیاں آنے لگی تھیں۔

"جاؤ۔ تم جاکر سو جاؤ۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

رضیہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"مجیدے سے تمہارا سامنا کیسے ہوا تھا؟" ثمینہ نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا شارق اسے تفصیل سے بتانے لگا کہ کس طرح مجیدے اور اس کے ساتھی دادو نے اسے گھیرنے کی کوشش کی تھی۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔

"میں تو بڑی تیزی سے دوڑتا ہوا سڑک پار کر گیا تھا مگر دادو بس سے ٹکرا گیا تھا۔ وہ اچھل کر بہت دور گرا تھا اور ایک موٹر سائیکل بھی اس سے ٹکرا گئی تھی۔ پتا نہیں دادو زندہ بچا ہے یا نہیں۔ لیکن مجیدا بہرحال وہاں سے فرار ہوگیا تھا۔"

"تو گویا مجیدے کو شبہ ہوگیا ہے کہ ہمارا خفیہ اڈا اسی طرف ہے' اور میرا خیال ہے کہ وہ اپنے آدمیوں سے اس طرف کے راستوں کی نگرانی کرائے گا۔ ایسی صورت میں ہمارا اس طرف جانا مناسب نہیں ہوگا۔"

"ہاں ..... ہم چند روز تک اس طرف کا رخ نہیں کریں گے۔" شارق بولا۔

"لیکن پچو اور ظفری؟" ثمینہ بولی۔ "وہ تو رائے ونڈ سے سیدھے وہیں آئیں گے۔ مجیدے کے آدمی یقیناً" انہیں پہچانتے ہوں گے۔ انہیں وہاں دیکھ کر مجیدے کو شبہ ہو جائے گا۔"

"اس کا بندوبست بھی کرنا ہوگا۔ انہیں وہاں آنے سے روکنا پڑے گا۔" شارق نے کہا۔

"انہیں روکنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔"

"وہ کیا؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ظفری نے بتایا تھا کہ اس کا بہنوئی ہومیوپیتھ ڈاکٹر ہے اور شہر میں اس کی بڑی عزت ہے۔ رائے ونڈ زیادہ بڑا شہر نہیں ہے۔ اس کے نام سے اس کا پتا آسانی سے معلوم کیا جاسکتا ہے۔" شارق چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "تم اور شاہ پری صبح سویرے رائے ونڈ چلی جاؤ۔ ظفری یا پچو سے ملاقات کرکے انہیں بتا دو کہ وہ چند روز تک لاہور نہ آئیں۔ ان کی ضرورت پڑے گی تو میں خود ہی انہیں اطلاع بھجوا دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم صبح ناشتے کے بعد روانہ ہو جائیں گے۔" ثمینہ نے کہا۔

"کہاں جانا ہے؟" شاہ پری پہلی مرتبہ بولی تھی۔

"رائے ونڈ۔" شارق نے جواب دیا۔ "چند میل کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ تم لوگ چند گھنٹوں میں واپس آجاؤ گی۔"

"یہ معاملہ طے ہوگیا۔ میرا خیال ہے اب سو جانا چاہئے۔ مجھے نیند آرہی ہے۔" ثمینہ جمائی لیتے ہوئے بولی۔

"تم لوگ اپنے کمرے میں جاکر سو جاؤ۔ میں یہیں لیٹ جاتا ہوں۔" شارق بولا۔ "صبح مجھے بھی ذرا جلدی جگا دینا۔"

ثمینہ اور شاہ پری اپنے کمرے میں چلی گئیں اور شارق وہیں قالین پر لیٹ گیا۔ کچھ ہی دیر بعد نیند کے بوجھ سے اس کی آنکھیں بند ہوچکی تھیں۔

ثمینہ نے صبح سات بجے شارق کو جگا دیا۔ سب لوگ جاگ چکے تھے۔ ناشتے کے بعد شارق نے طفیل کو بلالیا۔

"تم ابھی فیصل آباد چلے جاؤ اور نوکھا کو لے آؤ۔" شارق نے کہا۔ "بس پر واپس مت آنا۔ کوئی ٹیکسی یا پرائیویٹ کار کرائے پر لے لینا۔ ڈاکٹر کے لکھے ہوئے تمام نسخے اور دوسرے کاغذات اپنے ساتھ لینا مت بھولنا۔ راستے میں اگر روکا جائے تو یہ کہہ سکتے ہو کہ مریض کو علاج کے لئے میواسپتال داخل کرانے کے لئے لے جا رہے ہو۔"

"تم فکر ہی مت کرو شارق باؤ۔" طفیل نے کہا۔ "میں اپنے نوکھا بھائی کو اس طرح لے کر آؤں گا کہ اسے راستے میں کوئی تکلیف بھی نہیں ہوگی اور کسی کو یہ بھی پتا نہیں چلے گا کہ وہ کون ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ اب تم وقت ضائع کرنے کے بجائے روانہ ہو جاؤ۔" شارق نے کہا۔

طفیل کے جانے کے تھوڑی ہی دیر بعد ثمینہ اور شاہ پری بھی رخصت ہوگئیں۔ شاہ پری نے چادر اوڑھ لی اور ثمینہ نے رضیہ کا برقعہ پہن لیا تھا۔

ان کے جانے کے بعد شارق لاؤنج میں آگیا۔ اس نے گزشتہ رات طفیل کا دیا ہوا کاغذ جیب سے نکالا اور فیصل آباد کا نمبر ملانے لگا۔

ڈائریکٹ ڈائلنگ کی بدولت لائن ملنے میں زیادہ دیر نہیں لگی۔ عبدالغنی' برکت علی ٹنڈے کرائے دار تھا۔ اس نے ٹنڈے کو بلوا دیا۔

"میں شارق بول رہا ہوں برکت۔" شارق نے اس کی آواز سن کر کہا۔ "نوکھا کی طبیعت کیسی ہے؟"

"ٹھیک ہے شارق باؤ۔" برکت ٹنڈے نے جواب دیا۔ "ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اسے اسپتال

میں داخل کروانا پڑے گا۔ میں پریشان ہوں کہ ...."

"میں تمہاری پریشانی سمجھ رہا ہوں۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔

"طفیل ابھی فیصل آباد کے لئے روانہ ہوگیا ہے' وہ نوکھا کو لاہور لے آئے گا۔ میں یہاں اس کا علاج کراؤں گا۔ ڈاکٹر کے سارے نسخے اور رپورٹس بھی بھیج دینا۔"

"ٹھیک ہے شارق باؤ۔ ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اگر ٹائی فائیڈ بگڑ گیا تو اس کی جان بھی جاسکتی ہے۔" برکت ٹنڈے نے کہا۔

تم فکر مت کرو۔ اسے کچھ نہیں ہوگا۔" شارق نے کہتے ہوئے فون بند کردیا۔ وہ کچھ دیر تک یونہی بیٹھا رہا اور پھر دوبارہ فون کا ریسیور اٹھا کر انسپکٹر عثمان کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ انسپکٹر عثمان گھر پر ہی تھا اور کال اسی نے ریسیو کی تھی۔

"بہت اچھے جا رہے ہو شارق۔" انسپکٹر عثمان اس کی آواز سن کر بولا۔ "حاجی پاگل ہوا پھر رہا ہے۔ اس کے ساتھ جو کچھ بھی تم کر رہے ہو اس کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔"

"یہ تو ابھی ابتدا ہے۔" شارق بولا۔ "حاجی یا تو واقعی پاگل ہو جائے گا یا میں اسے خودکشی کرنے پر مجبور کردوں گا اور تمہارے پاس کوئی خبر ہے؟"

"ایک اڑتی ہوئی خبر سنی ہے۔ لیکن ابھی تک اس کی تصدیق نہیں ہوسکی۔" انسپکٹر عثمان نے کہا۔

"کیا خبر ہے؟" شارق نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"وہی سے حاجی نے سونے کی ایک کھیپ منگوائی ہے۔ وہ سونا کراچی پہنچ چکا ہے۔ ایک دو روز میں لاہور پہنچ جائے گا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ حاجی یہ سونا انڈیا بھیجنے والا ہے۔ جیسے ہی کنفرم ہوا میں تمہیں اطلاع کروں گا۔ لیکن .... تمہیں اطلاع کیسے دوں گا؟"

"ہاں۔ یہ ایک سوچنے والی بات ہے۔" شارق بولا۔ "بہرحال' میں شام کو تمہیں دوبارہ فون کروں گا اور بتا دوں گا کہ مجھ سے کہاں اور کیسے رابطہ کیا جاسکتا ہے۔"

شارق کچھ دیر مزید اس سے باتیں کرتا رہا پھر فون بند کرکے کمرے میں آگیا۔ انسپکٹر عثمان سے حاجی کے بارے میں جو رپورٹ ملی تھی وہ شارق کے لئے خاصی دلچسپ تھی۔ شارق نے ابتدا ہی میں ایسے کاری وار کئے تھے کہ حاجی تلملا اٹھا تھا۔ اسے یقیناً" یہ توقع نہیں رہی ہوگی کہ اس کی دھمکی کے جواب میں شارق اس کے خلاف ایسی سنگین کارروائی کرے گا۔ ماجھا گجر کے گروہ کے خاتمے کے بعد حاجی نے شارق کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور اسے بھاری کمیشن دے کر ایک دو کام بھی کروائے تھے۔ وہ یقیناً" شارق کو اپنا طفیلی سمجھنے لگا تھا۔ پھر اس نے شارق سے کسی قسم کا

خطرہ محسوس کرتے ہوئے مال لانے کے بہانے اسے افغانستان بھیج دیا۔ دراصل اس نے شارق کو موت کے گھاٹ اتارنے کی سازش کی تھی۔ جو ناکام رہی تھی' اور جب شارق واپس آگیا تھا تو حاجی نے اسے خوفزدہ کرنے کے لئے نہ صرف جیجا شکی کو قتل کردیا تھا بلکہ شارق کو دھمکی دی تھی کہ وہ تین دن کے اندر اندر یہ شہر چھوڑ کر چلا جائے۔ یہ کارروائی کرتے ہوئے بھی اس نے شارق کے بارے میں بہت غلط اندازہ لگایا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ شارق ڈر کر بھاگ جائے گا مگر شارق اس کے سامنے آہنی چٹان بن کر کھڑا ہوگیا تھا۔

حاجی نے شارق کے دو بندے مارے تھے۔ سہیل' شارق کے بچپن کا دوست تھا شارق جب جیل سے باہر آیا تھا تو سہیل نے اپنی جان کی پروا کئے بغیر قدم قدم پر اس کا ساتھ دیا تھا اور اب حاجی نے شارق کو زک پہنچانے کے لئے سہیل کو بیدردی سے قتل کر دیا تھا۔ شارق نے بھی جوابی کارروائی کرتے ہوئے حاجی کی نہ صرف کوٹھی جلا کر راکھ کر دی تھی بلکہ اس کے دو بندوں کو بھی جہنم میں پہنچا دیا تھا اور وہ دونوں بندے حاجی کے رشتہ دار تھے۔ ان دونوں کے قتل پر حاجی پر خاندانی دباؤ بھی پڑا ہوگا اور شارق نے بہرحال' یہ طے کرلیا تھا کہ حاجی کو ایک لمحے کو بھی چین سے نہیں بیٹھنے دے گا۔ وہ روزانہ کوئی نہ کوئی ایسی کارروائی ضرور کرے گا جس سے وہ پاگلوں کی طرح ناچ کر رہ جائے گا۔

یہ شارق کی خوش قسمتی تھی کہ انسپکٹر عثمان جیسا شخص حاجی کے خلاف شارق کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوگیا تھا۔ انسپکٹر عثمان اگرچہ حاجی سے اپنا انتقام لینا چاہتا تھا اور شارق کو اس سے کوئی غرض نہیں تھی۔ وہ انسپکٹر عثمان کو بھرپور طریقے سے حاجی کے خلاف استعمال کرنا چاہتا تھا۔ اس نے شارق کو جو اطلاع دی تھی وہ یقیناً بہت اہم تھی۔ یہ اطلاع ابھی ادھوری تھی۔ اس کے لئے شارق کا انسپکٹر عثمان سے رابطے میں رہنا ضروری تھا۔ لیکن شارق کچی گولیاں نہیں کھیلا تھا۔ وہ محض حاجی کے خلاف ایک اطلاع فراہم کرنے پر عثمان پر بھروسا کرکے اسے اپنے گھر میں نہیں لاسکتا تھا۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ انسپکٹر عثمان کو بھی کسی ایسی کارروائی میں الجھا دیا جائے کہ اس کے بعد میں شارق کے خلاف کوئی قدم اٹھانے کا خیال بھی ذہن میں نہ لاسکے۔

شارق اب تک دو محاذوں پر لڑ رہا تھا۔ حاجی اور پولیس اور اب ایک تیسرا محاذ مجیدے کھول لیا تھا۔ اسے بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ دفعتاً شارق کے ذہن میں ایک اور خیال ابھرا۔ اسے یاد آگیا کہ مجیدا گڑھی شاہو میں ایک اڈا چلایا کرتا تھا۔ ماجھا گجر کے خاتمے کے بعد مجید بھی یہ اڈا بند کرکے غائب ہوگیا تھا۔ ممکن ہے شارق کی عدم موجودگی میں اس نے دوبارہ یہ اڈا کھول لیا ہو۔ اگر ایسی بات ہو تو انسپکٹر عثمان کو آسانی سے پھنسایا جاسکتا تھا۔

وہ کافی دیر تک اس سلسلے میں سوچتا رہا۔ اس نے ایک منصوبہ بنالیا۔ کچھ ہی دیر بعد اس نے اٹھ کر کپڑے بدلے اور رضیہ سے کہہ کر گھر سے نکل گیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ شہر بھر کی پولیس اور حاجی کے آدمی اسے تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ حاجی کے گروہ کے بیشتر لوگ تو اسے پہچانتے بھی تھے۔ لیکن پولیس کے بہت کم آدمی ایسے تھے جو اسے چہرے سے پہچانتے تھے۔ اس کا ہم تو محکمہ کے ہر شخص نے سن رکھا تھا لیکن شارق اچھی طرح جانتا تھا کہ اگر وہ کسی پولیس والے کے ساتھ کھڑا باتیں کرتا ہے تو اسے پتا نہیں چلے گا کہ شارق ہے۔ لیکن پھر بھی اس نے اپنے حلئے میں کسی حد تک تبدیلی کرلی تھی۔ اس کا شیو دو تین دن سے بڑھا ہوا تھا۔ سر پر گولف کیپ پہن لی تھی اور آنکھوں پر تاریک شیشوں والا چشمہ لگا لیا تھا۔

گھر سے نکل کر وہ کچھ دور تک پیدل چلتا رہا پھر ایک موڑ پر کھڑے ہوئے رکشے میں بیٹھ گیا۔

"کہاں جانا ہے باؤ جی۔" ڈرائیور نے رکشہ اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"کہیں بھی لے چلو یار۔ سمجھ میں نہیں آتا مجھے کیا کرنا ہے کہاں جانا ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ اس کے لہجے میں بیزاری تھی۔

"چڑیا گھر لے چلوں۔" ڈرائیور نے استہزائیہ لہجے میں کہا۔

"وہیں لے چلو۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "ہم سے تو یہ جانور ہی اچھے ہیں۔ جن کی دیکھ بھال تو ہوتی ہے انسانوں کو تو کوئی پوچھتا ہی نہیں۔"

"کیا بات ہے باؤ۔ بہت بیزار نظر آرہے ہو۔" ڈرائیور نے اسے گھورا۔

"تین مہینوں سے بیکار ہوں۔ جو پیسے گاؤں سے لے کر آیا تھا ختم ہوتے جا رہے ہیں۔ سوچتا ہوں جیب خالی ہوگئی تو کیا ہوگا۔ یہاں تو کوئی کسی کو پانی بھی نہیں پوچھتا۔"

"لاہور والے اتنے ظالم تو نہیں ہیں باؤ جی۔" ڈرائیور نے کہا۔ "تمہاری باتوں سے لگتا ہے کہ لاہور والوں نے تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ لیکن یار .... سب ہی لوگ تو ایک جیسے نہیں ہوتے نا۔ اگر تمہارے پاس پیسے نہیں ہیں تو کوئی بات نہیں مجھے بتاؤ کہاں جانا ہے۔ میں پہنچا دیتا ہوں۔"

"پیسوں کی بات نہیں ہے۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "ابھی میرے پاس کچھ پیسے ہیں۔ سوچ رہا ہوں کہ یہ بھی ختم ہوگئے تو کیا ہوگا۔ کوئی کام مل نہیں رہا۔ میں تو رکشہ چلانے کو بھی تیار ہوں لیکن کہیں سے رکشہ بھی تو نہیں مل رہا۔"

"رکشہ چلا لیتے ہو تو پھر پریشانی کیسی میرے یار۔" رکشہ ڈرائیور بولا۔ "میرے ساتھ چلو۔

میں رکشہ لے کر دیتا ہوں۔ اپنی ضمانت پر۔"

"بڑی مہربانی لیکن۔"

"لیکن ویکن کچھ نہیں یار۔" ڈرائیور نے اس کی بات کاٹ دی۔ "آدمی ہی آدمی کے آتا ہے۔ اللہ بڑا بادشاہ ہے۔ تمہارا یہ بھائی لاہور موجود ہے تو تمہیں پریشان ہونے کی کیا ضرور ہے چلو پہلے چائے پیتے ہیں۔ پھر میں تمہیں رکشہ لے کر دیتا ہوں۔ ویسے تم آئے کہاں سے ہو

"چیچو کی ملیاں سے۔" شارق نے جواب دیا۔ "وہاں میاں جی کی تھوڑی بہت زمین جس میں سات بھائیوں کا حصہ تھا۔ اس زمین سے تو ہمارے گھر کا خرچ بھی پورا نہیں ہوتا تو میں بھائیوں سے اپنا حصہ لے کر یہاں آگیا۔ میں نے بی اے پاس کیا ہوا ہے۔ لاہور بڑا شہر ہے میرا خیال تھا کہ یہاں مجھے کوئی شاندار نوکری مل جائے گی۔ لیکن یہاں تو کوئی گھاس ہی نہیں ڈالتا ایک آدمی نے ہمدردی جتلا کر نوکری دلانے کے بہانے مجھ سے پانچ ہزار روپے لے لئے اور غائب ہوگیا۔"

"بڑا لعنتی تھا وہ آدمی۔" رکشہ والا بولا۔ "ایسے ہی بے ضمیر لوگ دوسروں کو بھی بد کرتے ہیں ویسے لاہور والے اتنے برے نہیں ہیں باؤ۔ یہ تو بڑا غریب پرور شہر ہے۔ یہاں لوگ بڑے جیدار ہیں۔ جیالے ہیں جیالے۔ بڑے دلیر ہیں۔ تمہیں معلوم ہوگا کہ ۶۵ اور ۷۱ ہندوستان کے ساتھ ہونے والی جنگوں میں لاہور کے جیالوں نے ہی اپنی بہادر فوج کے ساتھ مل ہندوستان کی فوج کو بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا۔"

"اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔" شارق نے جواب دیا۔ "لیکن یہاں تو ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو ہر وقت دوسروں کو لوٹنے کی فکر میں رہتے ہیں۔ میں کسی کو الزام نہیں دے رہا۔ ایسے بدنیت لوگ تو ہر شہر میں ہوتے ہیں۔"

"اب سمجھو تمہاری پریشانیاں ختم ہوگئیں۔" ڈرائیور نے کہا۔ "میں تمہیں رکشہ دلاتا ہوں۔ سب سے پہلے داتا صاحب جاکر سلام کرنا پھر اپنا کام شروع کردو۔ نیت صاف ہو تو کو مشکل باقی نہیں رہتی۔"

اس نے رکشہ ایک جگہ سڑک کے کنارے درخت کے نیچے روک لیا۔ سامنے ہی دکانیں تھیں۔ ان میں ایک چائے کی دکان بھی تھی۔ ڈرائیور نے لڑکے کو آواز دے کر دو گلاس چائے لانے کو کہا پھر اپنی سیٹ پر رخ بدل کر بیٹھ گیا اور شارق سے باتیں کرنے لگا۔

اس کا نام عبدالقدیر تھا۔ شارق کو اس کی باتوں سے اندازہ لگانے میں دشوارہ پیش نہیں کہ وہ مخلص آدمی ہے اور اس پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔ قدیر کی عمر تیس بتیس کے لگ بھگ

ہوگی۔ چھ سال پہلے اس کی شادی ہوئی تھی۔ اس کے ایک سال بعد بچی کی ولادت کے دوران بیوی کا انتقال ہوگیا۔ ایک مہینے بعد بچی کا بھی انتقال ہوگیا۔ قدیر اکیلا ہی تھا۔ اس کا آگے پیچھے کوئی نہیں تھا۔

چائے پینے کے بعد وہ شارق کو اچھرے لے آیا۔ وہ جس مکان میں رہ رہا تھا وہ کسی طویلے سے ملتا جلتا تھا لکڑی کا گیٹ تھا اور اس سے آگے لمبا چوڑا صحن اور اس کے بعد دو کمرے تھے جن کے سامنے برآمدہ بھی تھا۔ کمروں کے ساتھ دوسری طرف باورچی خانہ تھا اور باہر والے گیٹ کے قریب ہی ٹوائلٹ تھا جس پر ٹین کی چھت تھی اور دروازے کی جگہ ٹاٹ پڑا ہوا تھا۔ صحن میں کائن کا گھنی چھاؤں والا درخت تھا۔ درخت کے نیچے ایک پرانا سا رکشہ بھی کھڑا تھا۔

"لے میرے یار۔" قدیر نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ ہے وہ رکشہ جو تم نے چلانا ہے۔ اس کی ٹینکی فل ہے۔"

"یہ کس کا رکشہ ہے؟" شارق نے اسے گھورا۔

"میرا ہے۔" قدیر نے جواب دیا۔ "میں نے کہا تھا ناکہ اپنی ضمانت پر رکشہ دلاؤں گا۔ جا لے جا اسے۔ میں رات کو گیارہ بجے واپس آتا ہوں۔ ویسے تو گیٹ کی ایک چابی اپنے پاس رکھ لے۔ تاکہ تمہیں رکشہ لانے یا لے جانے میں پریشانی نہ ہو۔"

"عجیب آدمی ہو۔" شارق اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "تم مجھے جانتے تک نہیں اور نہ صرف اپنا رکشہ بلکہ گھر کی چابی تک مجھے دے رہے ہو۔"

"اگر میں تمہیں نہیں جانتا تو کیا ہوا۔" قدیر نے جواب دیا۔ "نہ تو تم رکشہ لے کر بھاگ جاؤ گے اور نہ میرا مکان۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ "انسان اپنی باتوں سے پہچانا جاتا ہے۔ شارق باؤ۔ اسے آزمانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔"

"کیا...؟" شارق اچھل پڑا۔ "تت۔ تم مجھے جانتے ہو؟"

"میں نے تمہیں اس وقت پہچانا تھا جب تم پہلی مرتبہ میرے رکشے میں بیٹھے تھے اور میں تم سے باتیں کر رہا تھا۔ آؤ اب میں تمہیں ایک چیز دکھاؤں۔" قدیر نے اپنے رکشے کے قریب آکر اپنی سیٹ پر رکھی ہوئی گدی کے نیچے سے اخبار نکالا اور اس کا پہلا صفحہ سیدھا کرکے شارق کے سامنے کر دیا۔ "یہ آج کا اخبار ہے۔ اور یہ دیکھ لو۔"

شارق نے اخبار لے لیا اور اس کے ساتھ ہی اس کے دماغ میں تیز سنسناہٹ ہونے لگی۔ پہلے صفحہ پر وہ خاصا بڑا اشتہار تھا۔ جس میں شارق کی تصویر بھی نمایاں طور پر شامل تھی۔ اس کے ساتھ تصویر کی جگہ کے برابر خالی بوکس بنا ہوا تھا اس کے نیچے ثمینہ کا نام لکھا ہوا تھا۔

یہ اشتہار حکومت کی طرف سے شائع ہوا تھا۔ ان دونوں کی گرفتاری ان کی گرفتاری میں مدد دینے والے یا ان کے بارے میں مصدقہ اطلاع فراہم کرنے والے کو بیس بیس لاکھ روپے انعام دینے کا اعلان کیا گیا تھا۔

"تم نے یہ اشتہار پڑھا تھا اور مجھے پہچان بھی لیا تھا۔" شارق قدیر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "بیس لاکھ روپے بہت بڑی رقم ہوتی ہے قدیر۔ مجھے پہچان لینے کے باوجود تم نے مجھے گرفتار کرانے کی کوشش نہیں کی بلکہ اپنے گھر لے آئے ہو۔"

"شارق باؤ۔" قدیر نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "میں نے کہا تھا ناکہ سب لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے ہیں۔"

"اس اشتہار میں یہ بھی لکھا ہے کہ ان دونوں کو پناہ دینے والوں کو بھی سخت ترین سزا دی جائے گی۔" شارق بولا۔

"میں نے پڑھا ہے۔" قدیر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اس کے باوجود تم۔"

"اس بحث کو چھوڑو شارق باؤ۔" قدیر نے اس کی بات کاٹ دی۔ "یہ ضروری نہیں کہ پولیس نے جس شخص کو مجرم قرار دیدیا ہے وہ مجرم ہی ہو۔ کچھ لوگ تو واقعی مجرم ہوتے ہیں اور کچھ کو مجرم بنا دیا جاتا ہے۔ میرے سامنے تو تمہاری مثال ہے۔ میں تمہارے بارے میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"وہ کیسے؟ میں نے تو تمہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" شارق بولا۔

"لیکن میں نے تمہیں بہت عرصے تک دیکھا ہے۔" قدیر چند لمحوں کو خاموش ہوا۔ پھر بولا۔ "محلہ حویلیاں۔ کوچہ لالہ ہرنام داس۔ تمہارا بچپن وہیں گزرا تھا۔ پھر جب تم سزا کاٹ کر آئے تھے تو ماسی مریم نے تمہیں اپنے گھر میں پناہ دی تھی۔ میں ماسی مریم کے ساتھ والے گھر میں رہتا تھا۔ میرا بچپن اور جوانی اسی محلے میں گزری ہے۔ اسی لئے تمہارے بارے میں سب کچھ جانتا ہوں۔ میں تمہیں مجرم نہیں سمجھتا۔ مجرم تو وہ معاشرہ اور وہ قانون ہے جو ایک شریف آدمی کو راستے سے بھٹکا دیتا ہے۔"

"مجرم دراصل قانون نہیں' قانون کے وہ محافظ ہیں جنہوں نے اسے آمدنی کا ایک ذریعہ بنا لیا ہے۔" شارق بولا۔ "بہرحال' مجھے خوشی ہوئی کہ تم جیسا ایک مخلص دوست مل گیا جس پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن تم نے مجھے پہچان کیسے لیا۔ اخبار میں شائع ہونے والی میری یہ تصویر تو بہت پرانی ہے۔"

"اگر میں نے تمہیں پہلے سے نہ دیکھا ہوتا تو کبھی بھی نہ پہچان سکتا۔ ویسے اطمینان رکھو شارق باؤ۔ اس تصویر کی وجہ سے تمہیں کوئی بھی نہیں پہچان سکتا اور ہاں ایک بات تو بتاؤ شارق باؤ۔"

"وہ کیا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جب تم مجھے چیچو کی ملیاں والی کہانی سنا رہے تھے تو میں دل ہی دل میں ہنس رہا تھا۔ لیکن یہ تو بتاؤ تمہیں رکشے کی کیا ضرورت پڑ گئی؟" قدیر نے پوچھا۔

"میں دراصل رکشہ ڈرائیور کے بھیس میں کچھ لوگوں کی نگرانی کرنا چاہتا تھا۔ اس طرح آدمی کم از کم پولیس کی چیکنگ سے بچ جاتا ہے۔ پولیس رکشہ ٹیکسی ڈرائیوروں کو نظرانداز کردیتی ہے۔ اسی طرح میں کسی قدر آسانی سے گھوم سکتا ہوں۔"

"مجھے کام بتاؤ شارق باؤ۔ میں حاضر ہوں۔" قدیر نے کہا۔

شارق چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ "ضرور ضرور ..... مجھے تم جیسے مخلص اور قابل اعتماد دوستوں کی ضرورت ہے۔"

"دوست نہیں مجھے بھائی سمجھو۔ تم ہر قدم پر مجھے اپنے ساتھ پاؤ گے۔" قدیر نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "یہ بتاؤ ماسی مریم کیسی ہے اور اسکی بیٹی کا کیا نام ہے۔ میں تو بھول ہی گیا۔ بہرحال وہ دونوں کیسی ہیں۔ حاجی نے ان کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔"

"وہ دونوں میرے پاس ہیں اور خیریت سے ہیں۔ حاجی اپنے کئے کی سزا بھگت رہا ہے۔ لیکن اب باقی باتیں یہاں نہیں گھر چل کر ہوں گی۔ ماں جی تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوں گی۔"

"ماں جی کون؟ قدیر نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تمہاری ماسی مریم اور میری ماں جی۔" شارق نے کہا اور ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہاں ٹیلی فون بھی ہے۔" اس نے ٹیلی فون کا تار دیکھ لیا تھا۔

"ابا جی نے یہ جگہ کرائے پر دی ہوئی تھی۔ ٹیلی فون کرائے داروں نے لگوایا تھا۔ چھ سات مہینے پہلے میں نے یہ جگہ خالی کروالی۔ لوہاری والا مکان میں نے بیچ دیا تھا۔ اب اس محلے کا بھی مزا نہیں رہا۔ وہ لوگ ہی نہیں رہے۔"

شارق ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ یہ دراصل اچھرے کے بغل میں ایک غیر قانونی بستی تھی۔ اکا دکا ورکشاپ تھے۔ اور بستی کے زیادہ مکان گوداموں کے طور پر استعمال ہوتے تھے۔ اسی لئے دن کے وقت بھی اس طرف سناٹا تھا۔

"ٹھیک ہے قدیر ..... اب چلو۔ باقی باتیں گھر پر ہوں گی۔" شارق نے کہا۔ قدیر اپنا رکشہ

باہر لے آیا۔ اس نے گیٹ کو تالا لگا دیا۔ اس دوران شارق سیٹ پر بیٹھ چکا تھا۔

"کہاں جانا ہے؟" قدیر نے رکشہ اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"گلبرگ۔ جہاں سے آئے تھے۔" شارق نے جواب دیا۔

رکشا اس آبادی سے نکل کر مین روڈ پر آگیا۔ شارق بڑی گہری نظروں سے اس علاقے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس کے خیال میں قدیر کا مکان اس کی خفیہ سرگرمیوں کے لئے ایک آئیڈیل جگہ ہوسکتی تھی' اور قدیر اس کی مدد کرنے کو بھی تیار تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ شارق کی گرفتاری کے لئے بیس لاکھ روپے انعام اور اسے پناہ دینے والے کے لئے سخت ترین سزا کا اعلان کیا گیا تھا' اس کے باوجود وہ شارق کی مدد کرنے پر آمادہ تھا۔ وہ شارق کے بارے میں سب کچھ جانتا تھا اس لئے اسے بے قصور سمجھتا تھا مجرم نہیں۔ اس لئے اس نے شارق کو اپنی مدد کی پیشکش بھی کردی تھی۔

گلبرگ کے علاقے میں پہنچ کر شارق اسے راستہ بتاتا رہا اور بالآخر اس نے کوٹھی کے سامنے رکشہ رکوالیا۔ دونوں نیچے اتر آئے۔ کال بیل کے جواب میں گیٹ کا چھوٹا دروازہ رضیہ نے کھولا تھا۔ شارق کے ساتھ ایک اجنبی کو دیکھ کر وہ جھجک کر پیچھے ہٹ گئی تھی۔

"ارے رجو؟" قدیر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "پہچانا نہیں مجھے ارے میں قدیر ہوں۔ بھول گئیں مجھے۔ میں اماں رحیماں کا بیٹا ہوں۔ لوہاری میں تمہارے پڑوس میں رہتا تھا۔"

رضیہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

"میں نے پہچان لیا ہے قدیر بھائی۔ اماں رحیماں کیسی ہیں؟" وہ بولی۔

"اماں تو انہی دنوں گزر گئی تھی جب تم لوگ اپنا گھر چھوڑ کر چلے گئے تھے۔"

"بڑا افسوس ہوا قدیر بھائی۔" رضیہ نے افسوس کا اظہار کیا۔ "چلو۔ اندر چلو۔ اماں تمہیں دیکھ کر بہت خوش ہوں گی۔"

مریم واقعی قدیر کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی تھی۔ پرانے محلے کا پہلا آدمی تھا جو ان سے ملا تھا۔ وہ دیر تک بیٹھے پرانی یادیں تازہ کرتے رہے تھے۔ قدیر نے دوپہر کا کھانا بھی وہیں کھایا۔ کھانے کے بعد شارق اسے لے کر ڈرائنگ روم میں آگیا اور دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا۔

"تمہارا وہ مکان میرے مقاصد کے لئے ایک آئیڈیل جگہ ہے۔ اگر تم اجازت۔"

"اجازت؟ قدیر نے اس کی بات کاٹ دی۔" چابی تو میں تمہیں دے چکا ہوں شارق اب اجازت کیسی؟ وہ مکان واقعی ایک آئیڈیل جگہ ہے۔ وہاں تو دن کو بھی سناٹا رہتا ہے اور کو تو یہاں کسی بندے کو بھی ذبح کر دو تو کسی کو خبر نہیں ہوگی۔"

"ٹھیک ہے۔ مجھے ایسی ہی جگہ کی ضرورت تھی جہاں کسی کی مداخلت نہ ہو۔" شارق نے کہا۔ "یہ کوٹھی میں نے اماں اور رضیہ کے لئے کرائے پر لے رکھی ہے۔ اس کے بارے میں کسی کو علم نہیں ہے۔ میری وجہ سے ان دونوں ماں بیٹی کو بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اب وہ دونوں آرام و سکون سے رہیں۔"

"میں تمہاری بات کا مطلب سمجھ رہا ہوں شارق باؤ۔" قدیر نے کہا۔ "اس کوٹھی کے بارے میں کسی کو پتا نہیں چلے گا۔"

وہ ابھی باتیں کر رہے تھے کہ ثمینہ اور شاہ پری بھی پہنچ گئیں۔ شارق نے ان کا تعارف کرایا تو ثمینہ کے نام پر قدیر اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

"آپ تو عورت نہیں شیرنی ہیں ثمینہ بی بی۔" قدیر نے کہا۔ "آپ کے نام کی تو بڑی دہشت پھیلی ہوئی ہے۔"

"حالانکہ میں ایسی نہیں ہوں۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

ثمینہ وہیں بیٹھ گئی تھی جبکہ شاہ پری اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ شارق نے ان دونوں کو دیکھتے ہی اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ تھکی ہوئی ہیں۔ حالانکہ سفر بھی زیادہ طویل نہیں تھا۔

"کیا رہا ثمینہ؟ ان سے ملاقات ہوئی یا نہیں؟" شارق نے پوچھا۔

"ملاقات ہوگئی۔ بلکہ وہ دونوں ہمارے ساتھ ہی لاہور واپس آگئے ہیں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"کیوں؟" شارق نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "کیا تم نے انہیں میرا پیغام نہیں دیا تھا؟"

"پیغام تو میں نے دیدیا تھا مگر ظفری نے کہا تھا کہ مجیدے کی مداخلت کی وجہ سے کچھ زیادہ خطرہ ہوسکتی ہے۔ ان حالات میں ہمیں کسی بھی وقت ان کی ضرورت پڑسکتی ہے۔ وہ دونوں گڑھی شاہو میں ظفری کے ایک دوست کے ہاں چلے گئے ہیں۔" ظفری نے مجھے پتا سمجھا دیا ہے۔" ثمینہ نے بتایا۔

"اچھا۔ تم وہ پتا ذرا مجھے سمجھا دو اور جاکر آرام کرو۔ بہت تھکی ہوئی لگ رہی ہو۔" شارق نے کہا۔

"تھکی ہوئی بھی ہوں اور بھوک بھی لگ رہی ہے۔ ہم نے ابھی تک کچھ نہیں کھایا۔" ثمینہ نے کہا اور ظفری کے دوست رحمان کا پتا سمجھانے لگی اور پھر کچھ دیر بعد وہ اٹھ کر ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔

"اب کیا پروگرام ہے شارق باؤ۔" قدیر نے پوچھا۔

"میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ تم اپنا دوسرا رکشہ مجھے دے دو۔ میں شہر کا چکر لگانا چاہتا ہوں۔ رات نو بجے کے بعد تم اپنے گھر پر ہی رہنا۔ میں فون پر تم سے بات کروں گا۔" شارق نے کہا۔

"تم یہی رکشہ رکھ لو شارق باؤ۔ میں اب گھر جاکر آرام ہی کروں گا۔ نو بجے سے پہلے بھی جب چاہو فون کرلینا۔" قدیر صوفے سے اٹھتے ہوئے بولا۔ اس نے رکشے کی چابی شارق کے حوالے کردی۔ بڑا ٹائٹ رکھا ہوا ہے یہ رکشہ میں نے۔ پہلی کک میں اسٹارٹ ہو جاتا ہے۔ تمہیں ذرا بھی پریشان نہیں کرے گا۔"

"پریشان کرے گا بھی تو میں اس کا علاج کرلوں گا۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

وہ اس کے ساتھ ڈرائنگ روم سے باہر آگیا اور اسے رخصت کرنے کے لئے مین گیٹ تک آیا تھا۔

قدیر کے جانے کے تقریباً ایک گھنٹہ بعد شارق بھی گھر سے نکلا۔ اس کا حلیہ رکشہ ڈرائیوروں جیسا ہی تھا۔ سر پر گولف کیپ کے بجائے اب لوفرانہ انداز میں مفلر کی قسم کا ایک کپڑا لپٹا ہوا تھا۔

وہ گلبرگ سے نکل کر سیدھا گڑھی شاہو پہنچا۔ اس آبادی کے پچھلی طرف ریلوے لائن کے سامنے اسے رحمان کا مکان تلاش کرنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ دستک کے جواب میں دروازہ ایک ادھیڑ عمر عورت نے کھولا تھا۔ اگر اس گھر میں خوشحالی ہوئی تو وہ عورت خاصی حسین ہوسکتی تھی۔ لیکن غریبی نے اس کا حسن غارت کرکے رکھ دیا تھا۔

"جی۔ کس سے ملنا ہے آپ کو؟" اس عورت نے بڑے شائستہ لہجے میں پوچھا۔

"رحمان سے۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں اس کا دوست ہوں۔"

دوست کا لفظ سن کر اس عورت کا رویہ ایک دم بدل گیا۔ اس کی ساری شائستگی رخصت ہوگئی۔ چہرے کے تاثرات بگڑ گئے۔

"پتا نہیں کہاں کہاں سے آجاتے ہیں۔ نہ خود کوئی کام دھندا کرتے ہیں نہ اسے کرنے دیتے ہیں۔ دو مفت خورے پہلے بھی آکر بیٹھے ہوئے ہیں۔ کھانا بھی کھلاؤ' چائے بھی بار بار پلاؤ... اونہہ..... دوست ہیں....."

وہ بڑبڑاتی ہوئی اندر چلی گئی۔ شارق کو اس کی باتیں سن کر بڑا افسوس ہوا تھا۔ اسے انداز لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ رحمان بیکار تھا۔ اور کوئی کام دھندا نہیں کرتا تھا۔ ستم

کہ اس کے دوست بھی گھر پر آتے رہتے ہوں گے۔ اس تکلیف دہ صورتحال کو وہی عورت سمجھ سکتی ہے جو سب کچھ بھگت رہی ہو۔ شارق کو واقعی افسوس ہوا تھا۔

کچھ دیر بعد ایک آدمی دروازے پر آگیا۔ وہ دبلا پتلا مدقوق سا آدمی تھا۔ کئی روز کا شیو بڑھا ہوا تھا۔ وہ شکل ہی سے بیمار سا لگ رہا تھا۔

"ظفری اور پپو تمہارے ہاں آئے ہوئے ہیں۔ ان سے کہو شارق آیا ہے۔" شارق نے اس کے چہرے پر نظر جماتے ہوئے کہا۔

"شارق باؤ۔" رحمان بدحواس سا ہوگیا۔ "آؤ .... آؤ.... اندر آجاؤ۔ شارق باؤ" وہ جلدی سے راستے سے ہٹ گیا۔ شارق کے اندر داخل ہوتے ہی اس نے گردن نکال کر ادھر ادھر جھانکا جیسے اندیشہ ہو کہ کسی نے دیکھ تو نہیں لیا۔ پھر اس نے دھڑ سے دروازہ بند کرکے کنڈا لگایا۔ "ادھر آجاؤ شارق بابو۔ اس کمرے میں۔"

وہ عورت دوسرے کمرے کے دروازے میں کھڑی کھا جانے والی نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شارق' رحمان کے ساتھ ایک کمرے میں داخل ہوگیا۔ جہاں ریگزین کے صوفوں پر ظفری اور پپو ٹانگیں پھیلائے بیٹھے تھے۔ وہ دونوں اسے دیکھ کر گڑبڑا سے گئے۔ اور ایک دم اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔

"ظفری!" شارق اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ ہے تمہارا دوست رحمان۔" وہ رحمان کی طرف مڑگیا۔ "تم کوئی کام کیوں نہیں کرتے رحمان۔ کیا تمہیں احساس نہیں کہ تمہاری گھر والی کتنی پریشان ہے۔ میں نے ایک چھوٹی بچی کو بھی دیکھا ہے۔ مرد کما کر نہ لائے تو عورت کا پریشان ہونا فطری امر ہے۔"

"یہ سب کچھ تمہیں کیسے پتا چلا شارق باؤ۔" رحمان کا چہرہ اتر گیا۔

"تمہارے گھر کی حالت دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا ہے۔" شارق نے کہا۔ "کوئی کام کیوں نہیں کرتے۔"

"کام کرتا تھا شارق باؤ۔" رحمان نے مردہ سے لہجے میں جواب دیا۔ "بازار میں تکے کباب لگاتا تھا۔ لیکن پھر اس دکاندار نے مجھے اٹھا دیا جس کے تھڑے پر میں دکان لگاتا تھا۔ اس طرح میرا کام بند ہوگیا۔ کوئی اور جگہ ہی نہیں مل رہی' جگہ مل بھی جائے تو کام شروع کرنے کے لئے پیسہ نہیں ہے۔ کسی دوست کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی میری عادت نہیں۔"

"کل سب سے پہلا کام تم یہ کرو گے کہ کرائے کی کوئی دکان تلاش کرو۔ اس کے بعد دیکھا جائے گا۔" شارق بولا۔

"دکان تو ایک ہے بڑے موقع کی۔" رحمان نے کہا۔ "لیکن وہ پندرہ سو روپے کرایہ اور پچاس ہزار روپے پگڑی مانگتا ہے۔ میرے پاس اتنے پیسے کہاں؟"

"پیسوں کا بندوبست ہو جائے گا۔ تم کل دکان کی بات کرو۔" شارق نے جیب سے پانچ ہزار روپے کے نوٹ نکال کر اس کے ہاتھ میں تھما دیئے۔ "دکان کی بات کرکے بیعانہ دے دو۔ باقی پیسے بھی تمہیں کل ہی مل جائیں گے۔ میں ایک ہفتے کے اندر اندر تمہاری دکان چلتی ہوئی دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"شارق باؤ۔" رحمان کی آواز رندھ گئی۔ "تم تو میرے گھر میں رحمت کا فرشتہ بن کر آئے ہو۔ کام شروع ہو جائے گا تو تھوڑے تھوڑے پیسے جمع کرکے تمہاری پائی پائی چکا دوں گا۔"

"میں تمہیں قرض نہیں دے رہا۔" شارق نے کہا۔ "دل لگا کر اپنا کام چلاؤ اور گھر کا خیال رکھو۔" وہ ظفری اور پپو کی طرف مڑ گیا۔ "میرے یہاں سے نکلنے کے تھوڑی دیر بعد تم لوگ بھی نکل جاؤ۔ حویلی کی طرف جانے کی ضرورت نہیں۔ اچھرہ موڑ پر فیتے چائے والے کی دکان پر چھ بجے میرا انتظار کرنا۔"

"ٹھیک ہے۔ شارق باؤ۔ ہم چھ بجے پہنچ جائیں گے۔" ظفری نے جواب دیا۔

شارق ان تینوں سے ہاتھ ملا کر باہر نکل گیا۔ اس کا رکشہ کچھ دور کھڑا تھا۔ شارق نے سیٹ پر بیٹھ کر رکشہ اسٹارٹ کیا اور اسے بازار کی طرف موڑ کر لے گیا۔

مجیدے کا اڈا بھی دراصل تکے کباب کی دکان تھی۔ اس وقت دکان بند تھی۔ اس قسم کے کھانے پینے کا کاروبار شام کے بعد ہی ہوتا تھا اور ایسی دکانوں پر خاصی رونق ہوا کرتی تھی۔ مجیدا اس دکانداری کی آڑ میں اپنا سفید پاؤڈر کا دھندا بھی چلاتا تھا۔

شارق ہلکی رفتار سے رکشے کو آگے نکال لے گیا۔ بعض لوگوں نے رکشے کو رکنے کا اشارہ کیا تھا۔ لیکن شارق روایتی رکشہ ڈرائیوروں کی طرح انکار میں سر ہلاتا ہوا رکشے کو مین روڈ پر لے آیا۔

شملہ پہاڑی اور اسمبلی ہال کے قریب سے ہوتے ہوئے وہ مال روڈ پر نکل آیا۔ ایک جگہ اس نے رکشہ سروس روڈ پر روک لیا اور نیچے اتر کر ادھر ادھر دیکھتا ہوا ایک دکان میں گھس گیا۔ کیمروں اور فوٹو گرافی کے سامان کی ایک بہت بڑی دکان تھی۔ ایک سیلز مین یہ سمجھا کہ شاید اسے اپنے کیمرے کے لئے کوئی فلم چاہئے ہوگی۔ شارق کا حلیہ دیکھ کر اس کا طرز عمل بھی بس ایویں سا تھا۔ لیکن جب شارق نے کوئی اچھا کیمرہ دکھانے کی فرمائش کی تو اس نے دو تین سستے قسم کے کیمرے سامنے رکھ دیئے۔

"کسی بڑی دکان پر ملازمت کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم بھی بہت بڑے بن گئے ہو۔ گاہک کے ساتھ اس قسم کا رویہ بدتمیزی کہلاتا ہے۔ میں نے تمہیں کوئی اچھا کیمرہ دکھانے کو کہا تھا اور تم ...."

"کیسا کیمرہ چاہئے۔" سیلز مین نے اس کی بات کاٹتے ہوئے روکھے لہجے میں کہا۔ شارق نے دو تین بڑھیا کوالٹی اور قیمتی کیمروں کے نام لئے تو سیلزمین چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس نے شارق کو اوپر سے نیچے تک گھور کر دیکھا پھر اس کے مطلوبہ کیمرے نکال کر اس کے سامنے رکھ دیئے۔

شارق نے یاشیکا کا آٹومیٹک کیمرہ پسند کیا۔ اس کے ساتھ فلش لائٹ بھی تھی۔ بلیک اینڈ وائٹ فلم کے دو رول بھی خریدے' بارگیننگ کئے بغیر قیمت ادا کی اور وہ شاپنگ بیگ اٹھا کر دکان سے باہر آگیا۔ جس میں کیمرہ وغیرہ رکھ دیا تھا۔ جب وہ رکشے کے قریب پہنچا تو ٹھٹک گیا۔ شارق جب رکشے میں بیٹھنے لگا تو ہیڈ کانسٹیبل نے اسے روک لیا۔

"اوئے ۔ تمہیں پتا نہیں کہ یہاں رکشہ کھڑا کرنا منع ہے۔" ہیڈ کانسٹیبل نے اسے گھورا۔

"غلطی ہوگئی حوالدار جی۔" شارق نے جلدی سے جیب سے دس کا ایک نوٹ نکال کر اس کی مٹھی میں دبا دیا۔ "آئندہ یاد رکھوں گا جی۔"

"اب تو تم یاد رکھو گے۔" ہیڈ کانسٹیبل بولا۔ "جا" لے جا رکشہ یہاں سے۔

شارق نے شاپنگ بیگ احتیاط سے آگے بنی ہوئی باسکٹ میں رکھ دیا اور رکشہ اسٹارٹ کرکے آگے بڑھا دیا۔

اچھرے میں قدیر کے ٹھکانے پر پہنچنے میں شارق کو زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ قدیر گھر پر ہی تھا۔ رکشے کی آواز سن کر اس نے گیٹ کھول دیا اور شارق رکشے کو اندر لیتا چلا گیا۔

شارق نے پہلے مکان کا اچھی طرح جائزہ لیا پھر چھت پر جاکر روشندان میں باہر کی طرف سے کیمرہ فٹ کردیا۔ درخت کی شاخیں چھت پر جھکی ہوئی تھیں اور روشن دان کے قریب چھت پر آسانی سے چھپا جاسکتا تھا۔

"یہ کیا کر رہے ہو شارق باؤ۔" قدیر نے کہا۔

"دیکھتے رہو۔" شارق نے جواب دیا۔ "آج رات یہاں پہلا ڈرامہ ہوگا۔"

"میں سمجھا نہیں شارق باؤ۔" قدیر کے لہجے میں الجھن تھی۔ "سمجھ جاؤ گے۔ سب کچھ تمہارے سامنے ہوگا۔" شارق نے کہا۔

اپنے سارے کام مکمل کرنے کے بعد وہ گھڑی دیکھنے لگا۔ پونے چھ بج رہے تھے۔ وہ ظفری

اور پپو کو لینے چلا گیا۔ ان کی واپسی تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ وہ دونوں اس کے ساتھ تھے۔ اتفاق سے ظفری سے قدیر کی کچھ شناسائی نکل آئی۔

"تم دونوں اب یہیں رہو گے۔" شارق نے کہا۔ "آج کی رات تو اس طرح گزارا کرنا ہوگا کل دن میں سامان وغیرہ لاکر سیٹ کرلینا۔"

"تم ہماری فکری مت کرو شارق باؤ۔ ہم تو زمین پر بھی سو جائیں گے۔" ظفری نے کہا۔

"میں ایک کام سے جا رہا ہوں۔ میری واپسی تقریباً دو گھنٹے بعد ہوگی۔" شارق کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔

وہ سیدھا گڑھی شاہو پہنچا تھا۔ اس نے رکشے پر ہی بازار کے ایک دو چکر لگائے۔ مجیدے کے اڈے کی دکانداری شروع ہوچکی تھی۔ دکان کے سامنے والے تھڑے پر بڑے بڑے کباب دانوں پر تکے کباب اور چرغہ وغیرہ بن رہے تھے۔ دکان کے سامنے چند بنچ پڑے تھے جن پر گاہک بیٹھے ہوئے تھے۔ دکان کے اندر بھی گاہکوں کے بیٹھنے کا انتظام تھا۔ ایک طرف چھوٹا سا کاؤنٹر بھی بنا ہوا تھا۔ وہاں اس وقت مجیدے کے بجائے کوئی اور آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بھی شکل ہی سے بدمعاش لگ رہا تھا۔ اس کی نوکدار مونچھیں خاصی بڑی تھیں۔

شارق واپس آگیا۔ ظفری وغیرہ اس وقت چائے پی رہے تھے۔ قدیر نے ایک پیالی شارق کے ہاتھ میں بھی تھما دی۔ چائے پیتے ہوئے شارق نے فون کا ریسیور اٹھا لیا اور انسپکٹر عثمان کا نمبر ملانے لگا۔ کال عثمان ہی نے ریسیو کی تھی۔

"حاجی کے بارے میں کوئی نئی اطلاع؟" شارق نے پوچھا۔

"ابھی تک کوئی اطلاع نہیں ملی۔" عثمان نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ لیکن اس دوران تمہیں ایک اور کام کرنا ہے۔ مجیدے کو جانتے ہو؟" شارق نے پوچھا۔

"وہ ماجھا گجر کا ساتھی۔"

"ہاں وہی۔" شارق بولا۔ "گڑھی شاہو میں اس کی تکے کباب کی دکان ہے اور اس دکان پر وہ سفید پاؤڈر کا دھندا بھی کرتا ہے۔ اس دکان پر لمبی مونچھوں والا ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے۔ اسے اٹھانا ہے۔ مجیدے کو نہیں چھیڑنا۔ صرف اس مونچھوں والے کو۔"

"نوکدار لمبی مونچھوں والا زلفی' مجیدے کا چچا زاد بھائی ہے۔ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ لیکن چکر کیا ہے۔ اسے کیوں اٹھوانا چاہتے ہو۔" عثمان نے پوچھا۔

"یہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ زلفی کو لے کر اچھرے آجاؤ۔ میں فیقے چائے والے کی

دکان کے قریب تمہارا انتظار کروں گا۔ کتنی دیر میں پہنچو گے۔"

"گیارہ بجے کے قریب۔" عثمان نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں انتظار کروں گا۔" شارق نے کہہ کر فون بند کردیا۔

اس وقت رات کے آٹھ بجے تھے۔ شارق ایک بار پھر مکان کا جائزہ لینے لگا۔ قدیر نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ رات کے وقت اگر یہاں کسی آدمی کو ذبح بھی کر دیا جائے تو کسی کو خبر نہیں ہوگی۔ اس قدر سناٹا تھا اس علاقے میں۔

قدیر نے کھانے کا بندوبست کر لیا تھا۔ دس بجے کے قریب انہوں نے کھانا کھایا اور پونے گیارہ بجے شارق باہر آکر سڑک پر کھڑا ہوگیا۔ سڑک کی طرف بھی تمام ورکشاپ وغیرہ تھے۔ ایک ویلڈر کی دکان تھی جہاں اس وقت بھی کوئی کام ہو رہا تھا۔ چمک بار بار پھیل رہی تھی۔ سڑک پر اکا دکا گاڑیوں کی آمدورفت جاری تھی۔ سوا گیارہ بجے کے قریب سرخ رنگ کی ایک کار شارق کے قریب آکر رکی۔ شارق محتاط انداز میں کھڑا تھا۔ اس کا دائیاں ہاتھ پتلون کی جیب میں رکھے ہوئے پستول پر تھا۔ کار رکی تو اس نے جھک کر دیکھا۔ اسٹیئرنگ کے سامنے انسپکٹر عثمان بیٹھا ہوا تھا۔ شارق دروازہ کھول کر ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔

"گاڑی آگے بائیں طرف گلی میں موڑ لو۔" اس نے انسپکٹر عثمان کو مخاطب کرکے کہا اور پیچھے مڑ کر دیکھنے لگا۔

"وہ کہاں ہے؟" شارق نے عثمان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ڈکی میں۔" عثمان نے کہتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔

دو تین منٹ بعد وہ قدیر کے ڈیرے پر پہنچ چکے تھے۔ زلفی کو کار کی ڈکی سے نکال کر ایک کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ اس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے اور منہ میں بھی کپڑا ٹھنسا ہوا تھا۔ شارق کے اشارے پر اسے کھول دیا گیا۔

"عثمان؟" شارق اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اس سے یہ معلوم کرنا ہے کہ مجیدا' چھانگے کے مزنگ والے ڈیرے سے اسلحہ کی جو پیٹیاں لے کر گیا تھا وہ کہاں رکھی گئی ہیں۔ تم پولیس کے ایک تجربہ کار آفیسر ہو۔ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ کسی کی زبان کیسے کھلوائی جاسکتی ہے۔ اگر یہ زبان نہ کھولے تو اس کی گردن مروڑ دو۔" شارق چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "یہ کام میرے آدمی بھی کرسکتے ہیں لیکن میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ اگر تم حاجی کے خلاف میرے ساتھ مل کر کام کرنا چاہتے ہو تو کس حد تک جاسکتے ہو۔"

"گویا مجھے آزمانا چاہتے ہو۔" انسپکٹر عثمان مسکرایا۔

"یہی سمجھو لو۔" شارق بھی مسکرا دیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا وہ سب باہر نکل آئے۔

شارق پچھلی طرف جاکر پڑی پھرتی سے مکان کی چھت پر چڑھ گیا اور روشندان سے اندر جھانکنے لگا۔ روشندان میں کیمرہ وہ پہلے ہی فٹ کرچکا تھا۔

انسپکٹر عثمان نے اپنا کام شروع کردیا تھا۔ وہ پہلے تو زلفی سے سوال کرتا رہا۔ زلفی ہر سوال کا جواب نفی میں دے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر بے پناہ خوف تھا۔ کچھ ہی دیر بعد انسپکٹر عثمان کے ہاتھ حرکت میں آگئے۔

شارق نے قریب پڑا ہوا تھیلا کھول لیا اور اس میں سے ماچس کی ڈبیا کے برابر کالے رنگ کی ایک چھوٹی سی ڈبیہ نکال کر کیمرے کی فلش لائٹ کی جگہ فٹ کردی فلش لائٹ اس نے ایک طرف رکھ دی تھی۔

کمرے میں زلفی کی چیخیں گونج رہی تھیں۔ شارق، عثمان اور زلفی کی تصویریں کھینچ رہا تھا۔ کیمرے پر لگائی جانے والی وہ سیاہ ڈبیا دراصل انفراریڈ شعاعوں کی بیٹری تھی۔ اس کی وجہ سے تصویریں کھینچنے کے لئے روشنی کی ضرورت نہیں تھی۔ تاریکی میں بھی تصویریں کھینچی جاسکتی تھیں۔

شارق نے سات آٹھ تصویریں کھینچی تھیں۔ آخری تصویر سب سے زیادہ دلچسپ تھی۔ انسپکٹر عثمان نے زلفی کی گردن پر بازو سے چوک ہولڈ لگایا ہوا تھا۔ ان دونوں کے چہرے صاف نظر آرہے تھے۔ زلفی کے چہرے پر بے پناہ خوف تھا۔ اس کی آنکھیں باہر کو ابلی پڑ رہی تھیں جبکہ انسپکٹر عثمان کے چہرے پر جنون اور درندگی کے تاثرات نمایاں تھے۔

تصویریں کھینچنے کے بعد شارق چھت سے اتر آیا۔ اس نے کیمرہ وہیں چھوڑ دیا تھا۔ وہ جب کمرے میں داخل ہوا تو انسپکٹر عثمان زلفی پر ٹھوکریں برسا رہا تھا۔

"بس چھوڑ دو اسے۔" شارق عثمان کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "یہ تمہیں کچھ نہیں بتائے گا۔ میں پوچھ لوں گا اس سے۔"

"میں نے تو پتھروں کو بھی بولنے پر مجبور کر دیا ہے۔ یہ کیسے زبان نہیں کھولے گا۔" عثمان نے زلفی کو ایک اور ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ اب تم چھوڑ دو۔ میں زبان کھلوا لوں گا اس کی۔" شارق بولا تو انسپکٹر عثمان پیچھے ہٹ گیا۔

"یہ جگہ۔" وہ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔ "میرا خفیہ ٹھکانا ہے۔ یہاں ٹیلی فون بھی موجود

ہے۔ تم فون نمبر نوٹ کرلو۔ حاجی کے بارے میں جیسے ہی کوئی نئی بات معلوم ہو اس نمبر پر رنگ کر دینا۔ مجھے فوراً اطلاع ہو جائے گی۔"

عثمان نے نمبر نوٹ کرلیا اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد وہ رخصت ہوگیا۔ شارق چھت پر جاکر کیمرہ لے آیا۔ اس نے کیمرے میں سے ریل نکال کر جیب میں ڈال لی اور پپو کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"جانتے ہو زلفی نے اسلحہ کی پیٹی کے بارے میں زبان کیوں نہیں کھولی؟"

"نہیں۔" پپو نے نفی میں سرہلایا۔

"اس لئے کہ اسلحہ کی کسی پیٹی کا وجود ہی نہیں ہے۔" شارق مسکرا دیا۔ "یہ سارا ڈرامہ انسپکٹر عثمان کو پھانسنے کے لئے رچایا گیا ہے۔ اب وہ میری مٹھی میں ہے اور وہی کرے گا جو میں کہوں گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر ظفری کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "زلفی کی گردن مروڑ کر اس کی لاش گڑھی شاہو کے کسی علاقے میں کسی جگہ پھینک دو۔"

○

اخبارات چیخ اٹھے تھے۔ چند ماہ کے سکون کے بعد شہر میں قتل و غارت کا جو ایک نیا سلسلہ شروع ہوا تھا اس نے پورے شہر میں خوف و ہراس کی ایک لہر دوڑا دی تھی۔ سنسنی خیز خبریں شائع کرنے کے ساتھ ہی اخبارات بڑے لمبے چوڑے اداریے لکھ رہے تھے جن میں سارا زور نااہلی پر تھا۔ ان اداریوں میں حکمرانوں اور قانون کے محافظوں کو مورد الزام ٹھہرا کر گویا اخبارات اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہو چکے تھے۔

سیاستدانوں کو اپنی دکان چمکانے کا موقع مل گیا تھا۔ وہ بھی روزانہ حکمرانوں اور قانون کے محافظوں کے خلاف لمبے چوڑے بیانات دے رہے تھے۔

عوام کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا۔ لوگ احتجاج کرنے کے لئے سڑکوں پر نکل آئے تھے۔ گورنر ہاؤس اور چیف منسٹر ہاؤس کے سامنے لوگوں کے احتجاجی مظاہرے روز کا معمول بن چکا تھا۔ سب لوگ جان چکے تھے کہ شہر میں ہونے والی یہ قتل و غارت دو جرائم پیشہ گروہوں کے تصادم کا نتیجہ ہے۔ اخبارات میں شارق اور ثمینہ کی گرفتاری کے لئے بیس بیس لاکھ روپے کے انعام کا اشتہار چھپا تھا۔ ان دونوں کو مفرور قرار دیا گیا تھا۔ لیکن حاجی افضال مفرور نہیں تھا۔ وہ بھی قتل و غارت میں ملوث تھا اور لوگ مطالبہ کر رہے تھے کہ حاجی کو گرفتار کیوں نہیں کیا جاتا۔ سب لوگ جانتے تھے کہ اسمبلیوں میں حاجی کے آدمی موجود ہیں جو اسے تحفظ فراہم کر رہے تھے۔ عوام کا

ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ ان لوگوں کی اسمبلیوں کی رکنیت معطل کر دی جائے۔

لیکن حکمرانوں پر ان عوامی مطالبوں کا کوئی اثر نہیں تھا۔ ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی تھی۔ اس کے برعکس حاجی کی حفاظت کے لئے سرکاری طور پر ایک درجن محافظ فراہم کردیئے گئے تھے۔ جدید ترین ہتھیاروں سے لیس ایک درجن پولیس والوں میں سے چھ تو اس کی داروغہ والی کوٹھی پر تعینات تھے اور چھ چوبیس گھنٹے حاجی کے ساتھ رہتے تھے۔

حکومت کی طرف سے حاجی کو محافظ فراہم کرنے والی خبر نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ لوگ ایک بار پھر سڑکوں پر نکل آئے۔ ہزاروں لوگوں نے چیف منسٹر ہاؤس پر ہلہ بول دیا۔ ان کا مطالبہ تھا کہ محافظوں کو ہٹا کر حاجی کو گرفتار کیا جائے۔ اس مظاہرے کا نتیجہ یہ ہوا کہ محافظ تو ہٹا دیئے گئے لیکن حاجی کو گرفتار نہیں کیا گیا۔

شارق بھی اخبارات میں یہ سب کچھ پڑھ رہا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ حکومت حاجی کو گرفتار نہیں کرے گی کیونکہ اس کی جڑیں بہت مضبوط تھیں اور اس نے اپنے طور پر حاجی کی جڑوں کو کھوکھلا کرنا شروع کردیا تھا۔ اسے یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن حاجی اس کے قدموں پر گرپڑے گا یا یہ ملک چھوڑ کر بھاگ جائے گا۔ دوسرا راستہ اختیار کرنے کی صورت میں شارق نے یہ طے کر رکھا تھا کہ وہ دنیا کے آخری کونے تک اس کا پیچھا کرے گا اور کہیں بھی اسے چین سے نہیں بیٹھنے دے گا۔ یہ شارق کی خوش قسمتی تھی کہ انسپکٹر عثمان جیسا شخص حاجی سے اپنا انتقام لینے کے لئے اس کے جال میں پھنس گیا تھا۔

انسپکٹر عثمان کا شمار بھی ان لوگوں میں ہوتا تھا۔ جو حاجی جیسے لوگوں کو تحفظ فراہم کرتے تھے۔ یہ لوگ قانون کی وردی پہن کر اپنے آپ کو قانون سے بالاتر سمجھنے لگتے ہیں۔ ان لوگوں کا پولیس میں آنے کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ ناجائز دولت سمیٹی جائے۔ انسپکٹر عثمان نے بھی یہی سب کچھ کیا تھا۔ اس نے اپنی بیوی اور دوسرے لوگوں کے نام پر بڑی جائداد بنائی تھی۔ اس کے اپنے نام پر پانچ مرلے کا صرف وہ مکان تھا جو اسے باپ کی طرف سے وراثت میں ملا تھا۔

افغانستان جانے سے پہلے شارق کی جب پولیس سے آنکھ مچولی رہتی تھی تو اس کا واسطہ انسپکٹر عثمان سے بھی پڑا تھا۔ عثمان ان دونوں مزنگ تھانے کا انچارج تھا اور شارق اپنا مزنگ والا اڈا چلانے کے لئے اسے ہر مہینے لاکھوں روپے کا بھتہ دیا کرتا تھا۔ اسی دور میں شارق نے اس کے خلاف کچھ معلومات جمع کی تھیں جن میں اس کی جائداد کی تفصیل بھی شامل تھی۔ اس جائداد میں گلبرگ میں واقع ایک بہت بڑی کوٹھی اس کی بیٹی کے نام پر تھی۔ اسی علاقے میں ایک اور کوٹھی اس کی دوسری بیٹی کے نام تھی۔ ایک بیٹا ٹرانسپورٹر تھا۔ نہ صرف شہر کے کئی روٹس پر اس کی

ویگنیں چل رہی تھیں بلکہ چار پانچ لگژری بسیں لاہور سے پشاور کے روٹس پر بھی چل رہی تھیں۔ دوسرا بیٹا امریکہ کی پنسلوانیا یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہا تھا۔

شارق نے یہ تمام معلومات اس لئے جمع کی تھیں کہ کسی نہ کسی موقع پر اس کے کام آئیں گی۔ لیکن اسی دوران اسے حاجی کے کہنے پر افغانستان جانا پڑگیا اور واپس آنے پر انکشاف ہوا کہ انسپکٹر عثمان کو حاجی کی گرفتاری کے لئے چھاپہ مارنے کے جرم میں ملازمت سے برطرف کر دیا گیا تھا۔ شارق اچھی طرح جانتا تھا کہ عثمان نے یہ چھاپہ نیک نیتی کی بناء پر حاجی کو گرفتار کرنے کے لئے نہیں مارا تھا۔ بلکہ اس کا مقصد کچھ اور تھا۔ حاجی کے آدمیوں نے شارق کے مزنگ والے اڈے پر راجا کو مارا پیٹا تھا۔ اور انسپکٹر عثمان' حاجی سے کچھ وصول کرنا چاہتا تھا۔ لیکن حاجی نے اس کی پولیس ملازمت ہی سے چھٹی کروا دی اور اب وہ حاجی سے انتقام لینے کے لئے شارق کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلانا چاہتا تھا اور شارق نے ایسا جال پھیلایا تھا کہ وہ بڑی آسانی سے اس میں پھنس گیا تھا اور اب زندگی بھر اس جال سے نہیں نکل سکتا تھا۔

دوسرے روز اخبارات میں زلفی کے قتل کی خبر بھی شائع ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی مجیدے کا بیان بھی تھا۔ جس میں شارق کو اس قتل کا ذمہ دار قرار دیا گیا تھا۔ مجیدے کے بیان کے مطابق گزشتہ رات نو بجے کے قریب شارق کے آدمی زلفی کو دکان سے اسلحہ کے زور پر اغوا کرکے لے گئے تھے اور پھر صبح اس کی لاش ملی تھی۔ پولیس کے ذرائع کے مطابق زلفی کو پہلے تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا پھر اس کی گردن کی ہڈی توڑ دی گئی تھی جس سے اس کی موت واقع ہوئی تھی۔ پولیس نے شارق کے کھاتے میں قتل کا ایک اور کیس درج کرلیا تھا۔

صبح نو بجے کے قریب شارق گھر پر ہی تھا کہ قدیر کا فون آگیا۔

"خیریت؟ کوئی خاص بات؟" شارق نے پوچھا۔

"انسپکٹر عثمان کا فون آیا تھا۔" قدیر نے بتایا۔ "وہ تم سے ملنا چاہتا ہے ایک گھنٹے میں یہاں آجائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ اسے کہنا انتظار کرے۔ میں بھی گیارہ بجے تک پہنچ جاؤں گا۔" شارق نے کہتے ہوئے فون بند کردیا اور اپنے کمرے میں آگیا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ کوٹھی سے نکلا تو حلئے سے رکشہ ڈرائیور ہی لگ رہا تھا۔ رکشہ کوٹھی کے گیٹ کے باہر کھڑا تھا۔ وہ رکشہ اسٹارٹ کرکے جیسے ہی گلی کے موڑ پر پہنچا دو عورتوں نے اسے رکنے کا اشارہ کیا۔

"کہاں جانا ہے آپا جی۔" شارق نے رکشہ روک کر پوچھا۔ ان میں ایک ادھیڑ عمر تھی اور

دوسری کی عمر اٹھارہ انیس سال رہی ہوگی۔ وہ دونوں ماں بیٹی تھی۔ دونوں کی شکلوں میں بڑی مشابہت تھی۔

"مزنگ جانا ہے بیٹا۔" ادھیڑ عمر عورت نے کہا۔

شارق نے گردن ہلا کر انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ان کے بیٹھتے ہی وہ رکشے کو حرکت میں لے آیا۔ اس نے میٹر بھی ڈاؤن کر دیا تھا۔

شارق بھی اس وقت مزنگ ہی جا رہا تھا۔ اگر ان عورتوں نے کہیں اور جانا ہوتا تو انہیں بٹھانے سے انکار کر دیتا۔

ان عورتوں نے مزنگ چوک پر ہی رکشہ رکوالیا۔ ادھیڑ عمر عورت نے جھک کر میٹر دیکھا اور پرس میں سے سو کا نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"میرے پاس کھلے نہیں ہیں۔" شارق نے کہا۔ "آپ وہ سامنے والی دکان سے پیسے کھلے کروالیں میں رکشہ موڑ لوں۔"

وہ دونوں عورتیں دکان کی طرف چلی گئیں اور شارق نے رکشہ آگے بڑھا دیا چند گز آگے جا کر اس نے رکشہ ایک گلی میں موڑ دیا۔ اس عورت کے پاس کھلے پیسے ہوتے تو شاید وہ لے لیتا لیکن سو کے نوٹ کے چکر میں اس نے پیسوں کا انتظار نہیں کیا تھا۔

شارق گزشتہ رات گھر جانے سے پہلے یہاں آیا تھا۔ ایک گلی میں اس نے فوٹو گرافر کی ایک دکان کے سامنے رکشہ روک لیا۔ اس گلی میں چند ہی دکانیں تھیں جو رہائشی مکانوں کے زیریں حصوں میں کھولی گئی تھیں۔ انہی میں ایک دکان مقصود فوٹو گرافر کی بھی تھی۔ یہ مکان بھی اسی کا تھا۔ اوپر کے حصے میں اس کی رہائش تھی اور نیچے اس نے دکان کھولی ہوئی تھی۔ مقصود سے شارق کی ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب یہاں چھانگے کا راج تھا۔ چھانگے کے بعد شارق نے اس کی گدی سنبھال لی تھی۔ اس دور میں باہر کے علاقے سے آئے ہوئے دو تین غنڈوں نے کسی بات پر مقصود کی نہ صرف پٹائی کر دی تھی بلکہ اس کی دکان کی توڑ پھوڑ بھی کی تھی۔ اس کا ہزاروں روپے کا نقصان ہوا تھا۔ مقصود فریاد لے کر شارق کے پاس آیا تھا۔ نشاندہی ہونے پر شارق نے اسی روز ان غنڈوں کو پکڑ لیا تھا۔ وہ غنڈے نہیں بلکہ اٹھائی گیرے اچکے اور سینماؤں میں ٹکٹ بلیک کرنے والے تھے۔ وہ تو غنڈا گردی کے آداب سے بھی واقف نہیں تھے۔ شریف آدمیوں کے ساتھ منہ ماری کر کے اپنے آپ کو غنڈے سمجھنے لگے تھے۔

شارق نے انہیں دھنک کر رکھ دیا تھا اور پھر انہیں مقصود کے پاس لے آیا تھا۔ انہوں نے نہ صرف مقصود کے پیروں پر گر کر معافی مانگی تھی بلکہ اس کا نقصان بھی پورا کر دیا تھا۔

گزشتہ رات شارق نے انسپکٹر عثمان اور زلفی کی کچھ تصویریں کھینچی تھیں وہ ریل رات کو ہی ق نے مقصود کے حوالے کر دی تھی۔ ریل دیتے وقت شارق نے صرف ایک جملہ کہا تھا۔ ں ریل کا راز صرف تم تک ہی رہنا چاہئے۔" ویسے بھی شارق کو یقین تھا کہ مقصود ان ویروں کے بارے میں کسی کو بتانے کی حماقت نہیں کرے گا۔

شارق نے جب دکان کے سامنے رکشہ روکا تو وہاں ایک اور آدمی بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی ں سے شارق کو یہ اندازہ لگانے میں بھی دشواری پیش نہیں آئی کہ اس کا تعلق پولیس سے ہے' ے دیکھ کر شارق ٹھٹکا تھا کہ کہیں مقصود کوئی چال تو نہیں چل رہا۔ لیکن شارق نے اس خیال کو ن سے جھٹک دیا۔ مقصود ایسی کوئی حرکت نہیں کر سکتا جس پر اسے بعد میں پچھتانا پڑے۔

شارق رکشہ سے اتر کر جب دکان کے دروازے میں داخل ہوا تو ٹھیک اسی وقت مقصود ب نو عمر لڑکی کے ساتھ اسٹوڈیو کے دروازے سے برآمد ہوا۔ اس پولیس والے کی موجودگی میں ارق کو دیکھ کر مقصود پر کچھ گھبراہٹ سی طاری ہوگئی۔ وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے جلدی سے لا۔

"ارے بھائی۔ تمہاری وہ تصویر ٹھیک نہیں کھینچی تھی۔ اندر چل کر بیٹھو۔ دوبارہ کھینچنی ڑے گی۔"

"اس کا مطلب ہے کہ دو دن اور دیر ہو جائے گی۔" شارق بڑبڑایا۔ مجھے رکشے کا لائسنس وانا ہے یار۔ روز چالان ہو جاتا ہے۔"

"تم اندر چل کر بیٹھو۔ ابھی تصویر کھینچ لیتا ہوں۔ جو کل تمہیں مل جائے گی۔" مقصود نے اندرونی دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

شارق اسٹوڈیو والے کمرے میں آگیا۔ مقصود تقریباً پانچ منٹ بعد اندر آیا تھا۔ اس نے دروازہ بند کر دیا۔

"یہ ہیڈ کانسٹیبل تھا جو چند روز پہلے ہی ٹرانسفر ہو کر اس تھانے میں آیا تھا۔"

مقصود نے کہا تو اس کا لہجہ سرگوشیانہ تھا۔ "میٹرک کے داخلے جا رہے ہیں۔ یہ اپنی بیٹی کی وریں کھنچوانے آیا تھا۔"

"میں تمہاری بات سن کر سمجھ گیا تھا۔" شارق مسکرایا۔ "تصویریں تیار ہوگئیں؟"

"ہاں۔ میرے ساتھ آؤ۔" مقصود نے ڈارک روم کا مقفل دروازہ کھولا اور اشارہ کرتا ہوا ندر داخل ہوگیا۔ شارق بھی اس کے پیچھے ہی اندر داخل ہوا تھا۔ مقصود نے اندر سے دروازہ بند کر دیا اور مقفل دراز کھول کر ایک لفافہ نکال کر شارق کی طرف بڑھایا۔ "نیگیٹو بھی اسی میں

ہیں۔" وہ بولا۔ "یہ تصویریں تو ایسی ہیں کہ سابقہ پولیس انسپکٹر عثمان کو بلا رکاوٹ پھانسی کے تختے پ
پہنچا سکتی ہیں۔ آج صبح ہی تو اس آدمی کے قتل کی خبر اخباروں میں شائع ہوئی۔

شارق نے لفافے میں سے تصویریں نکالیں اور ایک ایک کرکے دیکھنے لگا۔ تمام تصویریں
صاف آئی تھیں۔ دو تصویریں تو بہت ہی صاف تھیں۔ جس میں عثمان نے زلفی کی گردن دبوچ
ہوئی تھی۔ دونوں کے چہرے بھی صاف نظر آرہے تھے۔

"یہ تصویر۔" مقصود نے اس کے ہاتھ میں وہ تصویر دیکھ کر کہا۔ "یہ تصویر تو انسپکٹر عثمان
سیدھا پھانسی کے تختے پر پہنچا دے گی۔"

"ابھی اسے پھانسی کے تختے پر نہیں پہنچانا۔" شارق نے تصویر لفافے میں رکھ لی اور جیب
سے پانچ سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ "ان تصویروں کے بارے میں
تمہاری زبان بند رہے گی۔"

"فکر مت کرو شارق باؤ۔" یہ راز میرے سینے میں دفن رہے گا۔" مقصود نے کہا اور
ڈارک روم کا دروازہ کھول دیا۔

شارق نے لفافہ جیب میں رکھ لیا اور ڈارک روم سے نکل کر اسٹوڈیو روم اور پھر دکان کے
بیرونی حصے میں آگیا۔ اس دوران دکان پر کوئی گاہک نہیں آیا تھا۔ شارق دکان سے نکل کر رکشہ
میں بیٹھا اور اچھرے کی طرف روانہ ہوگیا۔

سڑکوں پر اس روز بھی چیکنگ ہو رہی تھی۔ لیکن شارق کو رکشہ ڈرائیوری کا فائدہ یہ ہو
کہ اسے کہیں نہیں روکا گیا تھا۔ وہ جب قدیر کے ڈیرے پر پہنچا تو انسپکٹر عثمان کو بڑی بیتابی سے اپ
منتظر پایا۔

"کیا بات ہے انسپکٹر۔" شارق نے ہاتھ ملاتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف
دیکھا۔ "کوئی خاص اطلاع جس کے لئے تمہیں خود یہاں آنا پڑا؟"

"اطلاع کوئی نہیں۔ لیکن یہ کیسے مرا؟" انسپکٹر عثمان نے ہاتھ میں پکڑا ہوا اخبار اس کے
سامنے پھیلا دیا۔ اس کے لہجے میں جھنجلاہٹ تھی۔

"اس کی موت آئی ہوئی تھی وہ مرگیا۔ شارق نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ میں نے تمہیں
پہلے ہی کہا تھا کہ زلفی کمزور آدمی ہے۔ ہاتھ ذرا ہلکا رکھنا۔"

"میں جب یہاں سے گیا تھا تو وہ زندہ تھا اور ٹھیک ٹھاک تھا۔" انسپکٹر عثمان نے کہا۔ "آ
تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ وہ میرے ہاتھوں مارا گیا ہے تو یہ غلط ہے۔"

"اس کا فیصلہ تم خود ہی کرلو۔" شارق نے لفافے میں سے تصویریں نکال کر اس کی طر

بڑھا دیں۔" اخبار میں لکھا ہے کہ زلفی کی موت گردن کی ہڈی ٹوٹنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اس
میں ایک تصویر ایسی بھی ہے جو ڈاکٹروں کے اس بیان کی تصدیق کرتی ہے۔"

عثمان جیسے جیسے تصویریں دیکھ رہا تھا اس کے چہرے کے تاثرات بدلتے جا رہے تھے۔ وہ
تصویر سامنے آئی تو اس کا چہرہ ایک دم سیاہ پڑگیا۔

"یہ بکواس ہے۔ میں نے اسے قتل نہیں کیا۔" انسپکٹر عثمان چیخا۔ اس نے غصے میں تمام
تصویریں ایک طرف پھینک دی تھیں۔

"یہ تصویریں جس حقیقت کو بیان کر رہی ہیں تم اس سے انکار نہیں کرسکتے۔" شارق نے
جواب دیا۔ "تم بہت چالاک بن رہے تھے انسپکٹر۔" وہ بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "حاجی
سے اپنا انتقام لینے کے لئے تم نے مجھے آگے کرنا چاہا تھا۔ تمہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ مجھے
وقت بھی یاد ہے جب تم مجھ سے لاکھوں روپے مہینہ کا بھتہ لینے کے باوجود آئے دن مجھے بند
کر دینے کی دھمکیاں دیا کرتے تھے۔ تم ایک معمولی سے انسپکٹر ہو۔ تمہاری تنخواہ میں تو ایک
ریف اور دیانتدار شخص کے گھر کا مہینے کا خرچ بھی پورا نہیں ہوتا لیکن تم نے جو جائیداد بنا رکھی
ہے اس کی مالیت کروڑوں سے بھی زیادہ ہے۔" شارق ایک لمحہ کو خاموش ہوا پھر اس کو جائداد کا
حساب گنوانے لگا اور پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "میں تمہاری جائیداد کا یہ اعداد و شمار حکومت
کو فراہم کرنے والا تھا لیکن اتفاق سے تم خود ہی میرے پاس آگئے اور مجھے حاجی کے خلاف آلہ کار
کے طور پر استعمال کرنے کی کوشش کی۔ مجھے امید ہے کہ عدالت سے ملازمت بحال ہو جانے کے
بعد تم حاجی سے اپنی دشمنی بھول جاتے۔ اس سے معافی مانگ لیتے اور مجھے سلاخوں کے پیچھے
پہنچانے کی کوشش شروع کردیتے۔ لیکن میں بھی کچی گولیاں نہیں کھیلا۔ میں نے ایسا پکا بندوبست
کرلیا ہے کہ اگر تمہاری انسپکٹری بحال ہو بھی جائے تو تم میرے خلاف کوئی قدم نہ اٹھاسکو۔"

انسپکٹر عثمان کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ شارق سے اپنی جائداد کی تفصیل سن کر اس کا دماغ
گھوم گیا تھا۔

"لیکن میں نے زلفی کو قتل نہیں کیا۔" وہ چیخا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" شارق مسکرایا۔ "زلفی کو قتل کسی نے بھی کیا ہو۔ اس تصویر
کو تو کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔"

"تم نے میرے ساتھ دھوکا کیا ہے۔" انسپکٹر عثمان چیخا۔

"سب کچھ میں نے صرف اس لئے کیا ہے کہ تم میرے ساتھ تعاون کرتے رہو۔ ہماری
دوستی کی کوئی بنیاد تو ہونی چاہئے۔ ان تصویروں ہی کو بنیاد سمجھ لو۔ مجھے یقین ہے کہ جب تک ان

تصویروں کے نیگیٹو میرے پاس ہیں اس وقت تک تم دوستی نبھاتے رہو گے۔ میں ایک بار پھر دینا چاہتا ہوں کہ میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہچانا چاہتا لیکن اگر تم نے کسی موقع پر مجھے دھو کراس کرنے کی کوشش کی تو۔"

"تم نے مجھے برباد کردیا شارق۔" انسپکٹر عثمان کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گ اس کی سمجھ میں شاید یہ بات آگئی تھی کہ چیخنے چلانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔" میں تو بغیر کسی کے تمہارے ساتھ تعاون کرنا چاہتا تھا لیکن تم نے۔"

"وہ تعاون تم اپنے مقصد کے لئے کر رہے تھے۔" شارق نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تمہارا مقصد پورا ہو جاتا تو تم الگ ہو جاتے۔ میں نے پیش بندی کی ہے۔ اب اگر تمہار ملازمت بحال ہو بھی گئی تو مجھے پریشانی نہیں ہوگی اور ایک بات اور بھی تمہیں بتا دوں۔" وہ چ لمحے کو خاموش ہوا پھر اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "میں تم سے جو بھی کام لوں اس کا معاوضہ دوں گا۔"

اس موقع پر انسپکٹر عثمان نے کچھ کہنا چاہا مگر شارق نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔ "جا ہوں کہ تمہارے پاس بہت دولت ہے۔ لیکن یہ بھی جانتا ہوں کہ تم جیسے لوگوں کی ہوس کم نہیں ہوتی۔ میں تمہیں جو معاوضہ دوں گا وہ تمہارے تصور سے بھی کہیں زیادہ ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔" انسپکٹر عثمان نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "کیا چاہتے ہو؟"

"سب سے پہلے تو یہ کنفرم کرنا ہے کہ حاجی کا مال کراچی سے لاہور کب پہنچ رہا ہے ا یہاں سے آگے کب جائے گا۔" شارق بولا۔

"اس کا مال آج کل میں لاہور پہنچنے ہی والا ہے۔ میں تمہیں اطلاع کردوں گا۔" انسپ عثمان نے جواب دیا۔

"اطلاع تم اسی فون نمبر پر دو گے۔ مجھے فوراً خبر ہو جائے گی۔ ایک بات اور۔" شارق اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ "پولیس یا کسی غیر متعلقہ آدمی کو اس ڈیرے کا پتا نہیں چ چاہئے۔ اگر میں نے کسی مشتبہ آدمی کو آس پاس بھی منڈلاتے ہوئے دیکھ لیا تو میں اپنے وعدے قائم نہیں رہ سکوں گا۔ اب تم جاسکتے ہو۔ بار بار یہاں آنے کی ضرورت نہیں۔ صرف فون رابطہ رکھو گے۔"

انسپکٹر عثمان چند لمحے خونخوار نظروں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر تیزی سے گھوم کر باہ نکل گیا۔

"تم نے تو کمال ہی کردیا شارق باؤ۔" ظفری نے زمین پر بکھری ہوئی تصویریں اٹھا

ہوئے کہا۔ "یہ تصویریں تم نے کب کھینچی تھیں۔ ہمیں بھی پتا نہیں چلا۔"

"اگر میں یہ تصویریں نہ کھینچتا تو اس وقت صورتحال مختلف ہوتی۔" شارق نے جواب دیا۔ "بہرحال' اب ہمارے کام میں آسانی ہو جائے گی۔ انسپکٹر عثمان سے ہمیں نہ صرف حاجی بلکہ دوسرے لوگوں کے بارے میں بھی مفید اطلاعات ملتی رہیں گی۔"

"تم نے ایک غلطی کر دی شارق باؤ۔" پپو بولا۔

"وہ کیا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"زلفی کے بجائے مجیدے کو اٹھانا چاہئے تھا۔" پپو نے کہا۔

"نہیں۔" شارق نے نفی میں سرہلایا۔ "کسی کو سزا دینے کا میرا نظریہ دوسروں سے مختلف ہے۔ سزا کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص عبرت حاصل کرے اور آئندہ محتاط رہے۔ اگر اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے تو سزا کا مقصد ختم ہو جاتا ہے۔ اس کی زندگی ہی ختم ہوگئی تو سزا کیسی؟ مرنے کے بعد تو اس کی نجات ہوگئی۔ سزا تو وہ ہے کہ وہ زندہ رہے اور سزا بھگتے۔ تکلیف اٹھائے اور اس جرم کو یاد کرے جس کے عوض اسے سزا ملی ہے۔" شارق چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "یہ ہے میرا سزا دینے کا نظریہ۔ میں حاجی کو سزا دینا چاہتا ہوں۔ اگر اسے قتل کر دوں تو وہ اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا۔ میں اسے زندہ رکھ کر سزا دینا چاہتا ہوں۔ اس کے دو رشتہ داروں کو قتل کر دیا۔ اس کا دکھ حاجی بھگت رہا ہے۔ اس کی کوٹھی کو آگ لگا دی۔ حاجی اس نقصان پر تلملا رہا ہے۔ اسے پتا چل رہا ہے کہ اسے کسی بات کی سزا مل رہی ہے۔ یہی کچھ صورت حال مجیدے کی ہے۔ اگر مجیدے کو مار دیا جاتا تو کیا ہوتا؟ کچھ بھی نہیں۔ لیکن اس کے ایک بندے کو اگلے جہاں پہنچا دیا۔ یہ مجیدے کے لئے سزا ہے۔ وہ خوف زدہ ہوگیا ہے۔ اسے یہ خوف ہے کہ کہیں اسے بھی قتل نہ کر دیا جائے۔ وہ اسی خوف سے چھپتا پھرے گا اور یہی خوف اس کے لئے سزا ہے۔"

"تمہارا سزا کا یہ فلسفہ اپنے پلے نہیں پڑا۔ لیکن شاید تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔" ظفری نے کندھے اچکا دیئے۔

"اس میں پلے نہ پڑنے والی کیا بات ہے۔" شارق بولا۔ "ایک میری مثال لے لو۔ حاجی مجھے سزا دینا چاہتا تھا۔ اس نے پہلے میری ماں اور بہن کو نقصان پہنچایا۔ مجھے تکلیف پہنچی۔ پھر میرے بچپن کے دوست سہیل کو قتل کر دیا۔ سہیل تو اس دنیا سے رخصت ہوگیا لیکن سزا میں بھگت رہا ہوں۔ اس کے دکھ میں تڑپ رہا ہوں۔"

"یہ تو تم واقعی ٹھیک کہہ رہے ہو شارق باؤ۔" ظفری نے کہا۔

"اچھا۔ اب بحث ختم۔" شارق اٹھتے ہوئے بولا۔ اس نے ظفری کے ہاتھ سے تصویریں لے لی تھیں۔ "اب میں گھر چلتا ہوں۔ تم میں سے ایک آدمی ہر وقت یہاں موجود رہے گا۔ جب بھی انسپکٹر عثمان کی طرف سے کوئی پیغام ملے مجھے فوری طور پر اطلاع دیدی جائے اور قدیر تم۔" وہ قدیر کی طرف مڑگیا۔ "اپنے رکشے پر گڑھی شاہو میں مجیدے کے اڈے کے آس پاس چکر لگاتے رہنا۔ اگر اس کے بارے میں کوئی بات معلوم ہوتو مجھے بتا دینا۔"

"ٹھیک ہے شارق باؤ۔" میں صبح ادھر کا چکر لگاؤں گا۔" قدیر نے جواب دیا۔

شارق ڈیرے سے باہر آگیا۔ کچھ ہی دیر بعد اس کا رکشہ مین روڈ پر ہلکی رفتار سے جا رہا تھا اس نے جیسے ہی گلبرگ کی طرف جانے والی سڑک پر مڑنا چاہا۔ دو پولیس والوں نے اسے روک لیا۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں۔

"کیا بات ہے سنتری بادشاہ؟" شارق نے باری باری دونوں کی طرف دیکھا۔

"خالی جا رہے ہو۔ ہمیں ہی بٹھالو۔ نہر پر فوارے کے پاس چھوڑ دینا۔" ایک پولیس والے نے جواب دیا اور وہ دونوں رکشے میں بیٹھ گئے۔

"آج کل شہر میں بڑی افراتفری مچی ہوئی ہے۔ روز ایک دو قتل ہو رہے ہیں۔ ابھی تک کوئی پکڑا نہیں گیا؟" شارق نے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی پکڑا کیسے جائے۔" ایک پولیس والے نے جواب دیا۔ "دو پارٹیوں کا ٹکراؤ ہو رہا ہے۔ ایک پارٹی حاجی کی ہے اور حاجی ایسا شخص ہے کہ حکومت اس پر ہاتھ ڈالتے ہوئے ڈرتی ہے۔ دوسری پارٹی شارق کی ہے۔ حکومت اپنا سارا زور شارق کی گرفتاری پر لگا رہی ہے۔ لیکن وہ تو چھلاوہ ہے ابھی تک اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔"

"اور اس کے ساتھ ایک لڑکی بھی ہے۔ کیا نام ہے اس کا؟" دوسرا پولیس بولا۔

"ثمینہ۔" پہلے پولیس والے نے جواب دیا۔" وہ بھی ہوا بنی ہوئی ہے۔ حاجی کی سمن آباد والی کوٹھی میں اس نے آگ لگائی تھی' اور حاجی کے سالے کو بھی وہی اٹھا کر لے گئی تھی۔ اس وقت شارق بھی اس کے ساتھ تھا۔ اس کے بعد بھی انہوں نے کارروائیاں کی ہیں لیکن وہ دونوں پکڑائی ہی نہیں دے رہے۔"

"کل جو قتل ہوا ہے وہ کس کے کھاتے میں ڈالا گیا ہے۔" شارق نے پوچھا۔

"وہ بھی شارق کے کھاتے میں ہے۔" دوسرے نے کہا "وہ گڑھی شاہو والے مجیدے کا بندہ تھا۔ لگتا ہے حاجی کے ساتھ مجیدا بھی شارق کے خلاف میدان میں آگیا ہے۔"

"آج شام کو پولیس نے ثمینہ کے باپ کو بھی پکڑ لیا تھا۔ پہلے پولیس والے نے کہا۔ "وہ

بھی اپنی بیٹی کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکا۔"

شارق چونک گیا۔ یہ ایک تشویشناک خبر تھی۔

"پھر کیا ہوا جی۔ اسے تو بند کر دیا ہوگا۔" وہ بولا۔

"اسے بند کر کے کیا لینا تھا۔ چھوڑ دیا اسے۔" پولیس والے نے جواب دیا۔

"سنا ہے شارق اور ثمینہ کی گرفتاری پر بیس بیس لاکھ روپے کا انعام بھی رکھا ہوا ہے۔" شارق بولا۔

"ہاں۔ انعام تو ہے۔ لیکن اپنی ایسی قسمت کہاں کہ شارق کو گرفتار کر سکیں۔" ایک پولیس والے نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

"مجھے ہی شارق سمجھ کر پکڑ لو سنتری بادشاہ۔ تمہیں بیس لاکھ روپے تو مل جائیں گے۔" شارق نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بڑا شوق ہے بھئی تمہیں جیل جانے کا۔" پولیس والا بولا۔ "بس اب روک لو رکشہ بڑی مہربانی تمہاری۔"

آگے سڑک کے کنارے پولیس کی ایک گاڑی کھڑی تھی۔ دو تین مسلح پولیس والے سڑک پر کھڑے تھے۔ شارق نے ان کے قریب رکشہ روک لیا۔ سڑک پر کھڑا ہوا ایک پولیس والا اس کی طرف آیا تھا۔ لیکن پولیس والوں کو رکشے سے اترتے دیکھ کر وہ رک گیا۔ شارق مسکرا دیا تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر پولیس والوں کو سلام کیا اور رکشہ آگے بڑھا دیا۔

شارق دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ پولیس والوں نے اسے چھلاوہ بنا دیا تھا۔ وہ تقریباً" دو میل تک سفر کے دوران ان سے باتیں کرتا رہا تھا اور پولیس والے اسے پہچان نہیں سکے تھے۔ اخباروں میں اس کی جو تصویر شائع ہوئی تھی وہ بہت پرانی تھی۔ موجودہ حلئے میں کوئی عام آدمی اسے پہچان نہیں سکتا تھا۔ پولیس والوں کے پاس اس تصویر کے علاوہ اس کی شناخت کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ اور ظاہر ہے وہ تصویر بھی ہر پولیس والے کے پاس نہیں تھی۔

شارق جب کوٹھی پہنچا تو رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا۔ دروازہ طفیل نے کھولا تھا۔ شارق رکشے کو اندر لے گیا اور اسے گیراج کے سامنے کھڑا کر دیا۔

"تمہیں تو کل واپس آ جانا تھا۔" شارق طفیل کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"وہ جی ڈاکٹر نہیں ملا تھا اس لئے مجھے رات وہیں رہنا پڑا۔" طفیل نے کہا۔

شارق اندر آگیا۔ دروازہ رضیہ نے کھولا تھا۔ شارق نے اس سے نوکھا کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہ سو رہا ہے۔ شارق نے ثمینہ والے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ ثمینہ اور

شاہ پری ایک دوسرے سے لپٹی ہوئی سو رہی تھیں۔ شارق دوسرے کمرے میں آگیا اور بستر پر گر گیا وہ بہت تھکا ہوا تھا۔ بستر پر لیٹتے ہی سوگیا۔

نولکھا سے شارق کی ملاقات صبح ہوئی تھی۔ بیماری نے واقعی اسے نچوڑ کر رکھ دیا تھا۔ شارق کچھ دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا پھر اس نے ڈاکٹر احمد کو فون کر دیا۔ ڈاکٹر احمد اس گروہ کا پرانا اور قابل اعتماد آدمی تھا۔ شارق ایک مرتبہ جب زخمی ہوا تھا تو ماسی مہراں کے گھر پر ڈاکٹر احمد ہی نے اس کا علاج کیا تھا۔ وہ گروہ کے دوسرے آدمیوں کا علاج بھی کرتا رہا تھا۔ شارق نے فون پر ڈاکٹر احمد کو نولکھا کے بارے میں بتایا اور کوٹھی کا پتا سمجھانے کے بعد فون بند کردیا۔

تقریباً" ایک گھنٹے بعد ڈاکٹر احمد پہنچ گیا۔ اس نے تفصیل سے نولکھا کا معائنہ کیا۔ فیصل آباد والے ڈاکٹر کی رپورٹس اور اس کے لکھے ہوئے نسخے دیکھے پھر ایک نیا نسخہ لکھ کر شارق کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"پریشانی کو کوئی بات نہیں ہے۔ ان دواؤں کے استعمال سے ایک دو دن میں بخار تو اتر جائے گا لیکن مکمل طور پر صحت یاب ہونے میں کئی روز لگیں گے۔ انہیں مکمل آرام کی ضرورت ہے۔"

شارق نے طفیل کو بھیج کر لبرٹی مارکیٹ سے دوائیں منگوالیں۔ ڈاکٹر احمد ابھی وہیں تھا۔ وہ دیر تک شارق سے شہر کے حالات کے بارے میں باتیں کرتا رہا۔ اس کا تجزیہ یہ تھا کہ رائے عامہ حاجی اور حکومت کے خلاف تھی۔ عوام کو اس بات کا غصہ تھا کہ حاجی تو سامنے موجود ہے اسے گرفتار کیوں نہیں کیا جاتا۔ پولیس شارق اور ثمینہ ہی کے پیچھے کیوں پڑی ہوئی ہے۔

ڈاکٹر احمد کے جانے کے بعد شارق' نولکھا کے پاس بیٹھا باتیں کرتا رہا۔

شارق دو تین دن گھر سے نہیں نکلا۔ ڈاکٹر احمد نولکھا کو دیکھنے کے لئے دن میں ایک مرتبہ ضرور آتا تھا۔ قدیر بھی ٹیلی فون پر اسے روزانہ شہر کی صورت حال سے آگاہ کر رہا تھا اور پھر شارق کو وہ اطلاع بھی مل گئی جس کا اسے شدت سے انتظار تھا۔

○

اس وقت رات کے نو بجے تھے۔ ثمینہ رضیہ کے ساتھ مل کر باورچی خانے میں کھانا تیار کر رہی تھی۔ شارق کو دروازے میں دیکھ کر ثمینہ مسکرا دی۔

بھوک لگ رہی ہے؟ بس ابھی دس منٹ میں کھانا لگ جائے گا۔"

"بھوک بھی لگ رہی ہے اور ایک ضروری کام سے جانا بھی ہے۔ اس لئے کھانے کا معاملہ

اگر جلدی ہو جائے تو بہتر ہے۔" شارق کہہ کر اپنے کمرے میں آگیا۔

اس کے دو منٹ بعد ثمینہ بھی وہاں پہنچ گئی۔

"کیا ضروری کام ہے۔ کہاں جانا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"قصور ..... بلکہ اس سے بھی آگے۔" شارق نے جواب دیا۔ "انسپکٹر عثمان سے اطلاع ملی ہے کہ حاجی کے آدمی آج رات ایک بجے تین کروڑ روپے مالیت کا سونا لے کر حسین والا کے قریب سے بھارت کی سرحد پار کریں گے۔ اس پارٹی کی قیادت حاجی کا داماد عبدالشکور کرے گا۔ ہم نے انہیں سرحد پر پہنچنے سے پہلے ہی روکنا ہے۔"

"گڈ۔" ثمینہ کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی۔ "ہمارے ساتھ اور کون کون جائے گا؟"

"پپو اور ظفری کے علاوہ شاہ پری بھی ہمارے ساتھ ہوگی۔ شاہ پری اس مشن میں اہم رول ادا کرے گی۔" شارق نے بتایا۔

"سب لوگ اکٹھے جائیں گے؟" ثمینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں۔" شارق نے نفی میں گردن ہلائی۔ "میں ظفری اور پپو کو فون کر دوں گا۔ وہ ہم سے پہلے قصور پہنچ جائیں گے اور ایک مقررہ جگہ پر ہمارا انتظار کریں گے۔ ہم بھی کھانا کھاتے ہی روانہ ہو جائیں گے۔"

"کھانا تقریباً" تیار ہوچکا ہے۔ زیادہ سے زیادہ دس منٹ لگیں گے۔ تم شاہ پری کو بتادو۔ میں کھانا نکلواتی ہوں۔" ثمینہ کمرے سے نکل گئی۔

اس کے تھوڑی ہی دیر بعد شاہ پری کمرے میں داخل ہوئی۔ اسے ثمینہ نے بھیجا تھا۔

"کہیں جانا ہے؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے شارق کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔ تم تیار ہو جاؤ۔ ہم کھانا کھاتے ہی یہاں سے نکل جائیں گے۔" شارق نے کہا۔ پھر کچھ سوچ کر بولا۔ "یہ مشن خطرناک ہوگا۔ اس میں جان بھی جا سکتی ہے۔ اگر تم ...."

"تمہارے لئے جان کی پروا کب کی ہے میں نے۔" شاہ پری نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔

"مجھے تم سے اسی جواب کی توقع تھی۔" شارق نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔ "بہرحال تم تیار ہو جاؤ۔ ہم کھانا کھاتے ہی یہاں سے نکل جائیں گے۔"

شاہ پری اس کی طرف دیکھتی ہوئی چلی گئی۔

تقریباً" دس منٹ بعد کھانا میز پر لگ گیا۔ شاہ پری نے وہی پرانا افغانی لباس پہنا تھا جو اس نے ابھی تک سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔ اس وقت یہ لباس اس نے شارق کی فرمائش پر پہنا تھا۔

کھانے کے بعد ثمینہ نے بھی لباس بدل لیا۔ اس نے حسب معمول جینز اور ٹی شرٹ پہنی تھی۔ یہ لباس گویا اس کا ٹریڈ مارک بن گیا تھا۔ اخبارات میں جب بھی اس کے بارے میں کوئی خبر شائع ہوتی جینز اور ٹی شرٹ کا حوالہ ضرور دیا جاتا۔

"تم لوگ یہیں انتظار کرو۔ میں گاڑی لے کر آتا ہوں۔" کھانے کے بعد شارق میز سے اٹھتے ہوئے بولا۔

"میرا خیال ہے تم حاجی والی گاڑی کی بات کر رہے ہو جو دوسری کوٹھی کے گیراج میں کھڑی ہے۔" ثمینہ نے اس کی طرف جھکتے ہوئے سرگوشی کی۔ "لیکن تم شاید یہ بھول گئے ہو کہ حاجی نے اس گاڑی کی چوری کی رپورٹ لکھوا رکھی ہے اور ہر پولیس والے کے پاس اس کا نمبر موجود ہوگا۔ اگر راستے میں کسی نے اس گاڑی کو چیک کر لیا تو...."

"میں نے ایک طریقہ سوچ لیا ہے۔ ہمیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔" شارق نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "البتہ تم دونوں کو برقع پہننا ہوں گے۔"

"وہ تو ہم پہن ہی لیں گے۔" ثمینہ نے کہا۔ "لیکن گاڑی یہاں لانے کے بجائے ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں۔ وہیں سے نکل جائیں گے۔"

"تو ٹھیک ہے چلو۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ نے برقعہ پہن لیا اور شاہ پری نے چادر اوڑھ لی جو برقعے ہی کی طرح تھی۔ ماں جی اور رضیہ انہیں باتیں کرتے اور تیار ہوتے دیکھتی رہیں لیکن انہوں نے کوئی بات نہیں کی تھی۔

"ماں جی۔" بالآخر شارق نے خود ہی کہا۔ "ہم شہر سے باہر جا رہے ہیں واپسی صبح تک ہوگی۔ آپ لوگ پریشان نہ ہوئیے گا۔"

"اللہ کے سپرد بیٹا۔" ماں جی نے دعائیں دیں۔

وہ تینوں کوٹھی سے نکل کر گلیوں میں چلنے لگے۔ اس وقت اگرچہ رات کے پونے دس بجے تھے لیکن گلیوں میں لوگوں کی آمدورفت برائے نام ہی تھی۔ اگر متوسط طبقے کا علاقہ ہوتا تو گلیوں میں رونق ہوتی لیکن وسیع و عریض کوٹھیوں پر مشتمل اس علاقے میں شام کا اندھیرا پھیلنے کے تھوڑی دیر بعد سناٹا چھا جاتا تھا۔

وہ تقریباً" پندرہ منٹ بعد کوٹھی پہنچ گئے۔ ثمینہ چابیاں لے کر آئی تھی۔ شاہ پری اس کوٹھی کو بھی حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ شارق اندر داخل ہوکر اندرونی کمرے سے گیراج میں پہنچ گیا۔ اس نے کار کا انجن اسٹارٹ کرکے اسے چیک کیا۔ انجن بہترین حالت میں تھا۔ البتہ ٹینکی میں پیٹرول کم تھا۔ شارق نے گیراج کا گیٹ کھول کر گاڑی باہر نکال کر روک لی اور نیچے اتر کر دوبارہ

گیراج میں داخل ہوگیا۔ گیٹ بند کرکے وہ اندرونی کمرے میں آگیا۔

شارق کا غیر معمولی پستول اسی کوٹھی میں تھا اور حاجی کے سالے الیاس کا پستول بھی یہیں تھا۔ وہ پستول اس نے ثمینہ کے حوالے کر دیا اور اپنا پستول شرٹ کے نیچے پتلون کی بیلٹ میں اڑس لیا۔ اس کا حلیہ اب بھی ڈرائیوروں جیسا ہی تھا۔

گاڑی کوٹھی کے گیٹ سے نکال کر ثمینہ نے گیٹ کو تالا لگا دیا اور شارق کی ہدایت کے مطابق وہ بھی پچھلی سیٹ پر شاہ پری کے ساتھ بیٹھ گئی۔ ان دونوں نے چہرے اس طرح ڈھانپ رکھے تھے کہ صرف آنکھیں نظر آرہی تھیں۔

شارق گاڑی کو اچھرے کی طرف لے آیا اور اسے شہر سے باہر جانے والی فیروز پور روڈ پر موڑ دیا۔ لیکن اس سڑک پر تقریباً" دو میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد شارق کو گاڑی کی رفتار ہلکی کر لینی پڑی۔ تین پولیس والے سڑک پر کھڑے تھے۔ شارق نے ادھر ادھر دیکھا۔ آس پاس پولیس کی کوئی گاڑی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ شارق نے پولیس والوں کے قریب پہنچ کر کار روک لی۔ ان میں دو کانسٹیبل تھے اور ایک اے ایس آئی کانسٹیبلوں کے پاس رائفلیں تھیں اور نوجوان اے ایس آئی کے ہاتھ میں ریوالور نظر آرہا تھا۔ اے ایس آئی بڑی گہری نظروں سے کار کی نمبر پلیٹ دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ شارق والی سائیڈ پر آگیا۔

"نیچے اترو۔ یہ گاڑی کس کی ہے۔" پولیس آفیسر کے لہجے میں ہلکی سی غراہٹ تھی۔

"یہ گاڑی حاجی افضال کی ہے سر جی۔" شارق نے نیچے اتر کر جواب دیا۔

"تم کون ہو؟" اے ایس آئی نے اسے گھورا۔

"میں حاجی افضال کا ڈرائیور ہوں سر جی۔ اور یہ ان کے گھر کی بیبیاں ہیں۔ انہیں گاؤں لے کر جا رہا ہوں۔ لیکن بات کیا ہے سر جی۔" شارق بولا۔

"تھانے میں اس گاڑی کی گمشدگی کی رپورٹ ہے۔" آفیسر بولا۔

"اوہ؟" شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ "یہ گاڑی آج صبح مل گئی تھی۔ سر جی اور حاجی صاحب نے ایس پی صاحب کو اس کی بازیابی کی اطلاع بھی دیدی تھی۔ آپ چاہیں تو اس کی تصدیق کرلیں۔ یہاں آس پاس کوئی ٹیلی فون ضرور ہوگا۔"

"تمہیں یہ گاڑی لے کر ہمارے ساتھ تھانے چلنا ہوگا۔ تاکہ اس گاڑی کے بارے میں تصدیق کی جاسکے۔" اے ایس آئی نے کہا۔

"تیرا دماغ تو ٹھیک ہے تھانیدار۔" شارق ایک دم ہتھے سے اکھڑ گیا۔

"حاجی افضال کے گھر کی بیبیوں کو تھانے لے جائے گا۔ تم حاجی کو نہیں جانتے۔ مزنگ کے

تھانیدار نے حاجی کے گھر پر چھاپہ مارنے کی حماقت کی تھی۔ اسے نوکری سے نکال دیا گیا۔ اور اپنی حماقت پر آج تک رو رہا ہے۔ کیا تم بھی یہی چاہتے ہو کہ ....."

"اس کا لہجہ بدلا بدلا دیکھ کر اے ایس آئی گڑبڑا گیا۔

"میں ان خواتین کو تھانے نہیں لے جانا چاہتا۔ میں تو گاڑی کے بارے میں تصدیق کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں جا رہا ہوں۔" شارق گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولا۔ "ہمت ہو تو روک لو۔ اور گاڑی کے بارے میں تصدیق کرنا چاہتے ہو تو ایس پی کو فون کر لو۔"

"یہ کون بدتمیز ہے ڈرائیور۔" پیچھے بیٹھی ہوئی ثمینہ نے اونچی آواز میں کہا تاکہ پولیس آفیسر بھی سن لے۔

"نیا نیا بھرتی ہوا ہے بیگم صاحبہ جی۔" شارق نے جواب دیا۔ "اسے ابھی معلوم نہیں ہے کہ بڑے آدمیوں کے ڈرائیوروں کے ساتھ کیسے بات کی جاتی ہے۔"

"اس کا نام معلوم کر لو۔ صبح واپس آ کر میں خود ایس پی سے اس کی شکایت کروں گی۔" ثمینہ نے کہا۔

"معافی چاہتا ہوں بیگم صاحبہ۔" اے ایس آئی کھڑکی پر جھکتے ہوئے بولا۔ "مجھے معلوم نہیں تھا کہ....."

"بتانے کے باوجود تم ضد کر رہے ہو۔" ثمینہ نے ناگوار سے لہجے میں اس کی بات کاٹ دی۔ "گاڑی چلاؤ ڈرائیور۔" آخری لفظ اس نے شارق سے مخاطب ہو کر کہے تھے۔

شارق نے انجن اسٹارٹ کر کے گاڑی آگے بڑھا دی اور پولیس والے گاڑی کو دیکھتے رہ گئے۔

"کیسی رہی بیگم صاحبہ جی۔" شارق نے پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے کہا۔

جواب میں ثمینہ اور شاہ پری نے زور دار قہقہہ لگایا۔ شارق بھی ان کے قہقہے میں شامل ہو گیا۔

"بعد میں جب اسے پتا چلے گا کہ اس گاڑی میں ثمینہ اور شارق تھے تو شاید وہ اپنے آپ کو گولی مار لے گا۔" ثمینہ نے کہا۔

شارق نے جواب دینے کے بجائے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ سڑک کے دونوں طرف کھیت تھے۔ کہیں کہیں کوئی آبادی بھی تھی جہاں مدھم روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ شارق کار کی رفتار بڑھاتا گیا۔

قصور شہر ابھی دور ہی تھا کہ فضا میں چمڑے کی بو محسوس ہونے لگی۔ قصور والوں کا یہ بہت بڑا المیہ تھا کہ اس شہر کے اندر اور گردو نواح میں چھوٹی بڑی بے شمار فیکٹریز تھیں۔ چمڑہ صاف کرنے اور رنگنے کے ان کارخانوں کی وجہ سے ایک طرف فضا میں آلودگی تھی تو دوسری طرف آبادی کے اندر اور ان کے چاروں طرف گندگی کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ رہائشی علاقوں کی گلیوں میں اور ہر طرف گندے پانی کے جوہڑ تھے۔ ان جوہڑوں میں کارخانوں سے بہنے والا وہ پانی جمع ہوتا رہتا تھا جس میں کیمیکلز شامل ہوتے تھے۔ اس آلودہ پانی کی وجہ سے نہ صرف شہریوں کی صحت متاثر ہو رہی تھی بلکہ آس پاس کی زرعی' اراضی بھی ویرانے میں تبدیلی ہوتی جا رہی تھی۔ کیمیکل ملا ہوا یہ گندہ پانی زمین میں جذب ہو کر پینے کے پانی میں بھی شامل ہو رہا تھا جس سے اس شہر میں طرح طرح کی بیماریاں پھیل رہی تھیں۔ اس شہر کے باسی آئے دن احتجاج کرتے رہتے تھے مگر حکمرانوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی تھی۔

شہر میں داخل ہونے کے بجائے شارق نے گاڑی کو اس سڑک پر گھما لیا جو شہر کے باہر ہی سے ہوتی ہوئی دوسری طرف جا کر گنڈا سنگھ والا اور حسین والا کی طرف جانے والی سڑک سے مل جاتی تھی۔

فضا میں بدبو اس قدر شدید تھی کہ ثمینہ اور شاہ پری نے اپنی ناک پر کپڑا رکھ لیا تھا۔ شہر سے کئی میل دور نکل جانے کے بعد انہوں نے سکون کا سانس لیا تھا۔

"توبہ ... کتنی گندگی ہے اس شہر میں۔" ثمینہ بولی۔

"یہ گندگی اور فضائی آلودگی چمڑے کے ان کارخانوں کی وجہ سے ہے جن کی یہاں بھرمار ہے۔ مجھے تو حیرت ہے کہ یہاں کے لوگ زندہ کیسے رہ رہے ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔

اس نے کار کی رفتار کم کر لی تھی۔ ایک تو سڑک ٹوٹی پھوٹی تھی اور دوسرے اسے ایک خاص جگہ کی تلاش تھی۔ وہ سڑک کے کنارے ہر سنگ میل کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔

بالآخر اس نے ایک جگہ گاڑی روک لی۔ سڑک سے ذرا ہٹ کر کھیتوں میں ایک کھنڈر نما مکان نظر آ رہا تھا۔ شارق نے گاڑی روک کر دو مرتبہ ہیڈ لیمپس جلائے بجھائے۔ اس کے تھوڑی ہی دیر بعد دو آدمی کھنڈر سے نکل کر سڑک پر آ گئے۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں کلاشنکوف رائفلیں تھیں۔ وہ ظفری اور پپو تھے۔

"آدھا گھنٹہ باقی ہے۔" ظفری نے کار کے ڈیش بورڈ پر لگی ہوئی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "آنے سے پہلے میں نے فون کر کے انسپکٹر عثمان سے تصدیق کر لی تھی۔ اس کی اطلاع یہی ہے کہ کرمئی رنگ کی پجیرو ٹھیک ایک بجے رات گنڈا سنگھ والا پہنچے گی۔ پجیرو میں تین آدمی ہوں گے۔

ایک آدمی گنڈا سنگھ والا سے ان کے ساتھ شامل ہو جائے گا اور وہ لوگ حسین والا سے تقریباً" نصف میل بائیں طرف سوکھے دریا سے سرحد پار کریں گے۔"

"یہ کنفرم ہے کہ وہ لوگ اسی راستے سے آئیں گے۔"

شارق نے پوچھا۔

"ہاں۔" ظفری نے اثبات میں سرہلا دیا۔ "گنڈا سنگھ والا یہاں سے صرف دو میل دور ہے۔ وہاں تک پہنچنے کے لئے صرف یہی ایک راستہ ہے۔" ظفری نے بتایا۔

"ٹھیک ہے۔ ہم یہیں پر ان کا انتظار کریں گے۔" شارق نے کہا اور کار کو کھیتوں کی طرف موڑ لیا۔

تین چار کمروں پر مشتمل وہ مکان بالکل کھنڈر تھا۔ چھت کسی کمرے کی نہیں تھی۔ چند دیواریں بھی ٹوٹی ہوئی تھیں۔ شارق نے کار کھنڈر کے پیچھے لے جا کر اس طرح کھڑی کر دی کہ وہ دیواروں کے پیچھے چھپ گئی۔ سڑک کی طرف سے کار کو نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔

وہ تینوں بھی کار سے اتر آئے۔ ثمینہ نے برقعہ اور شاہ پری نے چادر اتار کر کار کی پچھلی سیٹ پر ڈال دی تھی۔ شارق ان سب کو سمجھا رہا تھا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ شاہ پری کو سب سے زیادہ اہم ذمہ داری کا سامنا تھا۔

"ڈرنا مت۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہم تم سے چند گز کے فاصلے پر ہوں گے ان لوگوں کو کچھ سمجھنے کا موقع دیئے بغیر ہم ان پر قابو پالیں گے۔"

"تم فکر مت کرو۔" شاہ پری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں انہیں کچھ سمجھنے کا موقع ہی نہیں دوں گی۔ اگر میرے سامنے کھڑے رہ کر وہ اپنے حواس پر قابو پالیں تو میرا نام بدل دینا۔" اس نے اچانک ہی اپنی قمیض کے گریبان پر ہاتھ ڈال کر زور دار جھٹکا دیا اور اس کی فراک نما قمیض پیٹ تک پھٹ گئی۔

ظفری اور پپو بدحواس سے ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے پھر وہ رخ بدل کر بیٹھ گئے۔

"سمجھ گیا تم کیا کرنا چاہتی ہو۔" شارق' شاہ پری کو گھورتے ہوئے بولا۔ "فی الحال قمیض ٹھیک کرلو۔"

"شاہ پری نے مسکراتے ہوئے قمیض کے دونوں پھٹے ہوئے کنارے پکڑ کر انہیں سینے پر سمیٹ لیا۔

وہ سب قصور سے آنے والی سڑک کی طرف دیکھ رہے تھے۔ رات کا ایک بج چکا تھا لیکن ابھی تک کسی گاڑی کے آثار دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ شارق نے پپو کو سڑک کے دوسری

طرف بھیج دیا۔ وہ سڑک کے کنارے سے ذرا ہٹ کر کھیتوں میں بیٹھ گیا۔

ایک بج کر دس منٹ پر بہت دور کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی دکھائی دی۔ وہ ہوشیار ہو گئے۔

روشنیاں قریب آ رہی تھیں۔ وہ لوگ کھنڈر سے نکل کر سڑک کے قریب کھیت کے کنارے پر آگئے اور پودوں میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ شارق نے ایک بار پھر ظفری اور شاہ پری کو سمجھا دیا کہ انہیں کیا کرنا ہے۔ ظفری نے اپنی رائفل ثمینہ کے حوالے کردی اور شاہ پری کو اشارہ کیا شاہ پری پودوں میں رینگتی ہوئی سڑک کے بالکل قریب پہنچ گئی۔ ظفری اس سے چند قدم پیچھے تھا۔ لیکن پھر وہ بھی شاہ پری کے قریب پہنچ گیا۔

ہیڈ لیمپس کی روشنیاں قریب آگئیں۔ شارق نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ پیجرو ہی تھی کیونکہ اس کے ہیڈ لیمپس کسی کار کے مقابلے میں کسی قدر اونچے تھے۔ پیجرو ابھی تقریباً" دو سو گز دور تھی کہ شارق نے شاہ پری کو اشارہ کیا۔ وہ کھیت سے نکل کر سڑک کی طرف دوڑنے لگی۔ ساتھ ہی وہ "بچاؤ بچاؤ۔" کی آوازیں لگا رہی تھی۔

شاہ پری سڑک پر پہنچ رہی تھی کہ ظفری نے بھی کھیت سے نکل کر اس کے پیچھے چھلانگ لگا دی اور سڑک کے عین کنارے پر اسے دبوچ لیا۔ شاہ پری گر گئی۔ ظفری اس سے گتھم گتھا ہو رہا تھا۔ شاہ پری اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی اس کھینچا تانی میں اس کی قمیض کچھ اور پھٹ گئی تھی۔

پیجرو قریب آرہی تھی۔ ظفری نے شاہ پری کا ایک بازو پکڑ لیا اور اسے کھیت کی طرف کھینچنے لگا۔ وہ بار بار قریب آتی ہوئی پیجرو کی طرف بھی دیکھ رہا تھا۔ شاہ پری سڑک پر گھسٹتے ہوئے حلق پھاڑ کر مدد کے لئے چیخ رہی تھی۔ اس نے ایک ہاتھ پیجرو کی طرف اٹھا رکھا تھا جیسے اسے رکنے کا اشارہ کر رہی ہو۔

پیجرو ابھی تقریباً" سوگز دور تھی۔ شاہ پری نے ظفری سے اپنا ہاتھ چھڑا لیا اور اٹھ کر سڑک پر دوڑنے لگی۔ ظفری نے بھی اس کے پیچھے دوڑ لگا دی اور چند قدم کے بعد ہی اس نے دوبارہ شاہ پری کو پکڑ لیا۔ اس مرتبہ شاہ پری کے بال اس کے ہاتھ میں آگئے تھے۔

پیجرو میں تین آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ڈرائیور کے ساتھ اگلی سیٹ پر حاجی افضال کا داماد عبدالشکور تھا۔ ان لوگوں نے سڑک پر یہ منظر دیکھا تو چونک گئے۔ عبدالشکور نے ڈرائیور کو اشارہ کیا اس نے ایکسیلیٹر پر پیر کا دباؤ بڑھا دیا۔

ظفری پیجرو کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پیجرو کی رفتار ایک دم تیز ہو گئی اور پھر وہ بریکوں کی

چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ ان سے چند گز کے فاصلے پر رک گئی۔ ظفری اب بھی شاہ پری کو بالوں سے پکڑے گھسیٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔

پجیرو رکتے ہی دو آدمی نیچے اترے۔ ان میں ایک ڈرائیور تھا اور دوسرا پچھلی سیٹ سے اترا تھا۔ عبدالشکور اپنی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ جبکہ نیچے اترنے والے ڈرائیور کے پاس کلاشنکوف اور دوسرے آدمی کے ہاتھ میں بھی پستول تھا۔ ڈرائیور نے نیچے اترتے ہی ظفری پر رائفل تان لی تھی۔

"اے۔ چھوڑو اس لڑکی کو اور الگ ہٹ کر کھڑے ہو جاؤ۔" ڈرائیور نے ظفری کو رائفل کی زد میں لیتے ہوئے چیخ کر کہا۔

"تم لوگ کون ہو؟" ظفری چیخا۔ "یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے۔ اس میں کوئی مداخلت نہ کرو تو بہتر ہے۔ جاؤ اپنا راستہ ناپو۔"

"چھوڑ دو اس لڑکی کو۔ راستہ ناپو کا بچہ۔" ڈرائیور چیخا۔ "کون ہے یہ لڑکی۔ اسے کہاں سے اٹھا کر لائے ہو۔"

"میں نے کہا نا یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے تم لوگ جاؤ۔" ظفری نے جواب دیا۔ اس کے لہجے سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ بالکل خوفزدہ نہیں ہوا تھا۔

"یہ ۔ یہ مجھے بستی سے اغوا کر کے لایا ہے۔" شاہ پری اپنے آپ کو بدستور چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے چیخی۔

"بچاؤ ۔ خدا کے لئے مجھے بچاؤ اس سے یہ مجھے مار ڈالے گا۔"

عبدالشکور اپنی سیٹ پر بیٹھا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ لڑکی جوان اور بے حد حسین تھی۔ وہ دروازہ کھول کر گاڑی سے نیچے اتر آیا۔

"اے۔" وہ ظفری پر پستول تانتے ہوئے بولا۔ "اس لڑکی کو چھوڑتے ہو یا اڑا دوں تمہاری کھوپڑی۔"

ظفری کی آنکھوں میں الجھن سی تیر گئی۔ اسی لمحہ شاہ پری نے اس کی کلائی پر دانت گاڑ دیئے۔ ظفری بلبلا اٹھا۔ شاہ پری نے ایک جھٹکے سے اپنے آپ کو چھڑا لیا اور عبدالشکور کی طرف دوڑی۔ ظفری اس کے پیچھے لپکا تھا لیکن ڈرائیور نے رائفل کے اشارے سے اسے روک دیا۔

شاہ پری دوڑتی ہوئی عبدالشکور سے لپٹ گئی۔

"مجھے اس سے بچالو صاحب جی۔ یہ درندہ ہے۔ مجھ مار ڈالے گا۔" وہ چیخی عبدالشکور کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔

ایک لمحہ کو اسے یوں لگا تھا جیسے اس کا دل پسلیوں کا پنجر توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ وہ زندگی کے جس شعبے سے تعلق رکھتا تھا اس میں کسی عورت کا قرب کوئی نئی بات نہیں تھی۔ اس کی زندگی میں کئی عورتیں آئی تھیں لیکن شاہ پری نے اس کی سانسوں کا توازن بگاڑ دیا تھا۔ وہ اس طرح اس سے لپٹی تھی جیسے اس کے اندر گھسنے کی کوشش کر رہی ہو۔ عبدالشکور کی حالت غیر ہو رہی تھی۔

کک ..... کون ہو تم۔" وہ ہکلایا۔ "اور یہ آدمی کون ہے۔"

"میں قصبے کے قریب افغانوں کی ایک چھوٹی سی بستی میں رہتی ہوں۔ ہم مہاجر ہیں۔ اپنے وطن سے نکل کر روزگار کی تلاش میں در در کی ٹھوکریں کھاتے ہوئے تقریباً" چھ مہینے پہلے یہاں آئے تھے۔ یہاں کھیتوں پر ہمیں کام مل گیا تھا۔ یہ آدمی۔" اس نے ظفری کی طرف اشارہ کیا۔

"تقریباً" دو ماہ سے میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ مجھ سے زبردستی شادی کرنا چاہتا ہے۔ آج اس نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے مجھے اغوا کرلیا۔ مجھے بستی سے نکال لانے کے بعد اس کے ساتھی ادھر کی طرف چلے گئے اور یہ مجھے اس کھنڈر میں لے آیا۔ اس نے دھمکی دی کہ اگر میں اس سے شادی نہیں کروں گی تو یہ مجھے برباد کر دے گا۔ میرے انکار پر اس نے دست درازی شروع کردی۔ میرے کپڑے پھاڑ دیئے۔ یہ میری عزت لوٹنا چاہتا تھا۔ میں موقع پاکر بھاگ نکلی۔ اگر آپ اس طرف نہ آجاتے تو یہ مجھے مار ڈالتا۔"

"فکر مت کرو۔ اب یہ تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔" عبدالشکور نے کہا اس کے دل کی دھڑکنیں بدستور بے ترتیب ہو رہی تھیں۔ وہ ظفری کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اگر اپنی خیریت چاہتے ہو تو یہاں سے بھاگ جاؤ۔"

ظفری خوفزدہ سا ہو کر الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگے۔ ڈرائیور اور اس کا ساتھی بھی چند قدم آگے بڑھ کر رک گئے۔

شاہ پری اب بھی عبدالشکور سے لپٹی ہوئی تھی۔ اس کا ایک ہاتھ مسلسل حرکت کر رہا تھا۔ عبدالشکور کے پورے جسم میں سنسنی کی لہریں سی دوڑ رہی تھیں دماغ میں سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ شاہ پری کا ہاتھ جب اس کے پستول والے ہاتھ میں پہنچا تو اس وقت بھی اسے خیال نہیں آیا تھا کہ اس کے ساتھ کسی قسم کا دھوکا ہو سکتا ہے۔ شاہ پری نے اطمینان سے اس کے ہاتھ سے پستول لے لیا تھا۔ اور پھر دوسرے ہی لمحے اس نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر پستول عبدالشکور کی کنپٹی سے لگا دیا۔ اور غراتی ہوئی آواز میں بولی۔

"اپنے آدمیوں سے کہو اسلحہ پھینک دیں' ورنہ تمہاری کھوپڑی اڑا دوں گی۔" عبدالشکور کو

یوں لگا جیسے اس پر ایٹم بم پھٹ پڑا ہو۔ اس کے دماغ میں دھماکے سے ہونے لگے۔ ڈرائیور نے
صورت حال دیکھ لی تھی۔ عبدالشکور نے بڑی جلدی اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔ وہ بڑی پھرتی سے
نیچے بیٹھ گیا۔

"کوئی گولی مت چلائے۔" دائیں طرف سے ایک چیختی ہوئی نسوانی آواز سن کر وہ سر
اچھل پڑے۔" کوئی گولی مت چلائے۔ تم لوگ چاروں طرف سے ہمارے گھیرے میں ہو۔"

یہ ثمینہ کی آواز تھی۔ شاہ پری نے بڑی تیزی سے پجیرو کی طرف چھلانگ لگا دی۔ ڈرائیور
نے بھی بڑی پھرتی سے گھوم کر آواز کی طرف کلاشنکوف کا برسٹ مارا تھا۔ اس کے جواب میں ان
پر تین اطراف سے گولیاں برسنے لگیں۔ شارق' ثمینہ اور سڑک کے دوسری طرف سے پپو نے
بیک وقت فائر کھول دیا تھا۔

ڈرائیور اور اس کا ساتھی چھلنی ہو کر گر پڑے۔ عبدالشکور بھی سڑک پر اس انداز میں بیٹھا
جیسے اٹھ کر بھاگنے کی تیاری کر رہا ہو۔ لیکن وہ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکا تھا۔ اسے اگرچہ
کوئی گولی نہیں لگی تھی لیکن صورتحال نے اسے حواس باختہ کر دیا تھا۔

ثمینہ اور شارق وغیرہ کھیتوں سے نکل کر سڑک پر آ گئے۔ عبدالشکور انہیں دیکھ کر اچھل
پڑا۔ ثمینہ کے ہاتھ میں کلاشنکوف تھی جس کا رخ عبدالشکور کی طرف تھا۔ اسے اپنی آنکھوں کے
سامنے موت ناچتی ہوئی نظر آنے لگی۔

"تت .... تم۔" وہ ثمینہ اور شارق کی طرف دیکھ کر ہکلایا۔

"ہاں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "لیکن ڈرو نہیں۔ ہم تمہیں کچھ نہیں کہیں گے' تمہیں
زندہ رکھیں گے' تاکہ تم اپنے سسر کو بتا سکو کہ تین کروڑ کا سونا لوٹنے والے کون لوگ ہیں۔ حاجی
کو بتا دینا کہ ہم اس کی سرگرمیوں سے بے خبر نہیں ہیں۔ اس سونے کے بارے میں ہمیں اس
وقت اطلاع مل گئی تھی جب یہ دبئی سے کراچی پہنچا تھا اور اس پر قبضہ کرنے کے لئے ہم مناسب
وقت کا انتظار کر رہے تھے' اور اپنے سسر کو یہ بھی بتا دینا کہ شارق کی ماں اور بہن کی بے عزتی کا
انتقام ابھی پورا نہیں ہوا۔ اس کے خلاف ہماری کارروائیاں جاری رہیں گی۔" وہ چند لمحوں کو
خاموش ہوئی پھر ظفری اور پپو کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "یہ دونوں لاشیں اٹھا کر کھنڈر میں ڈال
دو اور اسے بھی باندھ کر کھنڈر میں پھینک دو۔"

"حاجی تم لوگوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔" عبدالشکور نے کہا۔

"ابھی تو اسے اپنی جان کی فکر ہو گی۔" ثمینہ نے کہا۔ "آج ہم تمہیں صرف اس لئے زندہ
چھوڑ رہے ہیں۔ کہ حاجی کو ہمارے بارے میں بتا سکو۔ لیکن اگلی مرتبہ تمہیں پکڑ لیں گے تو

ہماری لاش ہی حاجی کو بھیجی جائے گی۔"

شارق خاموش کھڑا یہ سب کچھ سن رہا تھا۔ ظفری اور پپو' ڈرائیور اور اس کے ساتھی کی
لاشیں اٹھا کر کھنڈر کی طرف لے جا رہے تھے۔

"تم اپنی قمیض اتارو۔" ثمینہ نے عبدالشکور کو اشارہ کیا۔

شکور نے خاموشی سے قمیض اتار دی۔ ثمینہ نے وہ قمیض شاہ پری کی طرف اچھال دی۔

"گاڑی میں بیٹھ کر یہ قمیض پہن لو۔ اور شارق تم گاڑی کو ایک سائیڈ پر لگالو۔"

شاہ پری نے پجیرو میں بیٹھ کر قمیض بدل لی تو شارق بھی مسکراتا ہوا اسٹیئرنگ کے سامنے
آ گیا اور انجن اسٹارٹ کر کے اسے تھوڑا آگے لے گیا اور یوٹرن لیتا ہوا واپس آ گیا۔

ظفری اور پپو اب عبدالشکور کو گھسیٹتے ہوئے کھنڈر کی طرف لے جا رہے تھے۔ ثمینہ بھی ان
کے ساتھ تھی۔ کھنڈر میں پہنچ کر ظفری نے کار کی ڈکی میں سے رسی نکالی اور عبدالشکور کے ہاتھ
باندھ کر اسے کار کی پچھلی سیٹ پر ڈال دیا۔ ثمینہ نے اگلی سیٹ پر پڑا ہوا اپنا برقعہ اور شاہ پری
کی چادر اٹھا لی اور عبدالشکور کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"یہ کار بھی حاجی کی ہے جو ہم سمن آباد والی کوٹھی سے لے گئے تھے۔ دن چڑھنے پر کوئی
نہ کوئی اس طرف ضرور آئے گا جو تمہیں رسی کی بندشوں سے آزاد کر دے گا اور تم لاہور جا کر
حاجی کو بتا سکو گے کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا تھا اور کس نے کیا تھا۔"

وہ ظفری اور پپو کو اشارہ کرتی ہوئی واپس آ گئی۔

پجیرو کا انجن اسٹارٹ تھا۔ شارق اسٹیئرنگ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ شاہ پری پچھلی سیٹ پر
بیٹھ گئی۔ ظفری اور پپو بھی پیچھے بیٹھ گئے۔ ثمینہ' شارق کے ساتھ پسنجرز سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اس نے
پیچھے مڑ کر دیکھا۔ سیٹوں کے درمیان خالی جگہ پر لکڑی کی تین پیٹیاں رکھی ہوئی تھیں۔

ثمینہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ حاجی کا تین کروڑ روپے مالیت کا سونا ان کے قبضے میں
آ گیا تھا۔

شارق نے ثمینہ کی طرف دیکھا اور پجیرو کو حرکت میں لے آیا۔ پجیرو کی رفتار گزرنے
والے ہر لمحہ کے ساتھ تیز ہوتی جا رہی تھی۔

○

ظفری اور پپو کو اچھرے والے اڈے پر چھوڑ کر شارق وغیرہ جب کوٹھی پہنچے تو صبح کے پانچ
بج رہے تھے۔ پجیرو انہوں نے گیراج میں بند کر دی اور اس میں رکھی ہوئی لکڑی کی پیٹیاں نکال

کر ایک کمرے میں لے آئے۔ شارق نے ایک پیٹی کھول دی۔ اس کے ساتھ ہی ان کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ پیٹی میں سونے کے بسکٹ بھرے ہوئے تھے۔ ہر بسکٹ سو گرام کا تھا اور ان پر دبئی کی ایک مالیاتی کمپنی کی مہر لگی ہوئی تھی۔ شارق نے دوسری دونوں پیٹیاں بھی کھول ڈالیں۔ ان میں بھی سونے کے بسکٹ بھرے ہوئے تھے۔

"صبح جب حاجی کو اطلاع ملے گی کہ اس کا سونا ہم لوگوں کے قبضے میں آگیا ہے تو شاید اپنے آپ کو گولی ہی مار لے۔" ثمینہ نے سونے کا ایک بسکٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"اس سونے کی مالیت تین کروڑ ہے۔" شارق بولا۔ "یہ رقم حاجی کے لئے بہت معمولی ہے۔ وہ یہ مالی نقصان تو برداشت کر لے گا' لیکن یہ بات یقیناً" اس کے لئے ناقابل برداشت ہوگی کہ اس کا یہ سونا ہم نے چھینا ہے۔ وہ خودکشی تو نہیں کرے گا البتہ ہمارے خلاف اس کی سرگرمیاں تیز ہو جائیں گی۔ لیکن میں اسے ایسا موقع ہی نہیں دوں گا کہ وہ ہمارے خلاف کوئی کارروائی کرسکے۔ میں اسے چین سے بیٹھنے نہیں دوں گا۔"

"ویسے اس مشن کی کامیابی کا سہرا شاہ پری کے سر پر ہے۔" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس کی اداکاری لاجواب تھی۔ اسے دیکھ کر بالکل یہی لگتا تھا جیسے اسے واقعی جان سے مار دیا جانے والا ہو۔"

"ہاں۔ یہ واقعی کمال کی لڑکی ہے۔ ابھی تو اس نے اور بھی بہت سے کام کرنے ہیں بہرحال۔ "شارق' ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم چائے بناؤ۔ میں ان پیٹیوں کو ٹھکانے لگا آتا ہوں۔"

شارق نے باری باری تینوں پیٹیاں اٹھا کر تہہ خانے میں پہنچا دیں۔ تھوڑی دیر بعد ثمینہ نے چائے تیار کرلی اور وہ لاؤنج میں بیٹھ کر چائے پینے لگے۔ کھڑکیوں سے دن کی ہلکی سی روشنی آرہی تھی۔ شارق نے اٹھ کر ایک کھڑکی کھول دی۔ ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا۔ وہ ثمینہ اور شاہ پری کی طرف مڑگیا۔

"باہر بڑی خوشگوار ہوا چل رہی ہے۔ باہر نہ بیٹھا جائے؟"

"بہت اچھا خیال ہے۔" ثمینہ اپنا کپ لے کر اٹھ گئی۔ شاہ پری نے اٹھ کر اپنا کپ اٹھایا اور وہ لاؤنج سے نکل کر برآمدے میں بچھی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ کرسیاں پرانی تھیں نجانے کب سے یہاں پڑی تھیں۔ لیکن استعمال کے قابل تھیں۔

ہوا واقعی بہت خوشگوار تھی۔ شارق نے برآمدے سے باہر نکل کر جھانکا تو اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

"بادل چھا رہے ہیں۔ مغرب کی طرف سے گھٹا اٹھ رہی ہے۔ آج بارش ضرور ہو گی۔" اس نے دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"گھر چلنا ہے یا آج یہیں رہا جائے۔" ثمینہ نے پوچھا۔

"آج یہیں رہ جاتے ہیں۔ رضیہ کو تھوڑی دیر بعد فون کر دینا کہ ہم شام تک آجائیں گے۔ وہ پریشان نہ ہوں۔" شارق نے کہا۔

چائے پینے کے بعد ثمینہ اٹھ کر اندر چلی گئی۔ اس وقت کسی مسجد سے فجر کی اذان کی آواز سنائی دی۔ ثمینہ جانتی تھی کہ ماں جی اور رضیہ بھی اٹھ گئی ہوں گی۔ اس نے فون کا ریسیور اٹھا کر دوبارہ رکھ دیا۔ اس نے سوچا تھا کہ ماں جی نماز پڑھ لیں تو پھر فون کرے گی۔

آسمان پر بادل پھیلتے جا رہے تھے۔ اب مغرب سے گڑگڑاہٹ کی آواز بھی سنائی دینے لگی تھی۔ پھر یکایک یوں محسوس ہوا جیسے رات ہو گئی۔ سیاہ بادلوں نے دیکھتے ہی دیکھتے پورے آسمان کو ڈھک لیا تھا اور فضا میں تاریکی چھا گئی تھی۔ بادلوں کی گرج کے ساتھ بجلی بھی رہ رہ کر چمک رہی تھی اور پھر آسمان سے پانی کی موٹی موٹی بوندیں برسنے لگیں۔ جنہوں نے دیکھتے ہی دیکھتے تیز بارش کی شکل اختیار کرلی۔

پانی کی چھینٹیں برآمدے کے اندر آ رہی تھیں۔ ثمینہ اور شاہ پری کرسیوں سے اٹھ کر برآمدے کے کنارے پر کھڑی ہو گئیں۔ دونوں نے ایک ایک ہاتھ باہر پھیلا دیا تھا۔ ہاتھوں پر پڑنے والے پانی کے چھینٹے بڑے بھلے لگ رہے تھے۔

شارق کچھ دیر تک دلچسپ نظروں سے ان کی طرف دیکھتا رہا پھر وہ بھی کرسی سے اٹھا اور ان کے پیچھے آکر کھڑا ہوگیا۔ پھر اس نے دونوں ہاتھ ان دونوں کی پشت پر رکھے اور بڑے اطمینان سے انہیں دھکا دیدیا۔ ان دونوں کے منہ سے ہلکی سی چیخیں نکلیں اور وہ لڑکھڑاتی ہوئی نیچے پہنچ گئیں۔

شاہ پری نے برآمدے کی طرف دوڑنے کی کوشش کی تھی لیکن ثمینہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے کھینچتی ہوئی لان میں لے گئی۔ وہ دونوں تیز بارش میں ایک دوسرے سے دھینگا مشتی کرتی رہیں۔ پھر برآمدے میں آگئیں۔ ان کے کپڑوں سے پانی بہہ رہا تھا۔ شارق مسکراتی ہوئی نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ثمینہ اور شاہ پری نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر دونوں نے بیک وقت شارق کو دھکا دے دیا۔ برآمدے سے باہر پہنچ کر شارق لڑکھڑا گیا۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا اور چاروں خانے چت نیچے گرا۔ ثمینہ اور شاہ پری بھی چھلانگ لگا کر

برآمدے سے نیچے آئیں۔ ان دونوں نے شارق کو بانہوں اور ٹانگوں سے پکڑ لیا اور اسے ڈنڈا ڈولی کر کے اٹھاتے ہوئے لان میں لے آئیں۔ ایک دو جھولے دیئے اور پھر گھاس پر پھینک دیا۔

وہ دونوں برآمدے میں آکر کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔ ان کے کپڑوں سے نچڑنے والا پانی برآمدے کے فرش پر بہہ رہا تھا۔ وہ دونوں شارق کی طرف دیکھ کر قہقہے لگا رہی تھیں جو گھاس پر لوٹیں لگا رہا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد دونوں بھی پھر لان میں آگئیں اور وہ تینوں ایک دوسرے پر پانی کے چھینٹے اڑانے لگے۔ آج طویل عرصہ بعد انہیں تفریح کا موقع ملا تھا۔

ہنگاموں کی وجہ سے تفریح تو جیسے ان کی زندگیوں سے رخصت ہوگئی تھی اور آج موقع ملا تھا تو اس سے بھرپور انداز میں لطف اندوز ہو لینا چاہتے تھے۔ یہاں دیکھ لئے جانے کا اندیشہ بھی نہیں تھا۔ ان کے چاروں طرف وسیع و عریض کوٹھیاں تھیں۔ ہر کوٹھی میں لان تھا۔ اگر کوئی بارش سے لطف اندوز ہونے کے لئے باہر نکلے گا بھی تو اپنے لان ہی میں آئے گا۔

وہ تینوں تقریباً ایک گھنٹے تک بارش میں بھیگتے رہے پھر برآمدے میں آگئے۔ اتنی دیر تک پانی میں رہنے سے سردی محسوس ہونے لگی تھی۔ ثمینہ کے تو باقاعدہ دانت بج رہے تھے۔

"تم لوگ جا کر کپڑے بدل لو۔ کہیں بیمار نہ پڑجاؤ۔" شارق نے کہا۔

"بڑی جلدی خیال آیا۔" شاہ پری بولی۔ "جب تم نے ہمیں بارش میں دھکا دیا تھا تو اس وقت تو ہمارے بیمار پڑنے کا خیال نہیں آیا تھا۔"

"نہیں۔ اس وقت صرف شرارت سوجھی تھی۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پہلے ثمینہ اٹھ کر اندر گئی وہ تقریباً بیس منٹ بعد واپس آئی تھی اس نے نہ صرف کپڑے بدل لئے تھے بلکہ سردی سے بچنے کے لئے بستر کی ایک چادر بھی اوڑھ لی تھی۔

"میں نے تمہارے لئے بھی کپڑے نکال کر بیڈ پر رکھ دیئے ہیں۔ جاؤ بدل لو۔" اس نے شاہ پری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔

شاہ پری اٹھ کر اندر چلی گئی۔ اس نے حاجی کے داماد عبدالشکور والی قمیض پہن رکھی تھی جو بھیگ کر اس کے جسم سے چپک گئی تھی۔

"رضیہ کو فون کر دیا۔" شارق نے ثمینہ کی طرف دیکھا۔ "نہیں۔ ابھی تھوڑی دیر میں کرتی ہوں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر بعد شاہ پری بھی کپڑے بدل کر آگئی۔ اب شارق کی باری تھی۔ وہ اٹھ کر اندر چلا گیا۔ جب وہ کپڑے بدل کر کمرے سے نکلا تو ثمینہ فون پر رضیہ سے بات کر رہی تھی۔ اس کے

ب ہی صوفے پر شاہ پری بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے فون بند کردیا۔

"کچھ کھانے کو ملے گا؟ شارق نے سوالیہ نگاہوں سے ثمینہ کی طرف دیکھا۔

"یہاں کچھ بھی نہیں ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "ہم کئی روز بعد یہاں آئے ہیں۔ میں کچھ لاکر رکھا ہی نہیں تھا۔"

"بارش کچھ ہلکی ہو تو کہیں سے کچھ لے کر آتا ہوں۔" شارق بولا۔

"بارش کی وجہ سے اتنی صبح کوئی دکان نہیں کھلی ہوگی۔"

ثمینہ نے جواب دیا۔ "بہتر یہ ہے کہ بارش ہلکی ہوتے ہی ہم گھر کی طرف دوڑ لگا دیں۔ وہ فاصلہ تو نہیں ہے نا۔"

"یہی مناسب رہے گا۔ بارش ہلکی ہوتے ہی ہم یہاں سے نکل پڑیں گے۔" شارق نے

"اور یہ گھر؟" شاہ پری نے الجھی ہوئی نظروں سے باری باری ان کی طرف دیکھا۔ "کیا ے خالی چھوڑ دیا جائے گا۔ یہاں کروڑوں روپے مالیت کا سونا پڑا ہوا ہے۔"

"سونا کہیں نہیں جائے گا۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ گھر پہلے بھی کئی ز سے خالی پڑا تھا۔ اگر کوئی چور آ بھی گیا تو اسے یہاں فرنیچر کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ سونا تہہ نے میں ہے اور تہہ خانے کے دروازے پر میں نے موٹا سا تالا ڈال دیا ہے۔ چور بڑی عجلت میں تے ہیں۔ وہ کمروں میں الماریوں وغیرہ کی تلاشی تو لے لیتے ہیں لیکن کسی مکان میں تہ خانے کا تہ تلاش نہیں کرتے۔ اس لئے تم سونے کی فکر مت کرو۔ وہ محفوظ رہے گا۔"

"ہاں--- یہ بات تو تم ٹھیک ہی کہتے ہو۔" شاہ پری بولی۔ "کسی چور کو تو یہ معلوم نہیں ا کہ اس مکان کے نیچے تہ خانہ ہے اور تہ خانے میں سونا بھی رکھا ہوا ہے۔"

"میرے خیال میں اس دوران حاجی کی خیریت نہ معلوم کر لی جائے۔" ثمینہ نے کہا۔ "اسے ب تک اطلاع تو مل گئی ہوگی۔"

"اطلاع یقیناً مل گئی ہو گی۔ میں ابھی معلوم کرتا ہوں۔ شارق نے کہتے ہوئے فون کا یور اٹھا لیا۔

اس نے حاجی کے دو تین ٹھکانوں کے نمبر ملائے تھے لیکن وہ کہیں بھی موجود نہیں تھا۔ ان والی کوٹھی سے ایک آدمی کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی تھی اس نے بھی یہی کہا تھا کہ اسے لوم نہیں کہ حاجی اس وقت کہاں ہوگا۔

"دیکھو۔ تم جو کوئی بھی ہو میری بات غور سے سنو۔" شارق نے کہا۔ "کیا تمہیں معلوم

ہے کہ قصور کے قریب آج حاجی کے دو بندے مارے گئے ہیں؟"

"آہو جی۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"میں اسی سلسلے میں حاجی کو ایک اہم اطلاع دینا چاہتا ہوں۔" شارق نے کہا۔ "مجھے معلوم ہے کہ وہ بندے کس نے مارے ہیں اور سونا کون لوگ لوٹ کر لے گئے ہیں۔"

"حاجی صاحب کو معلوم ہے جی۔" دوسری طرف سے جواب ملا۔ "اس کے داماد نے بتایا تھا۔ شارق اور ثمینہ نے ان پر حملہ کیا تھا۔ شکور صاحب بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگے تھے۔"

"میں حاجی صاحب کو یہ اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ شارق اور ثمینہ اس وقت کہاں چھپے ہوئے ہیں۔ اس لئے میں حاجی کا نمبر معلوم کرنا چاہتا ہوں۔" شارق نے کہا۔

"مجھے ان کا پتا بتا دیں جی۔ میں حاجی صاحب کو بتا دوں گا۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"نہیں۔ یہ بات میں صرف حاجی صاحب ہی کو بتاؤں گا۔" شارق بولا۔

"ایک منٹ ہولڈ کریں گے۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور پھر خاموشی چھا گئی۔ ایک کے بجائے دو منٹ بعد وہی آواز دوبارہ سنائی دی۔ "حاجی صاحب اس وقت اقبال ٹاؤن والے مکان میں ہیں جی۔ آپ وہاں کا ٹیلی فون نمبر لکھ لیں۔"

شارق کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ اقبال ٹاؤن میں حاجی کے کسی ٹھکانے کے بارے میں انکشاف ہوا تھا اور جب دوسری طرف سے فون نمبر بتایا گیا تو وہ اچھل پڑا۔ یہ تو اسی مکان کا نمبر تھا جو اس کی عدم موجودگی میں حاجی نے ماں جی اور رضیہ سے خالی کروایا تھا۔ گویا یہ مکان حاجی ہی کے قبضے میں تھا۔ اس نے ریسیور رکھ دیا اور ثمینہ کو اس مکان کے بارے میں بتانے لگا۔ کچھ دیر بعد اس نے دوبارہ ریسیور اٹھایا اور نمبر ملانے لگا۔ کال ریسیو ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔

"حاجی سے بات کراؤ۔" شارق نے ہیلو کی آواز کے جواب میں کہا۔

"حاجی صاحب اس وقت مصروف ہیں۔ وہ فون پر نہیں آسکتے۔ آپ اپنا نمبر دیدیں' وہ بعد میں آپ سے بات کرلیں گے۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"میرا نام بتاؤ گے تو وہ ساری مصروفیت بھول جائے گا۔ شارق نے کہا۔ "اس سے کہو شارق بات کرنا چاہتا ہے۔"

"شش ۔ شارق۔" دوسری طرف جو کوئی بھی تھا وہ شارق کا نام سن کر ہکلا گیا۔ "رکو ایک منٹ رکو۔"

"فون پر خاموشی چھا گئی۔ پھر چند سیکنڈ بعد حاجی کی آواز سنائی دی۔" کون بول رہا ہے۔

تمہارا پرانا دوست شارق۔" شارق نے جواب دیا۔ "تم دنیا کے کسی بھی کونے میں چلے جاؤ۔ مجھ سے چھپ نہیں سکو گے حاجی۔ یہ درست ہے کہ تمہارے ہاتھ بہت لمبے ہیں لیکن میرے ذرائع بھی لامحدود ہیں۔ اس کا اندازہ تم نے لگا لیا ہے۔ تمہارا تین کروڑ کا سونا میرے قبضے میں ہے اور تمہارے اس خفیہ ٹھکانے کا بھی میں نے پتا چلا لیا ہے۔"

"میں ..... میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا' شارق۔" حاجی کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ابھی تو تم اپنی خیر مناؤ۔" شارق نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

"تم نے مجھے تین دن کا الٹی میٹم دیا تھا کہ میں یہ شہر چھوڑ کر چلا جاؤں ورنہ تم مجھے قتل کردو گے۔ آج کتنے روز گزر گئے۔ تم میرا سراغ نہیں لگا سکے۔ میرے ایک بے گناہ دوست کو قتل کرکے تم نے بہادری کا ثبوت نہیں دیا۔ میرا انتقام جاری رہے گا حاجی ..... میں تمہیں کہیں بھی چین سے بیٹھنے نہیں دوں گا۔ تھوڑی دیر بعد اپنا یہ ٹھکانہ بھی چھوڑ کر بھاگ جاؤ گے لیکن میری یہ بات ذہن میں رکھنا تم کہیں بھی میری نظروں سے چھپ نہیں سکو گے۔"

"میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" حاجی چیخا۔

"اچھا سبق ہے۔ اسے بار بار دوہراتے رہو۔" شارق نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ "ویسے ایک بات کہوں۔ تمہاری طرف سے بار بار اس دھمکی کو دوہرانا اس بات کی نشانی ہے کہ تم ڈر گئے ہو۔"

"تم میرے ہاتھوں سے بچ کر نہیں جا سکو گے۔" حاجی کی آواز سنائی دی۔

"پھر وہی دھمکی۔" شارق بولا۔ "ایک بات اور سن لو۔ کل رات میں نے تمہارے داماد کو زندہ چھوڑ دیا تھا لیکن آئندہ میرا اور اس کا سامنا ہوا تو تمہیں اس کی لاش ہی ملے گی۔ ویسے ایک دو دن میں' میں تمہیں ایک اور تحفہ دینے والا ہوں۔ انتظار کرو۔"

دوسری طرف سے حاجی نے کچھ کہنا چاہا لیکن شارق نے فون بند کر دیا۔ شاہ پری اور ثمینہ اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"اس کے پاگل ہونے میں تھوڑی سی کسر رہ گئی ہے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ایک دو چوٹیں اور لگیں گی تو اپنے حواس کھو بیٹھے گا۔"

وہ تینوں برآمدے میں آکر بیٹھ گئے۔ بارش زور و شور سے برس رہی تھی۔ شاہ پری کرسی پر بیٹھے بیٹھے اونگھنے لگی۔ وہ لوگ رات بھر کے جاگے ہوئے تھے۔ شارق کی آنکھوں میں بھی جلن ہو رہی تھی۔

تقریباً" آدھے گھنٹے بعد بارش کا زور ٹوٹ گیا۔ ثمینہ نے شاہ پری کو جگا دیا اور کچھ ہی دیر بعد وہ تینوں کوٹھی کو تالا لگا کر گیٹ سے باہر نکال رہے تھے ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ ان تینوں نے بھیگنے سے بچنے کے لئے چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔

"رضیہ۔" شارق برآمدے کی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بولا۔ "بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے اور نیند بھی آرہی ہے۔ تم جلدی سے ناشتا بنادو۔"

رضیہ فوراً" ہی اٹھ کر اندر چلی گئی۔ شاہ پری تو ماں جی کے قریب کرسی پر بیٹھ گئی اور ثمینہ' شارق کے ساتھ اس کے کمرے میں آگئی جہاں نولکھا لیٹا ہوا تھا۔ وہ جاگ رہا تھا اور کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ شارق اور ثمینہ کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر نولکھا کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔

"ہیلو۔" شارق پلنگ کی پٹی پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اب کیسی طبیعت ہے۔"

"ڈاکٹر احمد کے ہاتھ میں اللہ نے بڑی شفا دی ہے۔" نولکھا نے جواب دیا۔

"بخار تو اب ختم ہوگیا ہے۔ کمزوری ہے۔ وہ بھی دور ہو جائے گی اور مجھے امید ہے کہ دو تین دن بعد میں اٹھ کر گھوڑے کی طرح بھاگنے لگوں گا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "ویسے ایک بات ہے شارق باؤ۔ میں نے جتنا خلوص تم لوگوں میں پایا ہے دنیا میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ فیصل آباد میں جب میں بیمار ہوا تھا تو بڑا مایوس تھا۔ میرا خیال تھا کہ تم لوگ مجھے بھول گئے ہو۔ لیکن آفرین ہے تم لوگوں پر۔"

"نولکھا بھائی۔" قریب کھڑی ہوئی ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ہمارا ساتھ بہت پرانا ہے اور ہماری یہ دوستی کسی لالچ کی وجہ سے نہیں ہے۔ ہماری دوستی کی بنیاد خلوص اور پیار و محبت پر قائم ہے۔ ہم ایک دوسرے کو نہیں چھوڑ سکتے۔"

"میں جانتا ہوں ثمینہ بی بی۔" نولکھا نے کہا۔ "افغانستان میں ہمارے ساتھ کیا کچھ نہیں ہوا۔ زندگی کے اس کٹھن ترین مرحلے میں ہم ایک دوسرے کا سہارا بنے رہے اور سچ تو یہ ہے کہ اگر ہمیں ایک دوسرے کا سہارا نہ ہوتا تو ہم میں سے کوئی بھی واپس نہ آتا۔"

"سچ کہتے ہو۔" ثمینہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

اسی دوران رضیہ نے آکر بتایا کہ ناشتا تیار ہوگیا ہے۔ "یہیں لے آؤ۔" شارق بولا۔ "ہم یہیں بیٹھ کر کھائیں گے اور نولکھا سے باتیں بھی ہوتی رہیں گی۔"

کچھ دیر بعد رضیہ ناشتا لے آئی۔ وہ نولکھا کے لئے سوپ بھی گرم کر کے لے آئی تھی۔ شاہ پری بھی وہیں آگئی تھی۔ وہ لوگ ناشتے کے ساتھ باتیں بھی کرتے رہے۔

ناشتہ کر لینے کے بعد بھی وہ لوگ کافی دیر وہاں بیٹھے رہے۔ پھر ثمینہ اور شاہ پری تو اپنے کمرے میں چلی گئیں اور شارق نولکھا والے کمرے ہی میں قالین پر لیٹ گیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وہ بھی نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا۔

○

بارش پورا دن اور پھر رات بھر ہوتی رہی تھی۔ زور اگلے دن گیارہ بجے کے لگ بھگ ٹوٹا تھا۔

ظفری' پپو اور قدیر اپنے مکان میں پھنس کر رہ گئے تھے۔ انہیں یوں لگ رہا تھا۔ جیسے ان کا مکان سیلاب میں گھر گیا ہو۔ باہر گلی میں کئی فٹ پانی جمع تھا۔ آنگن میں بھی پانی بھر گیا تھا۔ اگر کمروں والا چبوترا اونچا نہ ہوتا تو کمروں میں بھی پانی بھر چکا ہوتا لیکن اس کی کسر اس طرح پوری ہوگئی تھی کہ دونوں کمروں کی چھتیں ٹپک رہی تھیں۔ ایک کمرا تو بہت زیادہ ٹپک رہا تھا جبکہ دوسرے کمرے کی ایک دیوار سے پانی پتلی سی دھار کی صورت میں بہنے لگا تھا۔

"تم نے تو مروا دیا قدیرے۔" ظفری نے قدیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر چھت بیٹھ گئی تو ہم بھی نیچے دب جائیں گے۔"

"فکر مت کرو۔ چھت نہیں بیٹھے گی۔" قدیر بولا۔

"چھت نہیں بیٹھے گی ہم بیٹھ جائیں گے۔ پپو نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کل صبح سے کھانے کو کچھ نہیں ملا۔ چائے بھی نہیں پی۔ کہیں باہر جانے کا راستہ ہی نہیں ہے اگر بارش اسی طرح برستی رہی تو ہم یہاں بھوکے پیاسے مرجائیں گے۔"

"نہیں مرتے یار۔" قدیر بولا۔ "بارش ذرا ہلکی ہونے دو۔ میں خود باہر جاکر کھانے پینے کی چیزیں خرید کر لاتا ہوں۔"

"باہر کیسے جاؤ گے۔ گلی میں تو دریا کی طرح پانی بھرا ہوا ہے۔" پپو بولا۔

"تم فکر مت کرو۔ میں تیرنا جانتا ہوں۔" قدیر نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

دوپہر دو بجے کے قریب بارش بند ہوگئی۔ لطف کی بات یہ ہوئی کہ بارش بند ہوتے ہی بادل چھٹ گئے اور دھوپ چمکنے لگی۔

"بڑی بھوک لگ رہی ہے یار۔" ظفری بولا۔ "میں خود باہر جاتا ہوں۔" وہ کمرے سے نکل کر صحن میں آگیا۔ یہاں گھٹنوں تک پانی تھا۔ لیکن بیرونی دروازے کے پاس پہنچ کر وہ رک گیا۔ گلی میں زیادہ پانی تھا۔ اسے سڑک کی طرف سے ایک آدمی آتا ہوا دکھائی دیا۔ پانی اس کی کمر سے

بھی اونچا تھا۔ اس آدمی کو دیکھ کر ظفری واپس آگیا۔

"کیا ہوا؟" پپو نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"باہر گلی میں تو گلے گلے تک پانی ہے۔" ظفری بولا "انتظار کرلو۔ شاید تھوڑی دیر میں پانی اتر جائے۔"

انہیں شام تک انتظار کرنا پڑا۔ چھ بجے کے قریب ظفری باہر نکلا تو گلی میں ٹخنوں تک پانی تھا وہ دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا مین روڈ پر آگیا اور تقریباً" سو گز کا فاصلہ طے کرکے اس سڑک پر مڑ گیا جو اقبال ٹاؤن کی طرف چلی گئی تھی۔ یہاں موڑ پر چند اچھی دکانوں کے علاوہ ایک عمدہ ریسٹورنٹ اور بیکری بھی تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ دو دن کی بارش سے نہ تو بجلی گئی تھی اور نہ ہی ٹیلی فون کی لائنوں میں کوئی خرابی ہوئی تھی۔ کم از کم اس علاقے کے بارے میں یہی کہا جاسکتا تھا۔ حالانکہ بارش کا پہلا چھینٹا پڑتے ہی بجلی غائب ہوتی ہے۔

بارش بند ہونے کے بعد سڑکوں پر گاڑیوں کی آمدورفت شروع ہوگئی تھی۔ آس پاس کی کوٹھیوں کے رہنے والے سودا سلف لینے کے لئے گھروں سے نکل آئے تھے۔ ان دکانوں پر خاصی رونق ہو رہی تھی۔

ظفری ریسٹورنٹ میں گھس گیا۔ سب سے پہلے اس نے دو کپ گرم گرم چائے پی۔ پھر بیکری اور دوسری دکانوں سے کھانے پینے کی اشیاء خریدیں ریسٹورنٹ سے پلاسٹک کی تھیلیوں کا ایک یہ فائدہ بھی تھا کہ ان میں کوئی بھی چیز لے جائی جاسکتی تھی۔

جب وہ آخری دکان سے باہر نکلا تو اس کے دونوں ہاتھوں میں شاپنگ بیگ تھے۔ وہ ابھی چند ہی قدم چلا تھا کہ اس کے قریب ہی ایک موٹر سائیکل آکر رکی۔ ظفری موٹر سائیکل سے ٹکراتے ٹکراتے بچا تھا۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو اس کے ساتھ ہی اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ حاجی کے گروہ کا آدمی تارا تھا۔ ظفری اسے اچھی طرح جانتا تھا۔ تارا نے بھی اسے دیکھا تھا لیکن اس نے توجہ نہیں دی تھی۔ شاید وہ اسے پہچان نہیں سکا تھا۔

ظفری تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا مین روڈ کی طرف چلنے لگا۔ ایک مرتبہ اسے نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ تارا بیکری میں داخل ہو رہا تھا۔ ظفری مین روڈ پر آگیا اور سڑک کے کنارے چلنے لگا۔ وہ سڑک پار کرکے دوسری طرف پہنچا ہی تھا کہ ایک دم تاریکی چھا گئی۔ ظفری ایک جھٹکے سے رک گیا۔

اس طرف آتے ہوئے اسے بجلی بند نہ ہونے پر حیرت ہو رہی تھی اور اب بجلی چلی گئی تھی۔ یہ محض اتفاق تھا کہ اس نے دکان سے دوسری چیزیں خریدتے وقت دو تین موم بتیاں بھی

لے لی تھیں۔

گاڑیوں کی آمدورفت کی وجہ سے سڑک پر کسی حد تک روشنی تھی۔ راستہ نظر آرہا تھا۔ وہ سڑک کے کنارے پر چلتا رہا اور پھر اپنی گلی کی طرف مڑ گیا۔ اس طرف گہری تاریکی تھی اور کیچڑ بھی تھا۔ اس نے دونوں شاپنگ بیگ ایک ہاتھ میں پکڑ لئے اور دوسرے ہاتھ سے دیوار کا سہارا لیتے ہوئے سنبھل سنبھل کر چلتا رہا۔ وہ کئی مرتبہ پھسلا تھا۔ اگر اس نے دیوار کا سہارا نہ لے رکھا ہوتا تو یقیناً" گر پڑتا۔

وہ تقریباً" دس منٹ بعد ڈیرے پر پہنچ سکا تھا۔ اس نے جاتے ہی سب سے پہلے موم بتی نکال کر جلائی اور پھر دونوں شاپنگ بیگ قدیر کے حوالے کر دیئے۔

"اس میں ایک تھیلی میں چائے بھی ہے۔ نکال کر پی لو۔ ورنہ ٹھنڈی ہو جائے گی۔" اس نے کہا۔

قدیر نے چائے والی تھیلی نکال لی اور پیالیوں میں چائے انڈیلنے لگا چائے اچھی خاصی تھی۔ ظفری نے بھی ایک کپ پیا۔ وہ کمرے کے سامنے والے ٹھرے پر بیٹھے ہوئے تھے اور مچھر انہیں بری طرح نوچ رہے تھے۔

"پتا نہیں کب آئے گی بتی!" پپو اپنی گردن پر مچھر مارتے ہوئے بولا۔

"بجلی کا کوئی بھروسا نہیں۔" قدیر نے کہا۔ "یہ تو واپڈا والوں پر منحصر ہے کہ وہ کب ٹھیک کرتے ہیں۔"

کمرے میں گرمی تھی۔ وہ لوگ باہر ہی بیٹھے رہے۔ نو بجے کے قریب بجلی آگئی تو انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔

"اب جلدی سے پہلے کھانا کھا لو۔ اگر دوبارہ بجلی چلی گئی تو کھانا کھانا بھی مشکل ہو جائے گا۔" ظفری نے کہا۔

قدیر نے دستر خوان بچھا کر کھانا لگا دیا اور وہ کھانا کھاتے ہوئے موجودہ صورت حال کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ ان کی گفتگو کا موضوع بارش ہی تھا جس نے زندگی کا سارا نظام درہم برہم کر دیا تھا۔ ظفری باتیں کرتے ہوئے دفعتاً" چونک گیا۔

"یہ آواز کیسی تھی؟" اس نے سوالیہ نگاہوں سے دونوں کی طرف دیکھا۔

"دھب کی آواز تھی۔ کچھ گرا ہو گا۔" قدیر بولا۔ "بارش میں تو یہی کچھ ہوتا ہے۔ کہیں کوئی مکان بیٹھ جاتا ہے اور کہیں دیوار گر جاتی ہے۔"

وہ لوگ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اچانک ہی تین آدمی دروازے پر نمودار ہوئے ان تینوں

کے ہاتھوں میں کلاشنکوف تھیں۔

"کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔" ان میں سے ایک غرایا۔

ظفری نے اس شخص کی طرف دیکھا اور پھر اس کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔

"وہ تارا تھا۔"

○

وہ تینوں اس صورتحال پر بوکھلا سے گئے تھے۔ تارا کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے پستول کا رخ ظفری کے سینے کی طرف تھا۔ اس کے دونوں ساتھیوں نے پپو اور قدیر کو اپنے اپنے اسلحہ کی زد پر لے رکھا تھا۔

"تمہیں ان دکانوں کے سامنے دیکھ کر میں چونکا تھا۔" تارا نے ظفری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہارے ہاتھوں میں شاپنگ بیگ دیکھ کر مجھے شبہ ہوا تھا کہ تم کہیں آس پاس ہی رہ رہے ہو۔ میں نے تم پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ میں نے تمہیں دیکھ لیا ہے اور تم بھی شاید مطمئن ہوگئے تھے۔ میں نے اسی وقت ایک آدمی کو تمہارے پیچھے بھیج دیا۔ تمہیں شاید معلوم نہیں کہ میں گزشتہ تین چار مہینوں سے اسی علاقے میں رہ رہا ہوں۔ یہاں میرا بڑا ٹھکہ ہے۔ میں نے حلوائی کی دکان پر کام کرنے والے ایک لڑکے کو تمہارے پیچھے بھیج دیا تھا۔ وہ میری توقع سے زیادہ ہوشیار نکلا۔ تم جیسے ہی مین روڈ پر مڑے وہ ایک آڑ میں کھڑا تمہیں دیکھتا رہا۔ اتفاق سے اسی وقت بجلی چلی گئی۔ اس صورتحال سے اس نے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور تاریکی میں تمہارا پیچھا کرتا رہا۔ اس نے دس بارہ منٹ بعد واپس آکر مجھے بتا دیا تھا کہ تم کہاں گئے ہو۔ مجھے یہاں آنے میں کچھ دیر ہوگئی۔ کیونکہ مجھے کچھ انتظام بھی تو کرنا تھا۔"

"کیا چاہتے ہو تم؟" ظفری نے اسے گھورا۔ وہ اپنی اندرونی کیفیت پر بڑی حد تک قابو پا چکا تھا اور اس کا لہجہ بھی قدرے پرسکون تھا۔

"تمہیں یہ بات پوچھنے کی ضرورت نہیں۔" تارا نے جواب دیا۔ "کیونکہ تم اچھی طرح جانتے ہو کہ میں کیا چاہتا ہوں۔"

"دیکھو تارا۔" ظفری نے کہا۔ "میری اور تمہاری کوئی دشمنی نہیں ہے۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ ہم دونوں میں کبھی کوئی تصادم بھی ہوا ہو۔ اگر میں اسی علاقے میں موجود ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں تمہارے دھندے میں کوئی مداخلت کرنا چاہتا ہوں۔ یہ قدیر میرا دوست ہے۔" اس نے قدیر کی طرف اشارہ کیا۔ "میں پپو کے ساتھ اس سے ملنے آیا تھا۔ بارش کی وجہ سے رک گیا تھا۔ آج کی رات یہاں رہوں گا۔ صبح واپس چلا جاؤں گا۔ میرا اور تمہارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔

اس لیے ہمیں آپس میں نہیں الجھنا چاہیے۔"

"میں نے حاجی کا نمک کھایا ہے۔" تارا نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔ "اور میں نمک حرام نہیں ہوں۔"

"تمہیں نمک حرامی کرنے کو کون کہتا ہے۔" ظفری بولا۔ "میں کوئی مداخلت تو نہیں کر رہا۔ تم آرام سے اپنا دھندہ کرتے رہو۔"

"انجان بننے کی کوشش مت کرو ظفری۔" تارا نے اسے گھورا۔ "تم جانتے ہو کہ حاجی اور شارق میں دشمنی چل رہی ہے۔ شارق حاجی کے کئی بندے مار چکا ہے اور اس کا بہت نقصان کر چکا ہے۔ اس لیے میں اس معاملے سے الگ نہیں رہ سکتا۔"

"ٹھیک ہے۔ تم حاجی کا حق نمک ادا کرتے رہو۔ اگر شارق کہیں نظر آجائے تو اسے گولی مار دو لیکن میرا اس معاملے سے کیا تعلق۔" ظفری نے کہا۔ "بہت گہرا تعلق ہے تمہارا۔" تارا بولا۔ "اگر تم جیسے لوگ شارق کے ساتھ نہ ہوتے تو شارق کو حاجی کے مقابلے میں آنے کی ہمت نہ ہوتی۔"

"تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے تارا۔" ظفری نے کہا۔ "میرا شارق سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ وہ بہت اونچا آدمی ہے اور ہم جیسے لوگوں کو تو وہ گھاس بھی نہیں ڈالتا۔"

"بند کرو یہ بکواس۔" تارا چیخا۔ "تین دن پہلے تم لوگوں نے حاجی کا تین کروڑ روپے کا سونا لوٹا ہے اور اس کے دو بندے مار دیئے ہیں۔ وہ تو شکور کی قسمت اچھی تھی کہ تم لوگوں کو دھوکا دے کر وہاں سے بھاگ نکلا۔ اس نے حاجی کو شارق کے ساتھیوں کے جو حلیئے بتائے تھے۔ ان میں ایک تمہارا حلیہ تھا۔ تمہارے کان کی لو پر سیاہ تل تمہاری پہچان بن گیا ہے ظفری۔ اور اب میں تمہیں حاجی کے سامنے پیش کروں گا تو وہ بہت خوش ہوگا۔ میرا خیال تھا کہ شارق بھی یہیں ہوگا۔ لیکن اسے نہ پاکر مجھے بڑی مایوسی ہوئی۔ کوئی بات نہیں حاجی تم سے شارق کا پتا معلوم کرلے گا۔"

"اوہ!" ظفری کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ "شکور کی واقعی قسمت اچھی تھی کہ وہ بچ کر چلا گیا۔ لیکن اس نے حاجی کو جو کہانی سنائی ہے وہ غلط ہے۔ وہ نہ تو بہادری کا مظاہرہ کرکے وہاں سے بھاگا تھا اور نہ ہی اس نے ہمیں کسی قسم کا دھوکا دیا تھا شارق نے جان بوجھ کر اسے زندہ چھوڑا تھا تاکہ وہ حاجی کو بتا سکے کہ سونا کس نے لوٹا تھا۔ کیا اس نے حاجی کو یہ نہیں بتایا تھا کہ اس کی قمیص کہاں ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "بہرحال' میرا خیال تھا کہ شارق کے بارے میں اطلاع پاکر حاجی خود یہاں بھاگا آئے گا لیکن ...."

"میں اتنا بیوقوف نہیں ہوں کہ جاتے ہی حاجی کو بتا دیتا۔" تارا نے اس کی بات کاٹ دی۔

"اگر حاجی خود یہاں آجاتا تو مجھے کیا ملتا۔ حاجی کو میں نے ابھی تک نہیں بتایا۔ میں نے سوچا تھا کہ شارق کو باندھ کر حاجی کے سامنے پیش کروں گا۔ تو وہ مجھے منہ مانگا انعام دے گا۔ لیکن بہرحال' شارق نہ سہی' حاجی تم سے خود ہی شارق کا پتا معلوم کرلے گا اور میرا انعام تو مجھے مل ہی جائے گا۔ جانتے ہو کہ شارق کو پکڑنے یا اس کا صحیح پتا بتانے والے کے لیے حاجی نے پچاس لاکھ روپے کا انعام رکھا ہے۔ ایک دو دن میں اس کی طرف سے یہ اشتہار اخباروں میں بھی چھپ جائے گا۔ مجھے پچاس لاکھ نہ سہی۔ پندرہ بیس لاکھ تو مل ہی جائیں گے۔"

ظفری نے اطمینان کا سانس لیا۔ انعام کے لالچ میں اس نے حاجی کو ابھی تک اس کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں دی تھی۔ وہ خود شارق یا ظفری کو پکڑ کر حاجی کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا اور اپنے دو آدمیوں کو لے کر یہاں آگیا تھا۔

"دیکھو تارا!" وہ اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "پندرہ بیس لاکھ روپے تو کیا حاجی تمہیں پندرہ بیس پیسے بھی نہیں دے گا۔ تم جانتے ہو کہ حاجی کا تین کروڑ روپے کا سونا ہمارے قبضے میں آچکا ہے۔ اگر تم حاجی کو چھوڑ کر ہمارے ساتھ آجاؤ تو تمہیں اس سونے میں سے معقول حصہ مل سکتا ہے۔"

"کیا تم آدھا حصہ مجھے دے سکتے ہو؟" تارا نے کہا۔

ظفری کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ نمک خوار فوراً ہی نمک حرامی پر اتر آیا تھا۔

"آدھا حصہ تو نہیں۔ البتہ تمہیں اتنا مل سکتا ہے کہ زندگی بھر عیش کرو گے۔ حاجی پیسے کا پجاری ہے۔ اسمگلر ہے۔ لوگوں کا خون چوس چوس کر دولت جمع کر رہا ہے تم لوگ اس کے لیے کام کرتے ہو۔ قتل تک کیے ہیں تم نے اس کے لیے لیکن حاجی نے تمہیں کیا دیا ہے۔ اس وقت تمہارے پاس پانچ ہزار بھی نہیں ہوں گے۔ اس کے برعکس شارق کو دولت کی پروا نہیں۔ وہ اپنے آدمیوں کا خیال رکھتا ہے۔ یہ دیکھو۔" اس نے جیب سے نوٹوں کی ایک موٹی سی گڈی نکال کر ان کے سامنے پھینک دی۔ "شارق کے ساتھ رہتے ہوئے ہمیں پیسوں کی کمی نہیں ہے۔ وہ بغیر مانگے ہمیں نوٹوں کی ایسی ہی موٹی موٹی گڈیاں دیتا رہتا ہے۔ ہمیں اس کے لیے کام کرکے خوشی ہوتی ہے۔ حاجی اپنے آدمیوں کو کیا دیتا ہے۔ شارق سے بات کرلو تو تمہیں اس سونے میں سے ٹھیک ٹھاک حصہ مل سکتا ہے۔"

"لیکن ....." تارا نے کن انکھیوں سے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

"ان سے معاملہ کرنا تمہارا کام ہے۔" ظفری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا خیال ہے۔" تارا نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔

"جیسے تمہاری مرضی استاد۔" ان میں سے ایک نے جواب دیا۔ "واقعی حاجی سے تو ہ
سوائے دو وقت کی روٹی کے سوا کچھ نہیں ملا۔ میری جیب میں تو اس وقت پچاس روپے بھی
ہیں۔ ان کو دیکھو۔ عیش کرتے ہیں۔"

"ایک منٹ۔" تارا ظفری کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں ان سے ذرا علیحدگی میں با
کرلوں۔"

"بالکل کرلو۔" ظفری نے جواب دیا۔ "شارق باؤ کے ساتھ رہو گے تو واقعی عیش کرو گے
جاؤ ..... دوسرے کمرے میں جاکر پروگرام بنالو۔"

"لیکن ....."

"لیکن ویکن کچھ نہیں یار۔" ظفری نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں اپنی بات پر قا
ہوں۔ ہم تمہارے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کریں گے۔ جاؤ۔ دوسرے کمرے میں جاکر آرام سے
بات کرلو۔"

تارا نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا اور پھر انہیں اشارہ کرتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ ظفر
ان کے ساتھ آیا تھا۔ وہ ساتھ والے کمرے کا دروازہ کھول کر واپس چلا گیا۔

تقریباً دو منٹ بعد دوسرے کمرے سے گولیاں چلنے کی آواز سنائی دی۔ پستول سے دو فا
ہوئے تھے۔ ظفری وغیرہ دوڑ کر اپنے کمرے سے نکلے۔ ٹھیک اسی وقت تارا دوسرے کمرے سے
باہر آگیا۔ اس کے ہاتھ میں پستول تھا۔

"کیا ہوا؟ گولیاں کس نے چلائی تھیں؟" ظفری نے پوچھا۔

"میں نے۔" تارا نے اطمینان سے جواب دیا۔ "میں نے ان دونوں کو ختم کر دیا ہے۔ وہ
میرے حصے میں سے آدھا طلب کررہے تھے۔"

"کونسا حصہ؟" ظفری نے سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"وہ حصہ جو مجھے شارق سے ملتا۔ اس میں سے آدھا طلب کررہے تھے۔ میں نے ان کا قصہ
ہی تمام کر دیا۔" تارا نے جواب دیا۔

"بہت اچھا کیا تم نے۔" ظفری نے کہتے ہوئے آرام سے اس کے ہاتھ سے پستول لے لیا۔
"آؤ۔ ادھر آجاؤ۔"

وہ اسے کمرے میں لے آئے۔ ظفری نے دروازہ بند کر دیا۔ یہ علاقہ سنسان تھا۔ تارا نے
بند کمرے میں گولیاں چلائی تھیں۔ اسے امید تھی کہ فائرنگ کی آواز زیادہ دور تک نہیں سنی گئی
ہوگی۔ اگر کسی نے سنی بھی ہوگی تو اس کے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل ہوگا کہ فائرنگ کہاں ہوئی

ظفری، تارا کی طرف گھوم گیا اور اچانک ہی اس کے جبڑے پر زور دار گھونسہ رسید کر دیا۔
اکراہ کر گرا۔ وہ ایک دم بدحواس ہوگیا تھا۔ ظفری نے اسے دو تین ٹھوکریں بھی رسید کر دی
ں۔

"نمک حرام۔" وہ اسے ایک اور ٹھوکر مارتے ہوئے غرایا۔ "تو اپنے مالک کا نہیں ہو سکا تو
اور سے کیا وفاداری کرے گا۔ دولت کے لالچ میں تم نے اپنے ان ساتھیوں کو موت کے
ٹ اتار دیا جو تمہارے کہنے پر جان کی بازی لگانے آئے تھے اور تمہارے ہی ہاتھوں ختم
ئے۔"

"یہ۔ یہ سب کچھ میں نے تم لوگوں کے لیے کیا ہے۔" تارا نے کہا۔ خوف سے اس کا چہرہ
دم پیلا پڑ گیا تھا۔

"ہمارے لیے کیا ہے؟" ظفری نے اسے ایک اور ٹھوکر ماری۔ "ہمارے لیے تو تم ان دونوں
لے کر آئے تھے تاکہ ہمیں باندھ کر حاجی کے سامنے پیش کرو اور انعام حاصل کرو۔ تم تو شارق
ی باندھ کر یہاں سے لے جانا چاہتے تھے۔ شارق پر ہاتھ ڈالنا اتنا ہی آسان سمجھ لیا ہے تم نے
۔ اب تو بیٹا ہم تمہیں باندھ کر شارق کے حوالے کریں گے۔ پہلے ان لاشوں کا بندوبست
ں۔" وہ قدیر کی طرف مڑ گیا۔ "ان دونوں لاشوں کو رکشے میں ڈال کر کہیں دور پھینک آؤ
۔ اگر اقبال ٹاؤن میں حاجی کی کوٹھی کے آس پاس کہیں پھینک سکو تو بڑی اچھی بات ہوگی۔"

"فکر ہی نہ کرو۔" قدیر نے کہا۔ "اگر تم کہو تو حاجی کی کوٹھی کے گیٹ کے سامنے ڈال
۔"

"اتنا زیادہ رسک لینے کی بھی ضرورت نہیں۔" ظفری نے کہا اور کمرے میں پڑی ہوئی ایک
اٹھا کر تارا کے ہاتھ پیر باندھنے لگا۔

اس نے تارا کے ہاتھ پشت پر باندھے تھے۔ اسی رسی سے اس نے پیر بھی باندھ دیئے تھے۔
ایک طرف ڈال کر وہ قدیر اور پپو کو اشارہ کرتا ہوا دوسرے کمرے میں آگیا۔

تارا نے ان دونوں کی پیشانیوں پر گولیاں ماری تھیں اور وہ دونوں منہ کے بل اس طرح
ے تھے کہ زخموں سے بہنے والا سارا خون زمین پر ہی گرا تھا۔ کسی کے کپڑوں پر ایک چھینٹا
نہیں پڑا تھا۔ صرف ایک کی گردن پر خون کی ہلکی سی دھار نظر آرہی تھی۔

خون جم چکا تھا۔ ظفری نے بستر کی چادر پھاڑ کر ایک ٹکڑے سے دونوں کی پیشانیوں سے خون
کیا اور دونوں کی پیشانیوں پر پٹیاں اس طرح باندھ دیں کہ اگر خون رسے بھی تو بہہ نہ

سکے۔

"پپو۔" ظفری اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میری مدد کرو اور ان دونوں کو اٹھا کر رکشے میں ڈال دو۔"

"ایک منٹ ٹھہرو۔ میں رکشہ دروازے کے سامنے لے آؤں۔" قدیر نے کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ چند منٹ بعد وہ رکشہ اسٹارٹ کرکے دروازے کے سامنے لے آیا۔ ابھی وہ لاش اٹھا رہے تھے کہ ایک دم تاریکی چھا گئی۔

"لعنت ہو" پپو بڑبڑایا۔

"یہ تو بہت اچھا ہوا۔" قدیر بولا۔ "میرے کام میں آسانی ہو جائے گی۔" پپو اور ظفری نے ایک لاش اٹھا کر رکشے میں ڈال دی۔ اسے سیٹ پر اس طرح رکھا گیا تھا جیسے کوئی زندہ آدمی سائیڈ سے کندھے کی ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا اس کا سر بھی رکشے کی ریگزین کی باڈی کے ساتھ ٹک گیا تھا۔ دوسری لاش بھی اس کے ساتھ اسی طرح رکھ دی گئی۔ ظفری نے پھٹی ہوئی چادر اٹھا کر ان کی ٹانگوں پر پھیلا کر ڈال دی۔

"انہیں اس طرح ٹکا دیا ہے کہ گریں گے نہیں۔ لیکن خیال رکھنا رکشے کو زیادہ جھٹکے نہ لگیں۔" ظفری نے قدیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"فکر نہ کرو ظفری بادشاہ۔" قدیر اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"نہ تو یہ گریں گے اور نہ ہی کسی کو شک ہوگا کہ یہ زندہ انسان ہیں یا لاشیں۔" اس نے رکشہ اسٹارٹ کرکے موڑ لیا۔

پپو نے آگے بڑھ کر گیٹ کھول دیا اور رکشہ باہر نکل گیا۔ پپو گیٹ بند کرکے دوبارہ کمرے میں آگیا۔

گلی کچی تھی۔ بارش کا پانی ابھی تک جمع تھا۔ کئی جگہوں پر گڑھے پڑ گئے تھے' قدیر بڑی احتیاط سے رکشہ چلا رہا تھا۔ سڑک پر آکر اس نے رفتار کسی قدر بڑھا دی۔

اس نے رکشہ اقبال ٹاؤن کی طرف جانے والی سڑک پر موڑا تو سامنے دکانوں پر اب بھی رونق تھی۔ دکانوں میں پیٹرومیکس اور موم بتیاں وغیرہ جل رہی تھیں۔ یہاں دکانیں صرف ایک طرف تھیں۔ ان کے سامنے سڑک کے دوسری طرف دکانیں نہیں تھیں البتہ پھلوں کے ٹھیلے کھڑے تھے۔ یہاں بس اسٹاپ بھی تھا اور کئی لوگ اسٹاپ پر کھڑے تھے۔ کئی لوگوں نے رکشہ رکوانے کے لیے ہاتھ اٹھائے تھے مگر قدیر ان پر توجہ دیئے بغیر رکشے کو اسی رفتار سے چلاتا گیا۔

حاجی کی کوٹھی وہاں سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر تھی۔ سڑک ٹوٹی پھوٹی تھی اور چاروں

طرف گہری تاریکی تھی۔ یہ علاقہ پوری طرح آباد نہیں ہوا تھا۔ مکان تیزی سے بن رہے تھے۔ جو مکان مکمل ہو چکے تھے وہ تو آباد ہو چکے تھے لیکن بجلی بند ہونے کی وجہ سے یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ کونسا مکان خالی ہے اور کونسا آباد۔

تقریباً دو میل آگے جاکر قدیر نے رکشہ بائیں طرف ایک گلی میں موڑ دیا۔ اس علاقے کی تمام گلیاں کچی تھیں۔ رکشے کو خاصے جھٹکے لگ رہے تھے۔ قدیر بڑی احتیاط سے رکشہ چلا رہا تھا۔ اس نے رکشہ دائیں طرف ایک اور گلی میں موڑ لیا۔ اس کی نظریں تاریکی میں بھی سرچ لائٹ کی طرح ادھر ادھر گردش کر رہی تھیں۔ بالآخر ایک جگہ پر اس نے رکشہ روک لیا اور انجن بند کرکے نیچے اتر آیا اور محتاط نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس گلی میں صرف دو مکان آباد تھے اور وہ دونوں مکان پیچھے رہ گئے تھے۔ جس جگہ اس نے رکشہ روکا تھا اس کے دائیں بائیں زیر تعمیر ادھورے مکان تھے۔ اس نے جھک کر ایک لاش کو کندھے پر اٹھایا اور بڑی تیزی سے اسے دائیں طرف والے مکان میں لے گیا۔ اندر جاکر اس نے لاش کو ایک دیوار کے ساتھ بیٹھنے والی پوزیشن میں ٹکا دیا۔

دوسری لاش وہ سامنے والے مکان میں لے گیا۔ وہ دروازے میں داخل ہو رہا تھا کہ کیچڑ میں اس کا پیر پھسل گیا۔ اس نے سنبھلنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہیں ہو سکا۔ لاش اس کے کندھے پر تھی۔ وہ دھم سے نیچے گرا۔ لاش بھی اس کے ساتھ ہی گری تھی۔ اس کی پتلون کیچڑ میں لت پت ہوگئی تھی۔ اس نے اٹھ کر لاش کو گھسیٹ کر ایک طرف کر دیا اور باہر آکر رکشے میں بیٹھ گیا اور رکشے کو اسٹارٹ کرکے سیدھا آگے نکال لے گیا۔

وہ دوسری گلی میں گھوم کر اس گلی میں آگیا جہاں حاجی کی کوٹھی تھی۔ یہ وہی کوٹھی تھی جو چند مہینے پہلے حاجی نے شارق کو دی تھی اور رضیہ کے نام ٹرانسفر کی گئی تھی۔ اور بعد میں حاجی نے دھوکے سے واپس لے لی تھی۔

کوٹھی کے سامنے ایک آدمی کھڑا تھا۔ اس نے چادر اوڑھ رکھی تھی۔ قدیر کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ وہ کوٹھی کا محافظ ہوگا اور چادر کے اندر یقیناً کلاشنکوف وغیرہ ہوگی۔

وہ گلیوں میں گھومتا ہوا سڑک پر آگیا۔ اسی وقت سامنے والی گلی سے ایک ادھیڑ عمر عورت اور ایک آدمی نکل کر سڑک پر آگئے۔ اس آدمی نے رکشے کو روکنے کا اشارہ کیا۔ قدیر نے رکشہ روک لیا۔

"میں آپ کو صرف اچھرے موڑ تک لے جا سکتا ہوں میاں جی۔" قدیر نے اس آدمی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میرا رکشہ ٹھیک نہیں ہے۔ زیادہ دور تک نہیں جا سکتا۔"

"موڑ تک ہی لے چلو بھائی۔ بڑی مہربان ہوگی تمہاری۔" اس آدمی نے کہا۔ پہلے اس نے خاتون کو بٹھایا پھر خود بیٹھ گیا۔

قدیر رکشہ کو آہستہ آہستہ چلاتا رہا۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا آدمی کسی قدر آگے جھکا ہوا تھا اور مسلسل بارش اور بجلی کا رونا رو رہا تھا۔

موڑ پر قدیر نے رکشہ روک لیا۔

"کتنے پیسے دوں بھئی۔" اس آدمی نے رکشے سے اتر کر پوچھا۔

"رہنے دیں میاں جی۔ اس طرف تو آ ہی رہا تھا۔ آپ سے کیا پیسے لینے۔ قدیر نے جواب دیا۔"

وہ آدمی اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی بیوی کے ساتھ ایک طرف ہوگیا۔

وہاں کھڑے ہوئے کئی لوگ رکشے کی طرف بڑھے تھے لیکن قدیر نفی میں سر ہلاتا ہوا رکشے کو آگے نکال لے گیا۔

جب وہ گھر پہنچا تو پپو اور ظفری اس کمرے کا فرش صاف کرچکے تھے جہاں ان دونوں کو قتل کیا گیا تھا۔ وہ دونوں دوسرے کمرے میں تھے جہاں تارا فرش پر بندھا ہوا پڑا تھا۔

"کہاں پھینکیں لاشیں؟" ظفری نے پوچھا۔

"حاجی کی کوٹھی کے بالکل قریب ساتھ والی گلی میں۔" قدیر نے جواب دیا۔ "اگر بجلی آگئی تو رات ہی کو ان لاشوں کا پتا چل جائے گا ورنہ صبح حاجی کو شاید سب سے پہلی خبر ان لاشوں ہی کے بارے میں ملے۔"

"بہت اچھا کیا تم نے۔" ظفری مسکرایا۔ "حاجی کو ایسی خبریں ملتی ہی رہنی چاہئیں۔"

"اب اس کا کیا کرنا ہے ظفری۔" قدیر نے تارا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ابھی پتا کر لیتے ہیں کہ اس کا کیا کرنا ہے۔" ظفری نے کہا پھر پپو کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "تم اسے اٹھا کر دوسرے کمرے میں ڈال آؤ۔ میں ذرا شارق باؤ سے بات کرلوں۔"

"پپو نے اٹھ کر رسیوں میں بندھے ہوئے تارا کو اس طرح کندھے پر لاد لیا جیسے وہ کوئی بوری ہو۔ دوسرے کمرے میں لیجا کر اس نے تارا کو بوری ہی کی طرح فرش پر پٹخ دیا تھا۔ تارا ایک دم چیخ اٹھا تھا۔ پپو نے جھلنگا سی چارپائی پر پڑا ہوا ایک کپڑا اٹھا کر اس کے منہ میں ٹھونس دیا اور واپس آگیا۔ اس وقت ظفری فون کا ریسیور اٹھائے نمبر ملا رہا تھا۔

ظفری ریسیور کان سے لگائے بیٹھا تھا۔ گھنٹی بج رہی تھی لیکن کال ریسیو نہیں ہوئی۔ اس نے کریڈل ٹیپ کیا اور دوبارہ نمبر ملایا۔ اس مرتبہ چوتھی گھنٹی پر کال ریسیو کرلی گئی۔ آواز شارق ہی کی

تھی۔

"میں ظفری بول رہا ہوں شارق باؤ۔" ظفری نے اس کی آواز سنتے ہی کہا۔

"یہاں ایک ایمرجنسی ہوگئی ہے۔ اس لئے میں نے فون کیا ہے۔ بہت دیر سے ٹرائی کر رہا تھا۔ کوئی فون نہیں اٹھا رہا تھا۔"

"یہاں بجلی نہیں ہے۔ ہم باہر بیٹھے ہوئے تھے۔" شارق کی آواز سنائی دی۔ "کیسی ایمرجنسی؟ کیا ہوا؟"

"حاجی کے دو بندے مارے گئے ہیں۔" ظفری نے کہا اور پھر اسے تفصیل سے سب کچھ بتانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا "ان دونوں لاشوں کو ہم نے ٹھکانے لگا دیا ہے بلکہ حاجی کی کوٹھی کے قریب پھینک دیا ہے اور تارا ہمارے قبضے میں ہے۔ اب تاؤ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

"میرا انتظار کرو۔ میں آرہا ہوں۔" دوسری طرف سے شارق نے کہا اور اس کے ساتھ ہی فون کی لائن بے جان ہوگئی۔

ظفری نے بھی ریسیور رکھ دیا۔ "شارق باؤ یہاں آرہا ہے۔" اس نے پپو اور قدیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تارا کے بارے میں فیصلہ وہی کرے گا۔"

"پپو یار۔" قدیر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "اس بھاگ دوڑ نے تو بری طرح تھکا دیا ہے۔ چائے تو بنا کر پلا دے یار۔"

"ہاں یار، میرا بھی چائے پینے کو دل چاہ رہا ہے۔" ظفری بولا۔ پپو اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ ٹین کی چھت والا ایک چھوٹا سا کمرہ باورچی خانے کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ اس نے باورچی خانے میں آکر سب سے پہلے موم بتی جلائی پھر مٹی کے تیل والا اسٹوو جلا کر چائے بنانے لگا۔

وہ تقریباً آدھے گھنٹے بعد چائے بنا کر لایا تھا۔ اس نے ایک ایک پیالی ان دونوں کے سامنے رکھ دی اور ایک خود لے کر بیٹھ گیا۔ وہ چائے کے ساتھ باتیں بھی کرتے رہے۔ ابھی ان کی چائے ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ باہر سے رکشے کی آواز سنائی دی۔ قدیر جلدی سے اٹھ کر باہر چلا گیا۔

رکشہ دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کا رخ گیٹ کی طرف تھا اور اس کی روشنی گیٹ پر پڑ رہی تھی۔ قدیر نے گیٹ کھول دیا۔ رکشہ اندر آگیا۔ جب وہ گیٹ بند کرکے واپس مڑا تو شارق رکشہ بند کرکے نیچے اتر چکا تھا اور پچھلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی ثمینہ اور شاہ پری نیچے اتر رہی تھیں۔ ثمینہ نے حسب معمول برقعہ پہن رکھا تھا اور شاہ پری نے چادر اوڑھ رکھی تھی۔

وہ لوگ کمرے میں آگئے۔ جہاں دو موم بتیاں جل رہی تھیں۔ ان کی روشنی بہرحال اتنی تھی کہ وہ ایک دوسرے کے چہرے دیکھ سکتے تھے۔

"کہاں ہے وہ؟" شارق نے کمرے میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"دوسرے کمرے میں۔ آؤ میرے ساتھ۔" ظفری بولا۔

وہ لوگ دوسرے کمرے میں آگئے۔ پپو نے اس کمرے میں بھی موم بتیاں جلا دیں۔ تارا فرش پر بندھا ہوا پڑا تھا۔ شارق کو دیکھ کر اس کے چہرے پر خوف کے سائے پھیل گئے۔

"اسے کھول دو۔" شارق نے کہا۔

پپو نے تارا کو کھول دیا اور اس کے منہ میں ٹھنسا ہوا کپڑا بھی نکال دیا۔ تارا لمبے لمبے سانس لینے لگا۔

"میں تمہیں زندہ چھوڑ سکتا ہوں۔ لیکن ایک شرط پر؟" شارق نے تارا کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"میں تمہاری ہر شرط ماننے کو تیار ہوں شارق باؤ۔" تارا خوف سے کانپ رہا تھا۔ "میں تو تمہارے لیے کام کرنا چاہتا تھا لیکن ان لوگوں نے ....."

"چٹاخ۔"

تارا کی آواز طمانچے کی آواز میں دب گئی تھی۔ شارق کا طمانچہ واقعی زوردار تھا۔ تارا کے منہ سے چیخ نکل گئی تھی۔

"میں کوئی کہانی نہیں سننا چاہتا۔" شارق کے حلق سے بھیڑیے کی سی غراہٹ نکلی۔ "اگر تم یہ بتا دو کہ حاجی کہاں چھپا بیٹھا ہے تو میں تمہیں چھوڑ دوں گا۔"

"مم ..... مجھے کچھ نہیں پتا شارق باؤ۔" تارا ہکلایا۔ "وہ تمہارے خوف سے ٹھکانے بدل رہا ہے۔ کسی بھی ٹھکانے پر ایک رات سے زیادہ نہیں رہتا۔ مجھے پتا نہیں کہ آج وہ کہاں ہوگا۔"

شارق کچھ بولنا چاہتا تھا کہ دوسرے کمرے سے ٹیلی فون کی گھنٹی کی آواز سنائی دی۔ قدیر جلدی سے دوسرے کمرے میں گیا اور پھر اسے واپس آنے میں بھی ایک منٹ سے زیادہ نہیں لگا تھا۔

"انسپکٹر عثمان کا فون ہے۔" اس نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے اسے بتا دیا ہے کہ تم یہاں موجود ہو۔ وہ تم سے کوئی اہم بات کرنا چاہتا ہے۔"

"کوئی اہم بات ہی ہوگی ورنہ وہ اس وقت فون نہ کرتا۔" شارق کہتے ہوئے فون والے کمرے میں آگیا اور فون کا ریسیور اٹھا کر کان سے لگا لیا۔ "ہیلو عثمان ..... خیریت۔ اس وقت کیسے فون کیا۔ کوئی خاص بات؟"

"ہاں ..... بہت ہی اہم اطلاع ہے۔ اچھا ہوا تم یہاں مل گئے۔" ریسیور پر انسپکٹر عثمان کی آواز سنائی دی۔ "تھوڑی دیر پہلے تم نے حاجی کے دو آدمیوں کو قتل کرکے ان کی لاشیں حاجی کے

گھر کے قریب پھکوائی ہیں۔"

"ان دو آدمیوں کو میں نے یا میرے کسی ساتھی نے نہیں بلکہ حاجی ہی کے ایک آدمی تارا نے قتل کیا تھا۔ لیکن تمہیں کیسے پتا چلا۔" شارق بولا۔

"اتفاق سے میں اس وقت حاجی کی کوٹھی میں موجود تھا۔" عثمان نے کہا۔

"تم ..... حاجی کی کوٹھی میں؟" شارق کے لہجے میں حیرت تھی۔

"ہاں۔" انسپکٹر عثمان نے کہا۔ "میں دراصل حاجی سے مل کر اسے یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ میں نے اس کے خلاف جو کچھ کیا تھا وہ میری غلطی تھی۔ معافی تلافی سے معاملہ ختم ہو جائے تو بہتر ہے۔ اس کے علاوہ کچھ سن گن بھی لینا تھی۔ میں حاجی سے باتیں کر رہا تھا کہ ان لاشوں کے بارے میں اطلاع ملی جو ایک گلی کے دو زیرتعمیر مکانوں میں پھینکی گئی تھیں۔ حاجی کے ایک گن مین نے ایک رکشے کو اس گلی سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "حاجی کے اسی گن مین کا کہنا ہے کہ شام آٹھ بجے کے قریب تارا کوٹھی سے دو آدمیوں کو ساتھ لے گیا تھا۔ اس نے کچھ بتایا نہیں تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ بعد میں جب ان دونوں کی لاشیں ملیں تو بھاگ دوڑ شروع ہوئی۔ موڑ پر حلوائی کے ایک ملازم لڑکے نے یہ انکشاف کیا کہ تارا نے اسے کسی آدمی کے پیچھے بھیجا تھا جو اس کے گھر کا پتا معلوم کرکے آیا تھا۔ حاجی کو ساری رپورٹ مل چکی ہے۔ وہ لڑکا بھی اس وقت حاجی کے پاس ہے اور حاجی کو شبہ ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ تم خود بھی وہاں موجود ہو۔ حاجی کے آدمی وہاں پہنچنے والے ہیں۔ وہ لڑکا بھی ان کے ساتھ ہے جو تمہارے اس ٹھکانے کی نشاندہی کرے گا۔"

"تم کہاں سے بول رہے ہو؟" شارق نے اس کے خاموش ہونے پر پوچھا۔

"حاجی کی کوٹھی سے تقریباً ایک فرلانگ دور اپنے ایک دوست کے مکان سے۔" عثمان نے جواب دیا۔ "اس وقت حاجی اپنے آدمیوں کو جمع کر رہا تھا۔ میں وہاں سے آگیا تھا۔ تاکہ کسی طرح تمہیں اطلاع دے سکوں۔"

"شکریہ عثمان۔" شارق بولا۔ "کیا حاجی اس وقت کوٹھی میں موجود ہے؟"

"ہاں۔ وہ کوٹھی ہی میں ہے۔" عثمان نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں بعد میں کسی وقت تم سے رابطہ کروں گا۔" شارق نے کہتے ہوئے فون بند کر دیا اور دوسرے کمرے میں آکر اپنے ساتھیوں کو صورتحال سے آگاہ کرنے لگا۔

"شارق باؤ۔" ظفری نے کہا۔ "تم ثمینہ بی بی اور شاہ پری کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔ ہم ان لوگوں سے نمٹ لیں گے۔"

"اگر ان کی تعداد زیادہ ہوئی تو؟" شارق بولا۔

"تم اس کی فکر مت کرو۔ وہ پوری فوج بھی لے آئیں تو ہم پر قابو نہیں پاسکیں گے۔" ظفری نے کہا۔ "بس تم ان دونوں کو لے کر نکل جاؤ۔"

"ٹھیک ہے۔" اگر یہاں سے نکل سکو تو گلبرگ آجانا۔" شارق نے انہیں گلبرگ والی کوٹھی کا پتا سمجھا دیا۔

اس نے اچانک ہی قریب کھڑے ہوئے تارا کی کنپٹی پر زور دار گھونسہ مار دیا۔ وہ کراہتا ہوا نیچے گرا۔ وہ ایک ہی گھونسے میں بے ہوش ہوگیا تھا۔

ظفری اور قدیر نے بے ہوش تارا کو اٹھا کر رکشے کی پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا ثمینہ اور شاہ پری اس کے دائیں بائیں بیٹھ گئیں۔ سیٹ چھوٹی تھی لیکن انہوں نے اپنے آپ کو کسی طرح ایڈجسٹ کرلیا تھا۔ وہ دونوں تارا کو درمیان میں لے کر اس طرح بیٹھی تھیں جیسے وہ بیمار ہو۔

"شارق نے اپنی سیٹ پر بیٹھ کر رکشہ اسٹارٹ کردیا۔ قدیر نے جلدی سے گیٹ کھول دیا۔ شارق نے رکشہ گیٹ سے نکال کر گلی میں دائیں طرف موڑ دیا۔ وہ مین روڈ پر آنے کے بجائے گلیوں ہی گلیوں سے نکلنا چاہتا تھا۔

شارق کا رکشہ کچھ آگے جاکر بائیں طرف کی ایک گلی میں مڑا ہی تھا کہ مین روڈ سے ایک کار اس گلی میں داخل ہوئی۔ اس کار میں پانچ آدمی تھے۔ ایک اسٹیئرنگ کے سامنے دوسرا اس کے ساتھ والی سیٹ پر اور تین آدمی پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔

یہ حاجی کے گرگے تھے اور ان سب کے پاس کلاشنکوف رائفلیں تھیں۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے شخص نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا وہ لوگ کار سے اتر گئے۔ ڈرائیور نے کار کچھ آگے جاکر روک لی اور انجن بند کرکے نیچے اتر آیا۔ اس کے ہاتھ میں بھی کلاشنکوف رائفل تھی۔

گلی میں گہری تاریکی تھی۔ ان میں سے ایک نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور خود مکان کی دیوار پر چڑھ گیا۔ وہ دیوار پر ابھی پوری طرح سنبھل بھی نہ سکا تھا کہ مکان کے اندر سے فائرنگ شروع ہوگئی۔ کئی گولیاں اس شخص کو لگیں اور وہ چیختا ہوا گلی میں گر گیا۔ وہ کیچڑ میں بری طرح تڑپ رہا تھا۔

اس کے باقی ساتھی ادھر ادھر پھیل گئے۔ دوسرے مکان کی دیوار بھی احاطے کی طرح تھی۔ دو آدمی اس دیوار پر چڑھ گئے۔ اندر سے پھر فائرنگ ہوئی۔ ان میں سے ایک چیختا ہوا دیوار سے گر گیا۔ اس کا جسم چھلنی ہوگیا تھا۔

ظفری' پپو اور قدیر نے اپنی پوزیشن سنبھال رکھی تھی۔ انہوں نے حملہ آوروں پر گولیوں کی

بارش کردی تھی۔ اس دوران دو حملہ آور اگرچہ ڈھیر ہو چکے تھے لیکن باقی تین آدمیوں نے پوزیشن لے کر فائرنگ شروع کر دی تھی۔

تقریباً دس منٹ تک دونوں طرف سے شدید فائرنگ ہوتی رہی۔ پھر ظفری اپنی کمین گاہ سے نکل کر آگے والے مکان کی چھت پر کود گیا اور دیوار پر چڑھ کر بڑی آہستگی سے گلی میں آگیا۔ چند گز آگے وہ کار کھڑی تھی جس پر حملہ آور آئے تھے۔ ظفری اس کار کی آڑ لیتا ہوا سامنے والے مکان کی دیوار پر چڑھ کر اندر کود گیا۔

حملہ آور سامنے والے مکان کی چھت سے فائرنگ کررہے تھے۔ ظفری نے ان سے نمٹنے کے لیے ہی اپنی زندگی داؤ پر لگائی تھی۔ وہ مکان کا صحن عبور کرتے ہوئے سیڑھیوں پر چڑھتا ہوا چھت پر آگیا اور متجسس نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

قدیر کے مکان کے عین سامنے والے مکان کی چھت پر دو حملہ آور نظر آگئے۔ وہ منڈیر کی آڑ سے قدیر کے مکان پر فائرنگ کررہے تھے۔ ظفری احتیاط سے چلتا ہوا ایسی جگہ پر آگیا جہاں سے وہ ان دونوں کو زد پر لے سکتا تھا وہ تیسرے کی تلاش میں تھا جو ابھی تک اس کی نظروں میں نہیں آیا تھا۔

ظفری بڑی احتیاط سے چل رہا تھا۔ چھت پر تیل یا گھی کا ایک خالی ڈبہ پڑا ہوا تھا۔ ظفری کے پیر کی ٹھوکر لگنے سے وہ ڈبہ پر شور آواز کے ساتھ لڑھکڑاتا ہوا' دور تک چلا گیا۔

ڈبے کی کھڑکھڑاہٹ کی آواز سن کر فائرنگ کرنے والے دونوں آدمی چونکے تھے۔ وہ دونوں بڑی تیزی سے پیچھے مڑے تھے۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ کوئی کارروائی کرسکتے ظفری کی رائفل کا دہانہ کھل گیا۔ گولیوں نے ان دونوں کی چھلنی کر دیا تھا۔

تیسرا حملہ آور' جو ظفری کی نظروں میں نہیں آسکا تھا چند گز آگے ایک دیوار کی آڑ میں کھڑا تھا۔ اس نے دیوار کی آڑ سے نکل کر ظفری پر فائرنگ کر دی۔

ظفری بڑی پھرتی سے نیچے گر گیا تھا۔ لاتعداد گولیاں اس کے سر کے اوپر سے گزر گئی تھیں۔ اگر اسے نیچے گرنے میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر ہو جاتی تو یہ ساری گولیاں اس کے جسم میں پیوست ہو جاتیں۔ نیچے گرنے کے ساتھ ہی اس نے رائفل کا ٹرائیگر بھی دبا دیا تھا۔

حملہ آور دیوار کے قریب کھڑا تھا۔ ظفری کی رائفل سے نکلنے والی کئی گولیاں اس کے جسم میں پیوست ہوگئیں اور وہ چیختا ہوا ڈھیر ہوگیا۔

ظفری نے انگلی ٹرائیگر سے ہٹالی۔ دوسری طرف قدیر اور پپو نے بھی فائرنگ روک دی تھی' فضا پر ایک دم سناٹا طاری ہوگیا۔ ظفری چھت پر لیٹا رہا۔ کئی سیکنڈ گزر گئے۔ سناٹا قائم رہا۔ وہ اپنی

جگہ سے اٹھ کر آگے آگیا۔ اس نے وہ تینوں لاشیں دیکھ لیں۔ وہ ادھر ادھر دیکھتا ہوا محتاط انداز میں آگے چلتا رہا۔ لیکن کسی طرف سے کوئی فائر نہیں ہوا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ تمام کے تمام حملہ آور ختم ہو چکے تھے۔

ٹھیک اسی وقت دور کہیں سے پولیس سائرن کی آواز سنائی دی' حاجی کے آدمیوں نے یہ حملہ طے شدہ پروگرام کے مطابق کیا تھا اور عین ممکن ہے حاجی نے پولیس کو بھی بتا دیا ہو کہ شارق یا اس کے ساتھی کہاں چھپے ہوئے ہیں اور یقیناً پولیس اسی طرف آرہی تھی۔

"قدیر ..... پپو ....." ظفری چیخا۔ "مکان سے باہر نکلو۔ جلدی کرو۔" وہ خود بھی سیڑھیوں پر دوڑتا ہوا نیچے آگیا اور پھر دیوار پھاند کر گلی میں پہنچ گیا۔ اسی وقت قدیر اور پپو بھی اپنے مکان سے باہر آگئے تھے۔

"اس طرف' وہ ان کی کار کھڑی ہے۔" ظفری چیختا ہوا کار کی طرف دوڑا۔

وہ دونوں بھی اسی طرف دوڑے تھے۔ پپو کا پیر کیچڑ میں پھسل گیا اور وہ دھڑام سے پشت کے بل نیچے گرا۔ قدیر نے سہارا دے کر اسے اٹھایا۔ اس دوران ظفری کار کے قریب پہنچ چکا تھا۔

کار کے اگنیشن میں چابی موجود تھی۔ ظفری نے بیٹھ کر انجن اسٹارٹ کردیا۔ ٹھیک اسی وقت پولیس کی گاڑی سائرن بجاتی ہوئی گلی میں داخل ہوئی۔ قدیر اور پپو بھی اپنی اپنی طرف کے دروازے کھول کر کار میں بیٹھ چکے تھے۔

کیچڑ اور پانی کی وجہ سے گلی میں داخل ہوتی ہوئی پولیس کی گاڑی کی رفتار کم تھی۔ پولیس والوں نے انہیں دیکھ لیا تھا۔ انہوں نے فوراً ہی فائر کھول دیا۔

ایک دو گولیاں کار کی ڈکی میں لگیں اور ایک گولی پچھلی ونڈ اسکرین کو توڑ کر اگلی ونڈ سکرین توڑتی ہوئی نکل گئی۔ وہ تینوں بڑی پھرتی سے نیچے جھک گئے تھے۔ پپو نے اپنی پوزیشن بدل کر رائفل کھڑکی سے باہر نکالی اور اس کا رخ پیچھے کی طرف کرکے فائر کھول دیا۔ اس کی کوئی گولی اگرچہ پولیس وین کو نہیں لگی تھی لیکن پولیس وین رک گئی۔ وہ لوگ غالباً اپنی زندگیوں کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے۔

ظفری نے کار کی رفتار بڑھا دی اور چند گز آگے جاکر اسے ایک اور گلی میں موڑ دیا۔ وہ بھی شارق کی طرح گلیوں ہی گلیوں میں نکل جانا چاہتا تھا۔

○

شارق رکشے کو گلیوں ہی گلیوں میں گھماتا ہوا مین روڈ پر نکل آیا۔ اس وقت رات کے گیارہ

بج چکے تھے۔ سڑک پر ٹریفک بہت کم تھا۔ بارش کی وجہ سے بھی ٹریفک کم ہوگیا تھا۔ بہت سے لوگ بارش میں اپنی گاڑیاں باہر نکالنا پسند نہیں کرتے۔

ثمینہ اور شاہ پری نے بے ہوش تارا کو اپنے درمیان دبوچ رکھا تھا' ان دونوں نے اپنے چہرے نقابوں میں چھپا رکھے تھے۔ جب وہ دونوں شارق کے ساتھ کوٹھی سے نکلی تھیں تو دونوں نے احتیاطاً" پستول اپنے اپنے لباس میں چھپا لیے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ شاید کسی موقع پر ان کی ضرورت پڑ جائے۔

شارق نے بھی اپنا پستول شرٹ کے نیچے چھپا رکھا تھا۔ لیکن ابھی تک انہیں اسلحہ استعمال کرنے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ قدیر کے ڈیرے پر جو صورتحال سامنے آئی تھی اس کے پیش نظر شارق نے تارا کو لے کر وہاں سے نکل جانا ہی مناسب سمجھا تھا کیونکہ وہ تارا سے حاجی کے بارے میں بہت سی باتیں معلوم کرسکتا تھا۔

ویسے یہ بھی اچھا ہی ہوا تھا کہ انسپکٹر عثمان نے انہیں بروقت خطرے سے آگاہ کردیا تھا۔ اگر عثمان سے انہیں اطلاع نہ ملتی تو وہ بے خبری میں گھیر لئے جاتے اور یہ بھی ممکن تھا کہ یہ ان کی زندگی کی آخری رات ہوتی۔ شارق کو ظفری وغیرہ کی زیادہ فکر نہیں تھی۔ وہ لوگ ہوشیار ہو چکے تھے اور حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے لیے یقیناً تیار ہوں گے۔

نہر والے موڑ پر شارق کو زیادہ پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ یہاں پولیس نے انہیں روکا تھا لیکن دو عورتوں اور ان کے ساتھ ایک بیمار آدمی کو دیکھ کر پولیس نے انہیں جانے کی اجازت دیدی تھی۔ لیکن تقریباً نصف میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد شارق کو ایک بار پھر رکشے کی رفتار کم کرنی پڑی۔

یہ سڑک بالکل سنسان اور تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ رکشہ کے ہیڈ لیمپ کی روشنی میں تین پولیس والے سڑک کے عین وسط میں کھڑے نظر آئے تھے۔

"معلوم ہوتا ہے آج کچھ زیادہ ہی گڑبڑ ہے۔" شارق نے پیچھے گردن گھما کر کہا اور پولیس والوں کے قریب رکشہ روک لیا۔

"کیا بات ہے سر جی۔ آج کچھ زیادہ ہی چیکنگ ہورہی ہے۔" شارق پولیس والوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا اور دوسرے ہی لمحہ وہ چونک گیا ان تین پولیس والوں میں ایک اسسٹنٹ سب انسپکٹر تھا اور دو کانسٹیبل۔ شارق نے اے ایس آئی کو پہچان لیا تھا۔ یہ وہی نوجوان پولیس افسر تھا جس نے اس رات قصور کی طرف جاتے ہوئے انہیں چیک کیا تھا اور شارق اسے حاجی کے نام کی دھمکی دے کر نکل گیا تھا۔

"شہر کے لوگ کچھ زیادہ ہی خود مختار ہوگئے ہیں۔ ایک دوسرے کو مار مار کر سڑکوں پر پھینک رہے ہیں۔" ایک کانسٹیبل نے کہا اور پچھلی سیٹ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "آپ لوگ کون ہیں بی بی۔ اور یہ آدمی بے ہوش کیوں ہے؟"

"یہ میرا بھائی ہے جی۔ بیمار ہے۔ اسے دورے پڑتے ہیں بے ہوش ہوگیا ہے۔ ڈاکٹر کے پاس لے کر جارہے ہیں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

اسی دوران اے ایس آئی نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ٹارچ روشن کرلی۔ اس وقت شارق نے اگرچہ منہ پھیر لیا تھا لیکن اس کا چہرہ روشنی میں آگیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اے ایس آئی چیخ اٹھا۔

"اوئے تم ....." اس نے ایکدم شارق پر پستول تان لیا۔ "تم تو وہی ہو جو اس دن حاجی کے نام پر دھوکہ دے کر بھاگ گئے تھے۔ اب میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔ تم شارق ہو۔ ہاتھ اوپر اٹھالو اور خبردار کوئی حرکت مت کرنا۔"

شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ اس نے ہاتھ اوپر اٹھا لیے اور پھر آفیسر کے حکم پر رکشے سے اتر گیا۔

"بی بی۔ آپ لوگ بھی نیچے اتر جاؤ۔" اے ایس آئی نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ شارق ہے۔ خطرناک مجرم۔ اس نے شہر میں قتل و غارت مچا رکھی ہے۔ آپ لوگ رکشے سے اتر کر اس طرف کھڑی ہو جائیں۔"

"میرا بھائی بے ہوش پڑا ہے۔ اگر اسے کچھ ہوگیا تو ....."

"فکر نہ کر بی بی ....." اے ایس آئی نے کہا۔ "کوئی گاڑی ادھر سے آتی ہے تو آپ لوگوں کو اس میں بٹھا دیں گے۔"

ثمینہ اور شاہ پری نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر تارا کو سیٹ پر ڈال کر نیچے اتر گئیں۔ دونوں کانسٹیبلوں نے بھی اپنی رائفلیں شارق پر تان رکھی تھیں۔ ثمینہ اور شاہ پری ان پولیس والوں کے پیچھے چلی گئیں اور پھر ان دونوں نے اپنے اپنے پستول نکال لیے۔ شاہ پری نے دونوں کانسٹیبلوں کو زد میں لے لیا تھا اور ثمینہ نے اپنا پستول اے ایس آئی کی پشت سے لگا دیا۔

"تم نے شارق کو تو پہچان لیا لیکن یہ بھول گئے کہ اس کے ساتھ ثمینہ بھی ہوتی ہے۔" اس کے حلق سے غراہٹ سی نکلی۔ "تم تینوں اپنا اسلحہ پھینک دو۔ ورنہ قتل و غارت میں ثمینہ بھی شارق سے کم نہیں ہے۔"

اے ایس آئی نے کانسٹیبلوں کی طرف دیکھا پھر اپنا ریوالور پھینک دیا۔ کانسٹیبلوں نے بھی رائفلیں پھینک دیں۔ شارق نے قمیص کے نیچے سے اپنا پستول نکال لیا۔

"تم عقلمند ہو۔" وہ اے ایس آئی کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرایا۔ "اب تم تینوں اس گلی میں دوڑتے ہوئے چلے جاؤ۔ اگر مڑ کر دیکھا یا کہیں رکے تو شوٹ کر دیئے جاؤ گے۔"

اے ایس آئی اور دونوں کانسٹیبل واقعی عقلمند تھے۔ انہوں نے شارق کے حکم کی تعمیل میں ایک لمحہ بھی تاخیر نہیں کی اور مڑ کر کوٹھیوں کے درمیان ایک گلی میں دوڑتے چلے گئے۔

"چلو رکشے میں بیٹھو' جلدی کرو۔" شارق پستول قمیص کے نیچے اڑستا ہوا اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا اور رکشہ اسٹارٹ کردیا۔

ثمینہ اور شاہ پری نے اے ایس آئی کا ریوالور اور دونوں کانسٹیبلوں کی رائفلیں اٹھائیں اور رکشہ میں بیٹھ گئیں۔ تارا کو انہوں نے اپنے بیچ میں دبا لیا تھا۔ رکشہ ایک دم حرکت میں آگیا۔

اسی وقت پیچھے سے کسی گاڑی کے ہیڈ لیمپس کی روشنی چمکی تھی۔ شارق رکشے کی رفتار بڑھاتا گیا۔ وہ گاڑی بھی تیز رفتاری سے قریب آرہی تھی اور بالآخر ان کے برابر پہنچ کر اس کی رفتار کم ہوگئی۔ شارق کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ وہ پولیس کی گاڑی تھی۔

ثمینہ اور شاہ پری بھی ہوشیار ہوگئیں۔ انہوں نے رائفلیں پیروں کے قریب ڈال کر چادر اور برقع کا پلو اس طرح پھیلا دیا تھا کہ رائفلیں چھپ گئی تھیں۔ ٹھیک اسی وقت تارا بھی کسمسانے لگا تھا۔ وہ شاید ہوش میں آرہا تھا۔ ثمینہ بدحواس سی ہوگئی۔ لیکن اس نے فوراً ہی اپنے حواس پر قابو پالیا اور تارا کو اپنے ساتھ لپٹا کر ایک ہاتھ سے اس کا منہ سختی سے دبا دیا۔

شاہ پری کے دل کی کیفیت بھی خاصی ابتر تھی۔ اس نے تارا کے دونوں ہاتھ پکڑ رکھے تھے۔

شارق کا خیال تھا کہ پولیس وین انہیں روکے گی۔ اس نے اپنے آپ کو ہر قسم کی صورتحال سے نمٹنے کے لیے تیار کرلیا تھا۔ لیکن پولیس وین رکی نہیں۔ ان کے برابر پہنچ کر اس کی رفتار کم ہوئی تھی۔ یہ وہی وین تھی جس نے نہر کے پل کے قریب انہیں روکا تھا۔ وین میں بیٹھے ہوئے پولیس والوں نے انہیں پہچان لیا تھا کہ یہ وہی خواتین تھیں جو مریض کو لے جارہی تھیں۔

"ابھی تک کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں پہنچے؟" وین کی اگلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے سب انسپکٹر نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"رکشہ خراب ہوگیا تھا جی۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں ایک ڈاکٹر کو جانتا ہوں جی۔ اس کا دکان لبرٹی میں ہے ساری رات کھلی رہتی ہے۔"

"جلدی لے کر جاؤ۔ ایسا نہ ہو مریض راستے ہی میں ختم ہو جائے۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

اور اس کے ساتھ ہی وین کی رفتار تیز ہوگئی۔

شارق کے منہ سے اطمینان کا سانس نکل گیا۔ اگر پولیس کی یہ وین صرف دو منٹ پہلے آجاتی

تو ان کا بچنا مشکل ہو جاتا۔ پولیس وین آگے جاکر دائیں طرف والی سڑک پر مڑ گئی تھی۔ شارق نے رکشہ بائیں طرف کی ایک گلی میں گھما دیا اور پھر گلیوں ہی گلیوں میں ہوتا ہوا تہہ خانے والی کوٹھی پر پہنچ گیا۔

شارق نے رکشہ کمپاؤنڈ میں کھڑا کرنے کے بجائے گیراج میں کار کے پیچھے کھڑا کرکے گیٹ بند کر دیا تھا۔ وہ گیراج کے اندرونی دروازے سے کمرے میں آگئے تھے۔ تارا پوری طرح ہوش میں نہیں آیا تھا۔ شارق اسے کندھے پر لاد کر کمرے میں لایا تھا۔

ثمینہ نے موم بتیاں وغیرہ تلاش کرکے روشنی کی۔ شارق نے اپنا پستول نکال لیا تھا اور تارا کو صوفے پر لے رکھا تھا جو فرش پر پڑا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد تارا کے حواس بحال ہوگئے۔ وہ خوفزدہ سی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ شارق کے قدموں پر گر گیا۔

"میرا کوئی قصور نہیں ہے شارق باؤ۔" وہ خوفزدہ لہجے میں بولا۔ "میں تو خود تمہارے پاس آنا چاہتا تھا۔ میں نے ظفری کو بھی یہی کہا تھا۔"

"جو شخص دولت کے لالچ میں اپنے پرانے مالک کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے ساتھ ملنا چاہے تو اس کی نیت پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔" شارق نے کہا۔

"نہیں شارق باؤ۔" تارا نے کہا۔ "میں سچ کہتا ہوں شارق باؤ۔ مجھے کوئی لالچ نہیں تھا۔ میں تو بہت عرصہ سے تمہارے پاس آنا چاہتا تھا۔ حاجی بہت ظالم آدمی ہے۔ اس نے تمہاری ماں اور بہن کے ساتھ جو کچھ کیا اس پر مجھے بہت دکھ ہوا تھا۔ اس وقت میرے دل میں حاجی کے خلاف نفرت پیدا ہوگئی تھی۔"

"اگر تم میرے پاس آنا چاہتے تھے تو ان آدمیوں کو ساتھ لے کر کیوں آئے تھے اور پھر تم نے انہیں قتل کیوں کردیا؟" شارق بولا۔

"ان کے سامنے میرے منہ سے غلطی سے نکل گیا تھا کہ میں نے شارق کے ٹھکانے کا پتا چلا لیا ہے۔ انہوں نے مجھے کہا تھا کہ اگر حاجی کو بتایا گیا تو وہ ہمیں کچھ بھی نہیں دے گا۔ انہوں نے کہا تھا کہ ہم شارق اور ثمینہ کو پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیں گے۔ ہمیں انعام تو ملے گا۔" تارا نے جواب دیا۔

"اور انعام کے لالچ میں تم لوگ مجھے پکڑنے آئے تھے۔" شارق نے اسے گھورا۔ پھر جب ظفری نے سونے میں سے حصے کی پیش کش کی تو تم نے اپنے ہی ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تاکہ وہ تم سے حصہ نہ مانگ سکیں۔"

"نہیں شارق باؤ۔ یہ بات نہیں۔" تارا گھگھیایا۔ "میں نے کسی لالچ میں انہیں نہیں مارا

وہ دونوں تمہیں پولیس کے حوالے کرنا چاہتے تھے۔ انہیں روکنے کے لیے اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں تھا کہ انہیں ختم کر دیا جائے۔"

"تمہارے خیال میں شارق اتنا ہی کمزور ہے کہ اسے آسانی سے پکڑ لیا جاسکے۔" شارق نے گھورا۔ "پہلے ماجھا گجر کی پارٹی پھر حاجی کا گروہ اور پورے ضلع کی پولیس تو شارق کا کچھ بگاڑ نہیں سکی اور تم دو آدمیوں کو لے کر مجھے پکڑنے آئے تھے۔"

کمرے میں صرف موم بتی جل رہی تھی۔ اس کی روشنی میں تارا کا چہرہ کچھ زیادہ ہی پیلا نظر آرہا تھا۔ ثمینہ اور شاہ پری بڑے اطمینان سے ایک طرف بیٹھی ہوئی تھیں۔ کمرے میں کچھ گھٹن بھی ہورہی تھی۔ کچھ دیر بعد شاہ پری اٹھ کر برآمدے میں چلی گئی۔ لیکن دو ہی منٹ بعد وہ واپس آگئی۔ اس کے چہرے کے تاثرات بدلے ہوئے تھے۔

"پولیس کی گاڑیاں ان گلیوں میں گھوم رہی ہیں۔ انہیں ہمارے ٹھکانے کا پتا تو نہیں چل گیا۔" وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

پولیس سائرن کی آواز شارق نے بھی سن لی تھی۔

"پولیس کو ہمارے ٹھکانے کا پتا نہیں چل سکتا۔" شارق نے کہا۔

"انہیں یقیناً" اس رکشے کی تلاش ہوگی جسے اے ایس آئی اور اس کے ساتھیوں نے روکا تھا۔ ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ پولیس یہاں نہیں آسکتی۔"

اس نے جملہ مکمل کیا ہی تھا کہ ان سب کی آنکھیں چکاچوند ہوگئیں۔ بتی آگئی تھی۔ تیز روشنی میں ان کی آنکھیں خیرہ ہوگئی تھیں۔

"باہر والا دروازہ لاک کردو ثمینہ اور برآمدے کی بتی بھی بجھا دو۔" شارق نے کہا۔ "تارا کو ذرا اندر گراؤنڈ لے چلیں۔ اسے وہ سونا کھدیں جو ہم نے حاجی کے والا سے چھینا تھا۔"

ثمینہ نے باہر جاکر برآمدے کی بتی بجھا دی اور دروازہ بند کرکے لاک کر دیا۔ وہ لوگ تارا کو لے کر تہہ خانے میں آگئے۔

شارق نے تہہ خانے میں رکھی ہوئی لکڑی کی پیٹیاں الٹ دیں۔ سونے کے بسکٹ فرش پر بکھر گئے۔ تارا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

"یہ ہے وہ دولت جس کے لیے حاجی تم جیسے لوگوں کو مروا رہا ہے۔" شارق نے تارا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "اور تم نے بھی اس کے لالچ میں اپنے دو آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارا ہے۔ اس سے پہلے نجانے کتنے آدمیوں کو مار چکے ہو۔ یہ تین کروڑ کا سونا تمہارے سامنے ہے۔ اب تم بھی اس سونے کے ساتھ اس تہہ خانے میں بند رہو گے۔ بھوک لگے تو پیٹ بھرنے کے

لیے اسے کھا لینا۔"

"مم ..... مجھے معاف کر دو شارق باؤ۔" تارا اس کے پیروں پر گر گیا۔ تم جو کہو گے میں کرنے کو تیار ہوں۔ میری زندگی بخش دو۔"

"میں اگر تمہیں چھوڑ بھی دوں تو حاجی تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔" شارق نے کہا۔ "اسے تمہارے دو ساتھیوں اور قدیر کے اڈے سے اپنے دوسرے آدمیوں کی لاشیں تو مل جائیں گی لیکن تمہاری لاش نہ پاکر وہ سمجھ جائے گا کہ تم نے غداری کی ہے۔ وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"میں تمہارا ہر حکم مانوں گا شارق باؤ۔" تارا رو دیا۔

"تمہیں ایک شرط پر کچھ دنوں کے لیے زندہ رکھا جا سکتا ہے۔" شارق نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"میں تمہاری ہر شرط ماننے کو تیار ہوں۔" تارا نے کہا۔

"مجھے حاجی کے تمام ٹھکانوں کا پتا چاہیے اور ان جگہوں کا پتا بھی جہاں وہ اپنا مال رکھتا ہے۔"

"بتا دوں گا شارق باؤ۔ میں سب کچھ بتا دوں گا۔" تارا بولا۔

"لیکن تمہیں وعدہ کرنا ہوگا کہ مجھے زندہ چھوڑ دو گے۔ میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ لاہور چھوڑ کر کسی ایسی جگہ چلا جاؤں گا جہاں حاجی اور اس کے آدمی مجھے تلاش نہ کر سکیں۔" میں یہ وعدہ نہیں کر سکتا۔ لیکن تمہیں وہ تمام پتے بتانے ہوں گے جو میں پوچھ رہا ہوں۔" شارق نے کہا۔

"بتا دوں گا ..... میں حاجی کے سارے ٹھکانے بتا دوں گا۔" تارا نے روتے ہوئے کہا۔

"تو بس شروع ہو جاؤ۔" شارق نے کہا۔ "سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ حاجی اپنا اسمگل شدہ مال کہاں رکھتا ہے۔"

"مال رکھنے کے تین ٹھکانے ہیں۔" تارا نے جواب دیا۔ "ایک مصری شاہ میں' دوسرا باغبانپورے میں اور تیسرا ملتان روڈ پر ہے۔ بھلا اسٹاپ کے قریب ایک گلی میں۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر اس نے ان ٹھکانوں کی لوکیشن بھی بتا دی۔

"ٹھیک ہے۔" شارق بولا۔ "تم ایک دو دن اسی تہہ خانے میں رہو گے۔ اس کے بعد تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔"

شارق نے ثمینہ اور شاہ پری کو اشارہ کیا اور وہ تینوں تہہ خانے سے باہر آ گئے۔ شارق نے تہہ خانے کا دروازہ بند کر کے تالا ڈال دیا تھا۔

"میرا خیال ہے چائے تو نہیں ملے گی۔" شارق نے لاؤنج میں صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"بغیر دودھ کی چائے مل سکتی ہے۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور تم نے دودھ کے جو ڈبے لاکر رکھے تھے وہ کہاں گئے۔" شارق بولا۔

"اوہ! وہ تو میں بھول ہی گئی تھی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "ابھی چائے بنا کر لاتی ہوں۔" وہ اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔

شاہ پری موقع پاکر شارق کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"تمہاری ماں اور بہن بہت اچھی ہیں۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "انہیں ہر وقت تمہاری پریشانی رہتی ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ان کی خاطر تم یہ سارے دھندے چھوڑ دو۔"

"یہ دھندے چھوڑ کر کہاں جائیں گے۔" شارق بولا۔

"کسی دوسرے ملک۔" شاہ پری بولی۔ "ہمارے خاندان کے کچھ لوگ دبئی میں ہیں۔ جرمنی اور یورپ کے دوسرے ملکوں میں بھی ہمارے بہت سے لوگ آباد ہیں۔ دراصل جب سردار داؤد نے ظاہر شاہ کو معزول کر کے افغانستان کی حکومت پر قبضہ کیا تھا تو بہت سے لوگوں نے ملک چھوڑنا شروع کر دیا تھا۔ وہ لوگ عقلمند تھے۔ انہوں نے مستقبل کا اندازہ لگا لیا تھا۔ ہمارے خاندان اور قبیلے کے بہت سے لوگ بھی اپنے ملک سے چلے گئے تھے۔ ہمارے حالات اچھے نہیں تھے۔ ہم لوگ نہیں جا سکے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "اگر ہم لوگ یہاں سے دبئی چلے جائیں تو وہاں پر موجود ہمارے آدمی ہمیں پاسپورٹ بنوا کر دے سکتے ہیں۔ اس کے بعد ہم یورپ کے کسی بھی ملک چلے جائیں گے۔ زندگی سکون سے تو گزرے گی۔"

"شاید تم ڈر گئی ہو یہاں کے حالات سے۔" شارق مسکرایا۔ "اگر تم چاہو تو میں تمہارے لئے ملک سے باہر جانے کا بندوبست کر سکتا ہوں۔"

"یہ بات نہیں ہے۔" شاہ پری نے جواب دیا۔ "یہ تو دو گروہوں کی انفرادی لڑائی ہے۔ تم ان حالات کا اندازہ نہیں لگا سکتے جب ہمارے ملک پر روسی فوجوں کا قبضہ تھا۔ گلی گلی میں لڑائی ہو رہی تھی۔ کوئی شہر' کوئی گاؤں' کوئی بستی محفوظ نہیں تھی۔ قدم قدم پر بم پھٹ رہے تھے۔ میں تو ان حالات میں بھی نہیں گھبرائی تھی۔ روسیوں کے جانے کے بعد ہمارا ملک اب تک ابتری کا شکار ہے۔ اسکا اندازہ تم بھی لگا چکے ہو۔ میں اس قسم کے حالات سے ڈرنے والی نہیں اور پھر اب تمہیں چھوڑ کر تو میں کہیں اور جانے کا تصور نہیں کر سکتی۔ میں تو ماں جی اور رضیہ کی وجہ سے کہہ رہی تھی۔ وہ بیچاری ہر وقت پریشان رہتی ہیں۔"

"بس چند روز کی بات ہے۔" شارق بولا۔ "حاجی سے نمٹ لیں تو اس شہر میں بھی سکون ہو جائے گا۔ ویسے میں وعدہ کرتا ہوں کہ حاجی کے گروہ کے خاتمے کے بعد ہم یہاں سے چلے جائیں

گے۔"

"کہاں جانے کی بات ہورہی ہے۔" ثمینہ نے کچن سے نکلتے ہوئے کہا۔ اس نے شارق کا صرف آخری جملہ سنا تھا۔

"ملک سے باہر تفریح کا پروگرام بن رہا ہے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"شاہ پری نے مجھ سے بات کی تھی۔" ثمینہ نے چائے کے کپ ان کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ "ویسے میرا خیال ہے کہ یہ ٹھیک ہی کہتی ہے۔ آخر ہم کب تک اس طرح خوف کے سائے میں زندگی گزارتے رہیں گے۔ ہم آزادی سے کہیں آجا نہیں سکتے۔ آنا جانا تو کیا گھر سے باہر قدم نہیں رکھ سکتے۔ ہماری زندگی کا ہر لمحہ خوف میں بیت رہا ہے۔ ہر وقت یہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ حاجی کے کسی آدمی کی گولی کا نشانہ بن جائیں گے یا پولیس ہمیں گولیوں سے چھلنی کر دے گی۔ یہ ضروری نہیں کہ ہم ہر مرتبہ دھوکا دے کر بچتے ہی رہیں۔ ہم تو خیر بھگت ہی رہے ہیں۔ ماں جی اور رضیہ کا کیا قصور ہے۔ ان کی آزادی بھی سلب ہوکر رہ گئی ہے اور اس نے کسی کا کیا بگاڑا ہے۔" اس نے شاہ پری کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ اپنے ملک میں آزاد تھی۔ وہاں کے حالات چاہے کیسے بھی رہے ہوں۔ لیکن اسے کوئی خوف نہیں تھا۔ آزادی سے گھومتی پھرتی تو تھی لیکن ہمارا ساتھ دے کر نہ صرف یہ اپنے ملک سے جلاوطن ہوگئی بلکہ یہاں آکر یہ بھی معتوب بن گئی ہے۔ یہ بھی یہاں آزادی سے نہیں گھوم سکتی۔ شاہ پری نے تم سے جو کچھ بھی کہا ہے میں اس کی تائید کرتی ہوں۔ ہمیں اب یہ سب کچھ ختم کر دینا چاہیے۔ ہم فرضی ناموں سے کسی بھی ملک میں جا سکتے ہیں۔ وہاں آزادی تو ہوگی۔ پکڑے جانے یا مارے جانے کا خوف تو نہیں ہوگا۔"

"تو گویا یہ پروگرام تم دونوں کا ہے۔" شارق نے اس کے خاموش ہونے پر کہا اور چائے کے کپ اٹھا کر چسکیاں لینے لگا۔

"ہاں۔" ثمینہ نے کہا۔ "مجھ سے ماں جی اور رضیہ کی اداسی اور پریشانی نہیں دیکھی جاتی۔ جب سے سہیل مارا گیا ہے ماں جی کچھ زیادہ ہی پریشان رہنے لگی ہیں۔"

"میں سمجھتا ہوں۔" شارق نے کہا۔ "میں نے شاہ پری سے بھی کہا تھا کہ حاجی کے معاملے سے نمٹ لیں تو یہاں سے چلے جائیں گے۔ حاجی کا حساب کیے بغیر میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ میں بزدل نہیں کہلانا چاہتا۔"

"حاجی کو مار کر تمہیں بہادری کا تمغہ مل جائے گا؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"یہی سمجھ لو۔" شارق بولا۔ "میں نے اسے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا ہے۔"

"تو ٹھیک ہے۔ اب سب سے پہلے حاجی ہی کا خاتمہ ہونا چاہیے۔" اس کے علاوہ ایک اور

ت۔" ثمینہ نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "تو لکھا کو یہاں لے آئیں گے اور م ماں جی والی کوٹھی کم سے کم جاؤ گے۔ ہم تو برقعہ پہن کر نکلتی ہیں لیکن اگر تم کبھی کسی کی ظروں میں آگئے تو ان پر ایک نئی مصیبت ٹوٹ پڑے گی۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق مسکرایا۔ "مجھے تمہاری یہ شرط منظور ہے۔"

ثمینہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ فائرنگ کی آواز سن کر خاموش ہوگئی وہ لوگ کمرے سے نکل کر برآمدے میں آگئے۔ فائرنگ کی آوازیں اگرچہ دور سے آرہی تھیں لیکن لگتا تھا جیسے دو پارٹیاں آپس میں ٹکرا گئی ہوں۔

"تم نے ظفری وغیرہ کو یہاں کا پتا بتایا تھا نا۔" ثمینہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "مجھے لگتا ہے کہ ہمارے ہی آدمی پولیس سے ٹکرا گئے ہیں۔"

"مجھے بھی کچھ ایسا ہی لگ رہا ہے۔" شارق بولا۔ "اگر یہ ہمارے ہی آدمی ہیں اور پولیس یا کسی اور پارٹی سے تصادم ہوگیا ہے تو انہیں اس طرف نہیں آنا چاہیے۔ اس طرف آکر وہ بہت بڑی غلطی کریں گے۔"

"ویسے ہمیں کسی ہنگامی صورتحال سے نمٹنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔" ثمینہ نے کہا۔

"ٹھیک کہا تم نے" شارق بولا۔ "شاہ پری! اندر سے رائفلیں لے آؤ۔ ہم لوگ یہیں برآمدے میں بیٹھیں گے اور اندر کی تمام بتیاں بھی بجھا دو۔"

شاہ پری نے اپنا چائے کا کپ ثمینہ کو تھما دیا اور اندر سے پولیس سے چھینی ہوئی دونوں کلاشنکوف رائفلیں اٹھا لائی۔ اس نے کمروں کی بتیاں بھی بجھا دی تھیں۔ شارق کے پاس اپنا پستول موجود تھا۔

وہ تینوں تاریکی میں کرسیوں پر برآمدے میں بیٹھ گئے اور چائے کی چسکیاں لینے لگے۔ فائرنگ کی آوازیں بدستور آرہی تھیں۔ پھر وہ آوازیں بتدریج دور ہوتی گئیں اور ان کے تسلسل میں بھی فرق آگیا اور بالآخر وہ آوازیں بند ہوگئیں۔

شارق اور ثمینہ وغیرہ برآمدے میں بیٹھے رہے۔ فائرنگ کے بند ہونے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ لوگ کسی اور طرف نکل گئے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے وہ پولیس کو دھوکا دے کر اس طرف آنے کی کوشش کریں اور اس بات کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ ان کے تعاقب میں پولیس بھی یہاں پہنچ جائے۔"

نوجوان اے ایس آئی اور اس کے ساتھی کانسٹیبلوں سے پولیس کے اعلیٰ افسران کو یہ اطلاع مل چکی ہوگی کہ شارق اور ثمینہ اس علاقے میں موجود ہیں۔ دوسرا واقعہ اس فائرنگ کا ہوا تھا۔ ہو

سکتا ہے اب تک پولیس کی بھاری نفری نے اس پورے علاقے کو گھیرے میں لے لیا ہو۔ اس امکان کو بھی نظرانداز نہیں کیا جا سکتا تھا کہ وہ لوگ گھروں کی بھی تلاشی لینا شروع کر دیں۔ جب معاملہ ثمینہ اور شارق جیسے مجرموں کا ہو تو پولیس یہ قدم بھی اٹھا سکتی تھی۔

وقت گزرتا رہا۔ مختلف اطراف سے پولیس سائرن کی آوازیں سنائی دیتی رہیں جس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ پولیس اس علاقے میں موجود تھی۔

"تم نے بتایا تھا کہ یہ کوٹھی تم نے کسی سبزی والے کی معرفت کرائے پر لی تھی۔" شارق نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ..... کیا بات ہے؟" ثمینہ نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہوسکتا ہے کہ پولیس معلومات حاصل کرنے کے لیے اسٹیٹ ایجنسیوں اور اس قسم کے لوگوں سے بھی رابطے کرے جو مکانوں کو کرائے پر لینے دینے کا بزنس کرتے ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ پولیس اس سبزی والے کے توسط سے یہاں پہنچ جائے۔"

"نہیں۔" ثمینہ نے نفی میں سر ہلایا۔ "پولیس براہ راست کسی مکان پر جانے سے پہلے مالک سے مل کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے گی کہ اس نے مکان کس کو کرائے پر دیا ہے۔ اس کوٹھی کا مالک لبرٹی ہی کے ایک فلیٹ میں رہتا ہے۔ اس سے کرائے کا ایگریمنٹ صابرہ سلطانہ کے نام پر ہوا ہے اور ایگریمنٹ کے ساتھ صابرہ سلطانہ کے شناختی کارڈ کی فوٹوکاپی موجود ہے۔ اس شناختی کارڈ کو دیکھنے کے بعد پولیس مزید معلومات کے لیے یہاں آنے کی زحمت نہیں کرے گی۔"

"اور یہ صابرہ سلطانہ کون ہے؟" شارق نے پوچھا۔

"اس روز میں لبرٹی مارکیٹ گئی تھی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "میں کوئی چیز لینے کے لئے ایک جنرل اسٹور میں گئی تھی۔ وہاں تین چار عورتیں اور بھی کھڑی تھیں۔ ایک بڑی بی اپنے پرس میں سے پیسے نکال رہی تھیں کہ شناختی کارڈ نیچے گر گیا۔ انہوں نے شاید توجہ نہیں دی تھی۔ ان عورتوں کے جانے کے بعد میں نے وہ شناختی کارڈ اٹھا کر چھپا لیا اور دکاندار سے اس عورت کے بارے میں دریافت کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ ایک ریٹائرڈ ایس پی کی بیوی ہے۔ شناختی کارڈ پر ڈسن پورہ کا پتا لکھا ہوا ہے۔ لیکن اس کی رہائش گلبرگ میں ہے۔"

"اگر پولیس نے صابرہ سلطانہ سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تو؟" شارق نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"پولیس صابرہ سلطانہ کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے ڈسن پورہ والے ایڈریس پر پہنچے گی اور وہاں سے انہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ ایک ریٹائرڈ ایس پی کی بیوی ہے تو معاملہ وہیں

ٹھپ ہو جائے گا۔" ثمینہ نے کہا۔

"لیکن بہرحال، ہمیں اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہیے کہ یہاں ہم بالکل محفوظ ہیں۔ ہمیں تاریک پہلو کو بھی مدنظر رکھنا ہوگا۔" شارق بولا۔

"ہاں۔ لیکن ..... اس کا امکان بہت کم ہے کہ پولیس یہاں پہنچ جائے گی۔ البتہ احتیاط الگ بات ہے۔ ہم غافل نہیں رہیں گے۔" ثمینہ نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ تہہ خانے میں رکھا ہوا سونا ہمیں یہاں سے ہٹانا ہوگا۔" شارق بولا۔ "اگر کسی وقت پولیس کو پتا چل گیا تو ہمیں یہ کوٹھی چھوڑ کر بھاگنا پڑے گا۔ اور سونا بھی یہیں رہ جائے گا۔"

"ہاں ..... سونا ہمیں یہاں سے منتقل کرنا پڑے گا۔" ثمینہ بولی۔ "میرے خیال میں اماں والی کوٹھی زیادہ محفوظ رہے گی۔"

"کل کا دن دیکھتے ہیں۔ اس کے بعد سونا وہاں منتقل کردیا جائے گا۔" شارق نے کہا۔

ثمینہ جواب دینے کے بجائے شاہ پری کی طرف دیکھنے لگی جو کرسی پر بیٹھے بیٹھے اونگھنے لگی تھی۔ کلاشنکوف اس کی گود میں رکھی ہوئی تھی۔

"شاہ پری۔" ثمینہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر آہستگی سے اسے ہلایا۔ شاہ پری ایک دم سیدھی ہوکر بیٹھ گئی۔ "تمہیں نیند آرہی ہے تو اندر جاکر سو جاؤ۔ ہم یہاں بیٹھے ہیں۔"

"ہاں۔ بہتر ہے کہ میں یہاں بیٹھے بیٹھے اونگھنے کی بجائے اندر جاکر سو ہی جاؤں۔" شاہ پری اٹھ کر اندر چلی گئی۔

شارق اور ثمینہ بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ ڈھائی بج گئے۔ دفعتاً کال بیل کی آواز سن کر وہ دونوں اچھل پڑے۔ کال بیل راہداری کے اندر لگی ہوئی تھی اور باہر اس کی آواز زیادہ تیز سنائی نہیں دی تھی۔

"میرا خیال ہے وہ لوگ آگئے ہیں۔" شارق اٹھتے ہوئے بولا۔ "میں دیکھتا ہوں۔"

"ذرا محتاط رہنا۔ یہ پولیس بھی ہو سکتی ہے۔" ثمینہ بولی۔

"پولیس والے اس طرح شریفانہ انداز میں کال بیل نہیں بجایا کرتے۔ بہرحال، تم پوزیشن لے کر بیٹھ جاؤ۔" شارق کہتے ہوئے برآمدے سے اتر گیا۔ اس نے اپنا پستول ہاتھ میں لے لیا تھا۔ ثمینہ کلاشنکوف سنبھال کر ستون کی آڑ میں بیٹھ گئی۔ اس نے ایک گھٹنہ زمین پر ٹکا لیا تھا اور رائفل آگے کو نکال لی تھی۔ اس کا انداز بالکل ایسا تھا جیسے کوئی کمانڈو پوزیشن لیے بیٹھا ہو۔ اس کی نظریں شارق پر مرکوز تھیں جو دبے قدموں محتاط انداز میں گیٹ کی طرف جارہا تھا۔

شارق گیٹ کے بالکل سامنے نہیں گیا۔ وہ گیٹ کے ستون کی آڑ میں ہوگیا۔ پہلے اس نے گیٹ کی جھری میں سے باہر جھانکا لیکن سامنے کوئی نہیں تھا۔

"کون ہے۔ اس وقت باہر کون ہے؟" شارق نے پوچھا۔ لہجہ سرگوشیانہ تھا۔

"شارق باؤ۔ دروازہ کھولو۔ میں ہوں ظفری۔" باہر سے بھی سرگوشیانہ لہجے میں آواز سنائی دی۔

شارق نے بڑی آہستگی سے چھوٹا دروازہ کھول دیا۔ پہلے ظفری اندر داخل ہوا اور اس کے بعد پپو۔ شارق دروازے کے قریب کھڑا رہا۔

"دروازہ بند کر دو شارق باؤ۔ وہ نہیں آئے گا۔" ظفری نے کہا۔

"کیا مطلب؟ شارق بولا۔ "قدیر کہاں ہے؟"

"قدیر ہمارا ساتھ چھوڑ گیا شارق باؤ۔" ظفری نے کہا۔ "اندر چلو ..... تفصیل سے بتاؤں گا۔"

شارق نے آہستگی سے دروازہ بند کر دیا اور ان کے ساتھ برآمدے کی طرف آگیا۔ ثمینہ اب بھی اسی پوزیشن میں بیٹھی ہوئی تھی۔ انہیں دیکھ کر وہ اٹھ گئی۔

وہ لوگ اندر آگئے۔ ثمینہ نے دروازہ بند کرکے بتی جلا دی۔ جب وہ لاؤنج میں داخل ہوئے تو شاہ پری صوفے پر پڑی سو رہی تھی۔ ان کی آوازیں سن کر وہ بھی اٹھ گئی۔ شارق وغیرہ قالین پر بیٹھ گئے۔

"ہاں۔ اب بتاؤ کیا ہوا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے ظفری کی طرف دیکھا۔

"قدیر کے ڈیرے سے تو ہم پانچ لاشیں گرا کر بھاگ نکلے تھے۔" ظفری نے کہا اور پھر تفصیل سے اسے تمام واقعات سنانے لگا۔ آخر میں وہ کہہ رہا تھا۔ "ہم انہی کی کار میں فرار ہوئے تھے۔ گلبرگ میں داخل ہوتے ہی پولیس ہمارے پیچھے لگ گئی۔ یہاں شاید پولیس پہلے ہی سے الرٹ تھی۔ پولیس ہمیں روکنے کے لیے اکا دکا فائر کرتی رہی۔ ہمیں جلد ہی اندازہ ہوگیا کہ ہمیں چاروں طرف سے گھیرے میں لینے کی کوشش کی جارہی ہے۔ بالآخر ہم نے ایک جگہ گاڑی چھوڑ دی اور پولیس سے مقابلہ شروع کر دیا۔ اس مقابلے میں قدیر پولیس کے ہاتھوں مارا گیا۔ ہم بڑی مشکل سے پولیس کا گھیرا توڑ کر نکل سکے تھے۔ اس طرف آنے کے بجائے ہم دوسری طرف نکل گئے۔ ہم ایک طویل چکر کاٹ کر اس طرف آئے ہیں۔ پولیس ہمیں لبرٹی مارکیٹ کے دوسری طرف تلاش کررہی ہوگی۔"

"قدیر کے مارے جانے کا مجھے بہت دکھ ہوا۔" شارق افسردہ لہجے میں بولا۔ "وہ وفادار آدمی

تھا۔ اس کے دل میں لالچ نہیں تھا۔ وہ اگر چاہتا تو کئی روز پہلے' جب میں اس کے رکشے میں بیٹھا تھا' مجھے پولیس کے حوالے کرکے انعام حاصل کرسکتا تھا۔ لیکن اس نے مجھ سے دوستی کرکے اپنی جان خطرے میں ڈالنے کو ترجیح دی اور بالآخر اپنی جان دے دی۔"

وہ دیر تک بیٹھے قدیر ہی کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ پھر ثمینہ اور شاہ پری تو اٹھ کر ایک کمرے میں چلی گئیں اور شارق' ظفری اور پپو کے ساتھ بیٹھا باتیں کرتا رہا۔

○

ایک رات میں قتل کی آٹھ نو وارداتیں ..... پورے شہر میں خوف اور سنسنی کی ایک نئی لہر دوڑ گئی تھی۔ یہ قتل و غارت دو گروہوں کے تصادم کا نتیجہ تھی۔ شارق اور حاجی کے گروہ ..... گزشتہ رات ایک آدمی شارق کا' سات آدمی حاجی کے اور دو آدمی پولیس کے مارے گئے تھے۔ لوگ ایک بار پھر سراپا احتجاج بن کر سڑکوں پر نکل آئے تھے۔ وہ شارق اور حاجی کی گرفتاری کے علاوہ پولیس کے اعلیٰ افسروں کی برطرفی کا مطالبہ بھی کررہے تھے۔ جو صورتحال پر قابو پانے میں بری طرح ناکام رہے تھے۔ اخبارات بھی پولیس ہی کو اس کا ذمہ دار ٹھہرا رہے تھے۔

اخبارات میں شائع ہونے والی یہ خبر بھی خاصی سنسنی خیز ثابت ہوئی تھی کہ گزشتہ رات پولیس کے ایک نوجوان اے ایس آئی اور دو کانسٹیبلوں نے ایک رکشے میں سوار شارق اور ثمینہ کو روکا تھا لیکن وہ گرفتار نہ ہو سکے اس کے برعکس شارق اور ثمینہ ان پولیس والوں کا اسلحہ چھین کر فرار ہوگئے تھے۔

اے ایس آئی اور ان دونوں کانسٹیبلوں کو معطل کردیا گیا تھا۔ ویسے بھی پولیس والوں کی شامت آگئی تھی۔ نیچے سے اوپر تک لاتعداد افسروں کے تبادلے کئے جارہے تھے۔ جن علاقوں میں قتل و غارت ہوئی تھی ان علاقوں کے ایس ایچ اوز کو معطل کردیا گیا تھا۔

شہر کے رکشہ ڈرائیوروں کی بھی شامت آگئی تھی۔ یہ خبر پورے شہر میں پھیل گئی تھی کہ شارق رکشہ ڈرائیور کے بھیس میں آزادی سے شہر میں گھوم پھر رہا تھا اور چیکنگ کے دوران کئی مرتبہ پولیس سے اس کا سامنا بھی ہوا تھا لیکن پولیس والے اسے شناخت نہیں کرسکتے تھے۔ پولیس کے پاس شارق کی صرف ایک تصویر تھی جو جیل ریکارڈ سے حاصل کی گئی تھی۔ اس تصویر کی سینکڑوں کاپیاں بنوا کر پولیس والوں میں تقسیم کر دی گئی تھیں۔ اب ہر دوسرے پولیس والے کے ہاتھ میں شارق کی تصویر تھی۔ لیکن یہ تصویر کئی سال پرانی تھی اور اس سے شارق کو شناخت کرلینا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور تھا۔

اب پولیس کی تمامتر توجہ رکشا ڈرائیوروں پر مرکوز تھی۔ ہر رکشے کو روکا جارہا تھا۔ ڈرائیور خواہ جوان ہو یا بوڑھا اس سے طرح طرح کے سوال کیے جاتے۔ اسکا لائسنس اور شناختی کارڈ چیک کیا جاتا اور تصویر سے اس کی شناخت کی کوشش کی جاتی۔ کئی رکشے والوں کی پٹائی بھی ہوئی تھی۔

شہر کے تمام رکشہ ڈرائیور پولیس کے اس رویے پر سراپا احتجاج بن گئے۔ انہوں نے ہڑتال کردی۔ پورے شہر کے رکشے بند ہوگئے جس سے لوگوں کو مزید پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔

عجیب صورتحال تھی۔ حاجی کی پہنچ بہت اوپر تک تھی۔ کئی وزراء اور اسمبلیوں کے ممبر اس کی مٹھی میں تھے۔ پولیس اس پر ہاتھ ڈالتے ہوئے گھبرا رہی تھی۔ آئی جی نے اس کی گرفتاری کے لیے بہت اوپر کی سطح پر کوشش کی تھی لیکن اسے حاجی کو گرفتار کرنے کی اجازت نہیں ملی جس پر آئی جی نے احتجاج کرتے ہوئے اپنے عہدے سے ریزائن کر دیا۔

نئے آئی جی نے کرسی سنبھالتے ہی یہ حکم جاری کر دیا کہ دو دن کے اندر اندر شارق اور ثمینہ کو گرفتار کیا جائے۔ لیکن شارق اور ثمینہ تو چھلاوہ بن گئے تھے۔ ثمینہ کی تو پولیس کے پاس کوئی شناخت ہی نہیں تھی پولیس والے ہر عورت کو مشتبہ نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

اخبارات میں دوبارہ ان کی گرفتاری کے لیے اشتہارات شائع کیے گئے۔ انعام کی رقم بیس لاکھ سے بڑھا کر پچاس لاکھ روپے کر دی گئی تھی۔ ثمینہ اور شارق نے بھی وہ اشتہار دیکھا۔ ان دونوں کے لیے حیرت کی بات یہ تھی کہ اس مرتبہ شارق کے ساتھ ثمینہ کی تصویر بھی چھپی تھی۔ اس مرتبہ پولیس کو کچھ عقل آگئی تھی۔ ثمینہ کی یہ تصویر اسکے گھر والوں سے حاصل کی گئی تھی لیکن یہ تصویر ثمینہ کے کالج کے زمانے کی تھی۔ جب یہ تصویر کھینچی گئی تھی اس وقت ثمینہ کی عمر بیس اکیس سال رہی ہوگی جبکہ اس وقت وہ ستائیس اٹھائیس سال کی تھی۔ اس میں بڑا فرق آگیا تھا جو لوگ شروع سے ثمینہ کو دیکھتے آرہے تھے وہ تو اس تصویر کی مدد سے اسے پہچان سکتے تھے لیکن پہلی مرتبہ تصویر دیکھنے والا شخص قریب کھڑی ہوئی ثمینہ کو شناخت نہیں کرسکتا تھا۔

اس تصویر کی اشاعت کے بعد ثمینہ بہرحال محتاط ہوگئی تھی۔ پہلے تو وہ برقعہ پہن کر مارکیٹ چلی جایا کرتی تھی۔ لیکن اب اس نے باہر نکلنا چھوڑ دیا تھا۔ کیونکہ دکانوں پر سودا وغیرہ لیتے ہوئے اسے چہرے سے نقاب اٹھانا پڑتا تھا اور اسے اندیشہ تھا کہ کہیں اسے شناخت نہ کرلیا جائے۔

شارق نے بھی اپنی تمام سرگرمیاں معطل کردی تھیں۔ ویسے بھی دو تین دن سے وقفے وقفے سے بارش ہورہی تھی۔ وہ گھر سے باہر ہی نہیں نکلا تھا۔

ان دو تین دنوں کے دوران تہہ خانے میں رکھا ہوا سونا تھیلوں میں بھر بھر کر رضیہ والی کوٹھی پہنچا دیا گیا تھا۔ یہ کام ثمینہ اور شاہ پری نے کیا تھا۔ برقعہ اور چادر کی وجہ سے انہیں سونا منتقل

کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔

پہلے ثمینہ نے مشورہ دیا تھا کہ نولکھا کو بھی اسی تہہ خانے والی کوٹھی میں لے آیا جائے۔ لیکن شارق کے خیال میں اب یہ کوٹھی مشکوک ہوگئی تھی اگر پولیس نے کسی طرح اس کوٹھی کے بارے میں پتا چلا لیا تو وہ خود تو اپنی جان بچا کر بھاگ سکتے تھے لیکن نولکھا کو بیماری کی حالت میں لے جانا ممکن نہ ہوتا۔ اس لیے نولکھا کو رضیہ والی کوٹھی میں ہی رہنے دیا گیا تھا۔ البتہ شاہ پری کو بھی وہیں بھیج دیا گیا تھا۔ ثمینہ شارق وغیرہ کے ساتھ رہ رہی تھی۔ انہوں نے یہاں کئی دنوں کا راشن بھی جمع کرلیا تھا تاکہ انہیں بار بار گھر سے باہر نہ جانا پڑے۔ تارا بھی تہہ خانے میں موجود تھا۔ اس کی دیکھ بھال ظفری اور پپو نے اپنے ذمے لے لی تھی۔ اسے چائے اور کھانا باقاعدگی سے پہنچایا جاتا اور دن میں ایک دو مرتبہ تہہ خانے سے نکال کر باتھ روم بھی لے جایا جاتا۔ خوف اور دہشت سے تارا چند روز کے اندر ہی سوکھ کر کانٹا ہوگیا تھا۔

شارق نے اس سے حاجی کے بہت سے راز معلوم کرلیے تھے اور اب وہ ان کے لیے بیکار تھا۔ وہ اسے مارنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ بلاوجہ کسی کے خون سے ہاتھ نہیں رنگنا چاہتا تھا لہٰذا اس نے فیصلہ کرلیا کہ اسے زندہ چھوڑ دیا جائے۔

شارق کو یہ اطمینان تھا کہ اس طرف آتے ہوئے' تارا کو راستوں کا پتا نہیں چل سکا تھا۔ وہ زیادہ تر بے ہوش رہا تھا اور ہوش میں آنے کے بعد بھی ثمینہ اور شاہ پری نے اسے اس طرح دبوچ رکھا تھا کہ وہ راستہ نہ دیکھ سکے۔ ویسے بھی وہ کوٹھی میں آنے کے کافی دیر بعد اپنے حواس میں آسکا تھا۔

ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ پولیس کی سرگرمیاں بھی ماند پڑ گئی تھیں ایک ہفتہ پہلے جس جوش و خروش سے پولیس نے شارق اور ثمینہ کی تلاش شروع کی تھی' اب وہ بات نہیں رہی تھی۔ ویسے شارق کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں تھا۔ پولیس کی سرگرمیاں ماند پڑ جانے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ پولیس بالکل ہی خاموش ہوگئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ پولیس اب بھی مشتبہ لوگوں پر نگاہ رکھے ہوئے ہے۔

حاجی کی پجیرو اور قدیر کا رکشہ اگرچہ کوٹھی کے گیراج میں موجود تھا لیکن انہیں باہر نکالنا خطرے سے خالی نہیں تھا اور ظاہر ہے تارا کو کندھے پر لاد کر نہیں لے جایا جا سکتا تھا۔ تارا کو کوٹھی سے لے جانے کے لیے شارق نے ایک اور فیصلہ کرلیا۔

اسی رات گیارہ بجے کے قریب شارق کوٹھی سے نکلا۔ اسے لبرٹی مارکیٹ کے دوسری طرف کوٹھیوں کی ایک گلی سے ایک کار چرانے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ وہ چوری شدہ

گاڑی کوٹھی میں لے آیا تھا۔ شاہ پری کو بھی فون کرکے وہیں بلا لیا گیا تھا۔

اتفاق سے گاڑی میں کلثومات بھی موجود تھے۔ اور وہ گاڑی ایک ڈاکٹر کی تھی جو ٹاؤن شپ کا رہنے والا تھا اور غالباً" یہاں کسی سے ملنے آیا ہوا تھا۔ شارق نے ان کلثومات کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد انہیں دوبارہ کار کے ڈیش بورڈ میں رکھ دیا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ کمرے سے نکلا تو بالکل بدلا ہوا تھا۔ اس نے شیو کرکے سفید پینٹ اور سفید شرٹ پہن لی تھی۔ وہ بہت اسمارٹ لگ رہا تھا۔ اس کی ہدایت پر شاہ پری بھی تیار ہوگئی تھی۔ وہ بھی بہت اسمارٹ لگ رہی تھی۔ شارق نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ ضرورت پڑنے پر اسے کیا کرنا ہے۔

تارا کو بے ہوش کرکے کار کی ڈکی میں ڈال دیا گیا۔ شارق نے اسٹیئرنگ سنبھال لیا اور شاہ پری پسنجرز سیٹ پر بیٹھ گئی۔ کار کوٹھی سے نکل کر گلیوں میں گھومتی ہوئی سڑک پر آگئی اور تیز رفتاری سے ایک طرف دوڑنے لگی۔

مین روڈ پر کباڑش کے سامنے کاروں کی ایک لمبی لائن لگی ہوئی تھی شارق نے اپنی کار کچھ دور ہی روک لی اور وہ دونوں کار سے اتر کر ٹہلتے ہوئے کباڑش کی طرف چلنے لگے۔

یہ اسنیک بار ایک بہت بڑی کوٹھی میں بنایا گیا تھا۔ یہاں شام کے بعد لوگوں کی آمدورفت شروع ہوتی اور رات گئے تک رونق رہتی تھی۔

شارق گھر سے نکلا تو کسی اور پروگرام کے تحت تھا لیکن کباڑش کے سامنے گاڑیوں کی ایک لمبی لائن دیکھ کر اس نے اپنا پروگرام بدل دیا تھا۔ یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ کسی نے انہیں گاڑی پارک کرتے یا اس میں سے اترتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

کباڑش میں اچھا خاصا رش تھا۔ گاہکوں میں اکثریت نوجوانوں کی تھی ان میں لڑکے بھی تھے اور لڑکیاں بھی۔ ان سب کا تعلق بڑے گھروں سے تھا رات کو دیر تک گھروں سے باہر رہنے پر بھی لڑکیوں سے کوئی بازپرس نہیں ہوتی تھی۔

شارق کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اگر وہ چرغہ' کباب یا تکے بنوانا چاہے گا تو ایک گھنٹے سے پہلے اس کی باری نہیں آئے گی۔ لہٰذا اس نے کولڈ ڈرنک پر ہی اکتفا کیا اور ویٹر کو دو کولڈ ڈرنکس لانے کو کہہ کر شاہ پری کے ساتھ ایک طرف کھڑا ہوگیا۔ وہاں اور بھی کچھ لوگ کھڑے تھے۔

شارق نے یہ بات خاص طور سے نوٹ کی تھی کہ آس پاس بیٹھے یا کھڑے ہوئے لوگ شاہ پری کو تو بڑی گہری نظروں سے دیکھ رہے تھے لیکن اس کی طرف کسی کی توجہ نہیں تھی۔ وہ دل

ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ اس کی تصویر روزانہ اخباروں میں چھپ رہی تھی اور کوئی اسے شناخت نہیں کرسکا تھا۔ وہ شاہ پری کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کررہا تھا۔ شاہ پری بھی بات بات پر مسکرا رہی تھی۔

شارق شاہ پری کے ساتھ تقریباً" آدھا گھنٹہ وہاں کھڑا رہا۔ اسے اندیشہ تھا کہ ڈکی میں پڑا ہوا تارا ہوش میں آکر ہاتھ پیر نہ مارنا شروع کردے۔

کولڈ ڈرنک پینے کے بعد شارق نے بل ادا کیا۔ تقریباً" اسی وقت ایک ٹیکسی وہاں آکر رکی تھی۔ ایک عورت اور ایک مرد ٹیکسی سے اترے۔ مرد نیچے اتر کر ڈرائیور کو پیسے دے رہا تھا کہ شاہ پری اور شارق پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔

"آپ کوئی دوسری ٹیکسی دیکھ لیں باؤ جی۔ میرا ٹائم ختم ہوگیا ہے میں نے بارہ بجے ٹیکسی جمع کرانی ہے۔" ڈرائیور نے پیچھے مڑ کر شارق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"لبرٹی تک چھوڑ دو یار۔" شارق بولا۔

"چلو ٹھیک ہے۔ مجھے بھی اسی طرف جانا ہے۔ اگر میرا ادھر کا راستہ نہ ہوتا تو آپ کو کبھی نہ بٹھاتا۔" ڈرائیور کہتے ہوئے سیدھا ہوکر بیٹھ گیا۔

وہ لوگ لبرٹی کے چوراہے پر اتر گئے۔ یہاں بھی تکے کباب' پان' سگریٹ کی دکانوں اور ریسٹورنٹس میں اچھی خاصی رونق تھی۔ سینما کا آخری شو ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ ویسے سینما کے شو سے اس رونق پر فرق نہیں پڑتا تھا۔ اس چوک پر رات دو تین بجے تک گہما گہمی رہتی تھی۔

یہاں بھی لوگ کھا جانے والی نظروں سے شاہ پری کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ایک دو اوباشوں نے آوازے بھی کسے تھے۔ لیکن شارق شاہ پری کا ہاتھ پکڑے خاموشی سے چلتا رہا۔

رضیہ والی کوٹھی کی طرف آنے کے لیے انہیں طویل چکر کاٹنا پڑا تھا۔ شارق کا خیال تھا کہ شاہ پری کو گیٹ پر ہی چھوڑ کر چلا جائے گا پھر اس نے سوچا کہ رضیہ اور ماں جی سے بھی مل لے اور نولکھا کی خیریت بھی دریافت کرلے۔ وہ تقریباً" ایک ہفتے سے اس طرف نہیں آیا تھا۔

ماں جی سو گئی تھیں لیکن رضیہ نے انہیں جگا دیا۔ شارق کچھ دیر ان کے پاس بیٹھا باتیں کرتا رہا پھر نولکھا والے کمرے میں آگیا۔ وہ جاگ رہا تھا۔ شارق کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔

"آج تو ماشاء اللہ بڑے اسمارٹ نظر آرہے ہو شارق باؤ۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "تمہیں کسی کی نظر نہ لگ جائے۔"

"میں نظرپروف ہوں۔ مجھے کسی کی نظر نہیں لگتی۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا اور پلنگ

کے قریب کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ "کیسی طبیعت ہے اب؟"

"پہلے سے بہت اچھا ہوں۔" نولکھا نے جواب دیا۔ "دوچار دن بعد تمہارے ساتھ تفریح شروع کر دوں گا۔"

"بالکل نہیں۔" شارق بولا۔ "تم کم از کم ایک مہینہ مکمل آرام کرو گے۔ تمہارے سلسلے میں' میں کوئی رسک نہیں لے سکتا۔ اگر دوبارہ بیمار پڑ گئے تو تمہارا زندہ بچنا مشکل ہو جائے گا۔"

"ڈاکٹر احمد بھی یہی کہتا ہے۔" نولکھا نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "لیکن تم اچھی طرح جانتے ہو کہ نولکھا اس طرح چارپائی پر نہیں پڑا رہ سکتا۔ اور وہ بھی ایسی صورت میں جب میرا یار چاروں طرف سے دشمنوں میں گھرا ہوا ہو۔"

"مجھے تمہاری زندگی زیادہ عزیز ہے۔" شارق مسکرایا۔ "تمہارا یار دشمنوں سے نمٹ رہا ہے۔ تم دیکھ رہے ہو میں صحیح سلامت ہوں۔ کوئی آج تک میرا کچھ نہیں بگاڑ سکا۔"

"ٹھیک ہے بھئی۔" نولکھا کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ "تم لوگوں نے یہ طے کر ہی لیا ہے تو ٹھیک ہے۔ اچھا ذرا یہ بتاؤ ثمینہ بی بی کیسی ہے کئی روز سے اسے بھی نہیں دیکھا۔"

"ثمینہ بھی ٹھیک ہے۔" شارق نے جواب دیا۔

شارق کافی دیر تک اس سے باتیں کرتا رہا اور جب وہ جانے لگا تو رضیہ نے اسے روک لیا۔

"آج یہیں رہ جاؤ نا بھیا۔ کئی دن بعد آئے ہو۔ تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ تمہاری فرمائش تو رد نہیں کر سکتا۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا اور اس نے فون پر ثمینہ کو بھی اطلاع دیدی کہ وہ آج رات یہیں رہے گا۔

وہ رات ڈھائی تین بجے تک باتیں کرتے رہے۔ رضیہ بھی اسے مجبور کر رہی تھی کہ سارے کام دھندے چھوڑ کر وہ لوگ کسی دوسرے ملک چلے جائیں جہاں گمنام رہ کر سکون کی زندگی گزار سکیں۔ شارق نے اس سے بھی یہی وعدہ کیا کہ حاجی والے معاملہ سے نمٹنے کے بعد وہ سب کچھ چھوڑ دے گا۔

"رضیہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے شارق باؤ۔" نولکھا نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "خود سوچو یار۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے۔ چھپ چھپ کر جی رہے ہیں۔ چھوڑو سب کچھ۔ ان سب کو لے کر نکل چلو یہاں سے۔"

"تو تم بھی ان کے ساتھ ہو۔" شارق مسکرایا۔

"کون نہیں چاہتا کہ وہ آرام کی زندگی گزارے۔" نولکھا بولا۔ "بہت ہو چکا۔ بس چھوڑ دو اب یہ سب کچھ۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق بولا۔ "چند روز ..... مجھے صرف چند روز دے دو تم لوگ۔ میں ہر بات ں لوں گا۔"

نولکھا کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ لاؤنج میں فون کی گھنٹی کی آواز سنائی دی۔ وہ تینوں چونک گئے۔

"اس وقت کون ہو سکتا ہے۔" رضیہ اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی۔

"تم بیٹھو۔ میں دیکھتا ہوں۔" شارق اٹھ کر لاؤنج میں آگیا اور فون کا ریسیور اٹھا لیا۔ "ہیلو "

"شارق میں ثمینہ بول رہی ہوں۔" ریسیور پر ثمینہ کی آواز سنائی دی۔ "تم فوراً یہاں ؤ۔"

"خیریت۔" شارق اس وقت ثمینہ کی آواز سن کر ہی چونک گیا تھا۔

"ایک ایمرجنسی ہو گئی ہے۔" ثمینہ نے کہا۔

"پولیس نے تو نہیں۔"

"نہیں۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ایک اور مسئلہ ہے۔ فون پر تفصیل سے بات ہو سکتی۔"

"ٹھیک ہے۔ میں آرہا ہوں۔" شارق نے کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔ وہ ریسیور رکھ کر مڑا تو کو دیکھ کر رک گیا۔ وہ قریب ہی کھڑی تھی اور غالباً اس نے ساری باتیں سن لی تھیں۔

"کیا بات ہے؟ کہاں جارہے ہیں۔" اس نے پوچھا۔

"دوسری کوٹھی۔ ثمینہ کا فون تھا۔ میں وہاں جاکر تمہیں فون کر دوں گا۔ میرا خیال ہے کوئی ں کی بات نہیں ہے۔" شارق نے کہا۔ اس نے کمرے کے دروازے پر کھڑے ہو کر نولکھا کو تا دیا کہ وہ جارہا ہے۔ اور پھر دروازے سے باہر نکل گیا۔

○

رات کو شارق اور شاہ پری کے جانے کے بعد ثمینہ' ظفری اور پو دیر تک برآمدے میں باتیں کرتے رہے تھے۔ ایک بجے کے قریب ظفری اٹھ کر سونے کے لیے کمرے میں چلا گیا۔ پو بیٹھا ثمینہ سے باتیں کرتا رہا۔ وہ اپنی کسی محبوبہ کا قصہ سنا رہا تھا اور ثمینہ بڑی دلچسپی سے باتیں سن رہی تھی۔

ڈھائی بجے کے قریب ثمینہ اٹھ گئی۔ پو نے بھی کرسی چھوڑ دی تھی۔ وہ دونوں اندر آگئے۔ ے کا کنڈا پو نے لگایا تھا۔ وہ تو لاؤنج میں رک گیا اور ثمینہ اپنے کمرے میں آگئی۔ اس نے

کمرے کا دروازہ بھیڑ دیا اور باتھ روم میں گھس گئی۔ چند منٹ بعد وہ لباس تبدیل کرکے باتھ روم سے باہر آگئی۔ اس نے جینز اور شرٹ اتار کر شب خوابی کا لباس پہن لیا تھا۔ یہ لباس اس نے دو تین دن پہلے ہی بازار سے خریدا تھا۔

لیس پیس قسم کے کپڑے کی ڈھیلی ڈھالی مڈی تھی۔ جو لمبائی میں پنڈلیوں سے اوپر اور گھٹنوں سے ذرا نیچے تھی۔ جالی سے ملتا جلتا یہ کپڑا خاصا باریک تھا جس سے اس کا جسم جھلک رہا تھا۔

اس نے تکیہ اٹھا کر دیکھا۔ شارق کا پستول تکیئے کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ اس نے تکیہ درست کیا اور بستر پر لیٹ کر پلنگ پر پڑا ہوا رسالہ اٹھا لیا۔ وہ مطالعہ کی شوقین تھی اور اکثر رسالہ وغیرہ بازار سے لے آتی تھی۔ جب بھی موقع ملتا کچھ نہ کچھ پڑھ لیتی تھی۔

وہ پلنگ کی پشت سے ٹیک لگا کر نیم دراز سی ہوگئی اور رسالہ پڑھنے لگی۔ ثمینہ کا خیال تھا کہ دو تین صفحات پڑھنے کے بعد سو جائے گی۔

ابھی اس نے ایک ہی صفحہ پڑھا تھا کہ کمرے کا دروازہ کھلا اور پپو اندر داخل ہوا۔ پپو کے اس طرح اچانک اندر چلے آنے سے ثمینہ کسی قدر گڑبڑا سی گئی۔ وہ سیدھی ہوکر بیٹھ گئی اور مڈی کا کنارہ نیچے کی طرف کھینچنے لگی۔

"ثمینہ بی بی وہ ....." پپو شاید کچھ کہنے کے لیے آیا تھا لیکن ثمینہ کو اس حالت میں دیکھ کر اس کی آواز حلق میں اٹک کر رہ گئی۔

"کیا بات ہے۔" ثمینہ کے لہجے میں ناگواری تھی۔ "اندر آنے سے پہلے دروازے پر دستک نہیں دے سکتے تھے۔" غلطی دراصل اسی کی تھی۔ دروازہ اس نے بھیڑ دیا تھا اور اسے بولٹ کرنا بھول گئی تھی۔

"میرا دل چائے پینے کو چاہ رہا تھا۔ میں نے سوچا آپ سے بھی پوچھ لوں۔" پپو نے جواب دیا۔ اس کا تنفس بے ربط ہو رہا تھا۔

"نہیں۔ مجھے چائے نہیں پینی۔ تم باہر جاؤ۔ میں دروازہ بند کروں گی۔" ثمینہ نے رسالہ رکھ دیا اور پلنگ سے اترنے لگی۔

پپو اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ اس کی نظروں میں عجیب سی چمک ابھر آئی تھی اور وہ ثمینہ کا جائزہ لے رہا تھا۔

"جاؤ نکلو۔ میں دروازہ بند کروں گی۔" ثمینہ بولی۔ اس کے لہجے کی ناگواری بڑھ گئی تھی۔

"ثمینہ بی بی۔" پپو اس پر نظریں جمائے ہوئے بولا۔ "جان تو ہم بھی لڑاتے ہیں۔ گولیوں کی بارش میں دشمنوں کا مقابلہ تو ہم بھی کرتے ہیں۔ تو کیا شارق لاٹ صاحب کا بچہ ہے کہ تم اس

اسی کا حق ہے۔ ہمیں بھی تو کچھ ملنا چاہیے نا ..... سارا سونا تو شارق نے کہیں اور پہنچا لیکن تم تو یہاں ہو اور سونے سے زیادہ قیمتی ہو ....."

"کیا بکواس کر رہے ہو۔" ثمینہ غرائی۔ "تمہیں ایسی بات سوچتے ہوئے بھی شرم آنی چاہیے۔ تمہیں ....."

ثمینہ جملہ مکمل نہیں کر سکی۔ پپو نے اچانک ہی اس پر چھلانگ لگا دی تھی۔ وہ اسے اپنے ساتھ لیتا پلنگ پر گر گیا اور دست درازی کرنے لگا۔

ثمینہ کے حلق سے غراہٹیں سی نکل رہی تھیں اور وہ اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ پپو پر جنون سا طاری ہو رہا تھا۔

ثمینہ نے اس کے ہاتھ پر دانت گاڑ دیئے۔ پپو بلبلا اٹھا۔ ثمینہ نے اپنی پوری قوت استعمال کرتے ہوئے اسے دھکا دے کر پلنگ سے نیچے گرا دیا پپو گالیاں بکتے ہوئے بڑی تیزی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"میں نے بہت صبر کیا ہے۔" وہ ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے پھنکارا۔ "آج موقع ملا ہے تو میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں۔"

اس نے ثمینہ پر چھلانگ لگا دی۔ ثمینہ بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گئی۔ پپو پلنگ پر گرا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟"

دروازے کی طرف سے ظفری کی آواز سن کر وہ دونوں چونک گئے۔

"ظفری استاد۔" پپو اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "دیکھو یار۔ شارق اکیلا ہی عیش کرتا رہا اس پر ہمارا بھی تو حق ہے نا۔ شارق دھوکے سے یہاں سے سارا سونا لے گیا ہے' اسے ہم پر شبہ نہیں ہے لیکن آج کی رات یہ تو یہاں اکیلی ہے۔ ذرا دیکھو تو ..... کیسی قیامت ہے۔ ہم تو تک ترستے رہیں گے یار۔ آج موقع ہے۔ فائدہ اٹھا لو۔"

پپو کی باتوں سے ظفری بھی لڑکھڑا گیا۔ اس کی نیت میں بھی فتور آگیا۔ وہ بھی بھوکی نظروں سے ثمینہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"لعنت ہو تم پر پپو۔" وہ بولا۔ "یہ لونڈیا تمہارے قابو میں نہیں آرہی۔ چلو۔ آگے بڑھو۔ دبوچ دو اسے بستر پر۔"

"نمک حرام۔" ثمینہ غرائی۔ "میں تم دونوں کو زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" پپو نے ثمینہ پر چھلانگ لگائی تھی۔ ثمینہ جھکائی دے کر پلنگ پر گر گئی۔ وہ دوسری طرف اترنا چاہتی تھی لیکن پپو اس کی ٹانگ سے لپٹ گیا اور اسے پیچھے کی طرف کھینچنے لگا۔ ثمینہ نے دونوں ہاتھوں سے پلنگ کی

پشت کو پکڑ لیا اور ٹانگوں کو زور زور سے جھٹکے دینے لگی۔ اس کا ایک ہاتھ پلنگ کی پشت سے ہ
گیا اور تکیے کی پشت پر پڑا۔ اور پھر ایک دم اسے یاد آگیا کہ تکیے کے نیچے شارق کا پستول پڑا ہ
ہے۔ اس نے ہاتھ تکیے کے نیچے ڈال کر پستول پکڑ لیا۔

اسی وقت ظفری بھی چھلانگ لگا کر پلنگ پر آگیا اور ثمینہ کو گرفت میں لینے کی کوشش کر
لگا۔ ثمینہ نے پوری قوت سے ٹانگوں کو جھٹکا دیا۔ پپو دور جا گرا۔ ثمینہ نے اپنے آپ کو ایک
جھٹکا دیا۔ ظفری کی گرفت ڈھیلی ہوئی تو ثمینہ بڑی تیزی سے سیدھی ہوگئی۔ ٹھیک اسی لمحہ ظفر
اسے گرفت میں لینے کے لیے ایک بار پھر اس پر جھپٹا تھا۔ ثمینہ نے پستول والا ہاتھ آگے نکال
گولی چلا دی۔

گولی ظفری کے سینے میں لگی۔ اس کے جسم کو ایک زوردار جھٹکا لگا۔ وہ چند لمحے پھٹی پ
نظروں سے ثمینہ کی طرف دیکھتا رہا پھر اس کے جسم کو ایک اور جھٹکا لگا اور وہ پیچھے گر گیا۔

پپو اس وقت اٹھ کر ثمینہ کی طرف بڑھ رہا تھا لیکن ثمینہ کے ہاتھ میں پستول دیکھ کر ر
گیا۔ اس نے گولی لگنے کے بعد ظفری کے جسم کو جھٹکے لیتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھیں خو
سے پھیلتی چلی گئیں۔ اس نے گولی لگنے سے بہت سے لوگوں کو مرتے دیکھا تھا لیکن کسی کے
کو اس طرح جھٹکے نہیں لگے تھے۔

ثمینہ بھی ظفری کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پپو نے اچانک ہی چھلانگ لگا دی ثمینہ غافل نہ
تھی۔ اس نے بڑی پھرتی سے اپنی جگہ سے ہٹتے ہوئے ٹرائیگر دبا دیا۔ گولی پپو کی پیشانی پر لگی۔
اپنی ہی جھونک میں پلنگ کی پشت سے ٹکرا گیا۔

پپو کے منہ سے آواز تک نہیں نکلی تھی لیکن اس کی کھوپڑی کے پرخچے اڑ گئے تھے۔ گ
اندر جاکر پھٹ گئی تھی جس نے اس کا بھیجہ اڑا دیا تھا۔ خون کے کچھ چھینٹے ثمینہ کے جسم پر
پڑے تھے۔

ثمینہ کے چہرے پر درندگی کے تاثرات نمایاں تھے۔ لیکن پھر اس کے چہرے کے تاثرا
بتدریج نارمل ہوتے چلے گئے۔ اس نے اپنے جسم کو دیکھا جہاں خون کے چھینٹے پڑے تھے۔
کراہت سی محسوس کرنے لگی۔ اس نے کرسی پر پڑا ہوا تولیہ اٹھا کر جسم سے خون صاف کیا
کمرے سے باہر آگئی۔

اس کا خیال تھا کہ فائرنگ کی آواز اگر کہیں سن لی گئی ہوگی تو وہ کسی بڑی مصیبت میں
جائے گی۔ لیکن اس کا خیال غلط نکلا۔ ایک تو اس پستول کی آواز حیرت انگیز طور پر بہت کم تھی
دوسرے فائرنگ کمرے میں ہوئی تھی۔ کھڑکیاں بند تھیں۔ آواز زیادہ دور تک نہیں گئی ہوگی

بھی رات کا پچھلا پہر تھا اور لوگ گہری نیند میں تھے۔

وہ چند منٹ لاؤنج میں کھڑی رہی۔ پھر اس نے راہداری والے دروازے کا تالا کھول دیا۔
باہر سے بھی ہینڈل گھما کر دروازہ کھولا جا سکتا تھا۔ پھر فون کا ریسیور اٹھا کر رضیہ والی کوٹھی کا
ائل کرنے لگی۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے شارق کو صورتحال سے آگاہ کرنے کے بعد کہا۔ "میں نے برآمدے
دروازہ ان لاک کر دیا ہے۔ باہر کا گیٹ پھاند کر اندر آجانا میں باتھ روم میں جارہی ہوں۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اپنے کمرے میں آکر اس نے کرسی پر پڑے ہوئے کپڑے اٹھائے
اس کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے کے باتھ روم میں گھس گئی۔ وہ تقریباً دس منٹ بعد
اور شرٹ پہن کر باتھ روم سے نکلی۔ کمرے سے نکلنے سے پہلے اس نے باہر جھانکا۔

راہداری کا دروازہ بند تھا۔ اس نے پستول ہاتھ میں لے لیا اور باہر آکر برآمدے میں کرسی پر
ئی۔ اس کی نظریں گیٹ کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

دس منٹ اور گزر گئے۔ شارق ابھی تک نہیں آیا تھا۔ حالانکہ صرف دس منٹ کا راستہ تھا۔
پھر دفعتاً" وہ چونک گئی۔ کوئی شخص گیٹ پر چڑھ رہا تھا۔ پہلے اس کا سر نظر آیا پھر وہ آہستہ
ہ اوپر اٹھنے لگا۔ اور چند ہی سیکنڈ بعد وہ دھب کی ہلکی سی آواز سے اندر کود گیا۔

ثمینہ نے اس شخص کو چال سے پہچان لیا تھا۔ وہ شارق تھا۔ ثمینہ پستول ہاتھ میں لیے تاریکی
بیٹھی رہی۔ شارق برآمدے میں پہنچ گیا۔ اور پھر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے ٹھٹک کر رہ
۔

"اوہ ثمینہ۔ تم یہاں بیٹھی ہو۔" وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"بیٹھو۔ یہیں بیٹھ جاؤ۔" ثمینہ نے کہا۔

شارق اس کے قریب ہی کرسی پر بیٹھ گیا۔ "کیا ہوا تھا۔ تفصیل سے بتاؤ۔"

"میں شب خوابی کا لباس پہن کر اپنے کمرے میں لیٹی تھی۔ اتفاق سے میں دروازہ اندر سے
ٹ کرنا بھول گئی تھی۔" ثمینہ نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد تفصیل سے اسے سب
بتانے لگی۔ آخر میں وہ کہہ رہی تھی۔ "یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ مجھے اس حالت میں دیکھ
وہ کھل کر سامنے آگئے۔ انہیں اس بات کا افسوس تھا کہ ہم نے سونا کہیں اور منتقل کردیا ہے
یہ کہ ہم انہیں حصہ نہیں دینا چاہتے۔ اگر آج وہ نہ کھلتے تو ہمارے خلاف اندر ہی اندر سازش
تے اور کسی وقت ہمیں دھوکے سے پولیس یا حاجی کے حوالے کردیتے یا سوتے میں ہمیں قتل
کے سارا سونا لے جاتے۔ ہو سکتا ہے انہوں نے ایسا کوئی منصوبہ بنایا بھی ہو۔ لیکن اس پر عمل

کرنے کا موقع نہ ملا ہو۔ آج مجھے اکیلے پاکر وہ دونوں کھل گئے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ آسانی سے مجھے زیر کرلیں گے۔ لیکن وہ بھول گئے تھے کہ ثمینہ پر ہاتھ ڈالنا اتنا آسان نہیں۔ ثمینہ ایک سے زیر ہو چکی ہے کوئی دوسرا اس پر ہاتھ نہیں ڈال سکتا۔" وہ خاموش ہوکر شارق کی طرف دیکھنے لگی۔

"ان کی لاشیں کہاں ہیں؟" شارق نے پوچھا۔

"اندر ..... میرے کمرے میں۔" ثمینہ کہتے ہوئے اٹھ گئی۔

وہ دونوں اٹھ کراندر آگئے۔ ثمینہ نے رہلداری والا دروازہ بولٹ کردیا۔ لاؤنج میں سے گزرتے ہوئے وہ ثمینہ کے کمرے میں آگئے۔ پپو کی لاش تو پوری طرح بیڈ پر تھی۔ اس کے بھیجے اور خون کے لوتھڑے بستر اور سامنے والی دیوار پر چپکے ہوئے تھے۔ بستر کی چادر اور تکیہ خون سے تر ہو رہا تھا۔ ظفری کے پیر بیڈ کی پٹی پر لٹکے ہوئے تھے جبکہ اس کا باقی دھڑ فرش پر تھا۔

"بہت اچھا کیا تم نے۔" شارق بولا۔ "اگر میں ہوتا تو انہیں اس سے بھی بھیانک سزا دیتا۔ لیکن اب سوال یہ ہے کہ ان لاشوں کو کیسے ٹھکانے لگایا جائے۔"

"اس کا ایک طریقہ ہے۔" ثمینہ بولی۔ "ہم ابھی اور اسی وقت یہ کوٹھی چھوڑ دیتے ہیں۔ نجانے شام سے میرے ذہن میں بار بار یہ خیال کیوں آرہا ہے کہ یہ کوٹھی بہت جلد پولیس کی نظروں میں آجائے گی۔"

"اتفاق ہے کہ آج میں بھی یہ کوٹھی چھوڑ دینے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔" شارق بولا۔ "لیکن ہم یہ کوٹھی ایسے ہی چھوڑ کر نہیں جائیں گے۔ حاجی کی پجیرو اور قدیر کا رکشہ یہاں موجود ہے۔ گیراج میں پٹرول کے جیری کین بھی رکھے ہوئے ہیں۔ ہم پٹرول چھڑک کر اس کوٹھی کو آگ لگا دیتے ہیں۔ اس طرح سب کچھ جل کر راکھ ہو جائے گا اور کسی کو ہمارے بارے میں کوئی سراغ بھی نہیں مل سکے گا۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔" ثمینہ بولی۔ "شروع ہو جاؤ۔ اب ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔"

وہ دونوں اندر والے کمرے سے ہوتے ہوئے گیراج میں آگئے۔ شارق ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ گیراج میں ایک طرف پٹرول سے بھرے ہوئے تین جیری کین رکھے ہوئے تھے۔ شارق نے ایک کین اٹھا کر کھول لیا اور پجیرو اور رکشے پر پٹرول چھڑکنے لگا۔ کچھ پٹرول اس نے فرش اور دیواروں پر بھی چھڑکا تھا۔

دوسرا کین ثمینہ نے اٹھا لیا۔ شارق نے دوسرے ہاتھ میں تیسرا کین بھی اٹھا لیا۔ ثمینہ نے اپنے کمرے میں آکر پٹرول چھڑکنا شروع کردیا۔ اس نے لاشوں پر بھی پٹرول چھڑک دیا تھا۔ لاشوں

پر پٹرول چھڑکتے ہوئے اس کے دل میں ذرا بھی خیال نہیں آیا تھا۔ اس نے کمرے سے باہر نکل کر باقی پٹرول ڈرائنگ روم کے فرنیچر اور لاؤنج میں چھڑک دیا شارق بھی مختلف کمروں میں پٹرول چھڑکتا ہوا پھر رہا تھا۔

دونوں جیری کین خالی ہوگئے۔ شارق نے تیسرا جیری کین کھول لیا۔ ثمینہ نے کچن سے ماچس اٹھالی۔ شارق نے کچھ پٹرول راہداری والے دروازے اور برآمدے کے فرش اور دیواروں پر چھڑکا اور جیری کین کو اٹھا کر کے باہر والے گیٹ کی طرف چلتا چلا گیا۔ پٹرول کی موٹی سی دھار فرش پر بہتی گئی۔

گیٹ کے قریب آکر وہ رک گئے۔ شارق نے چھوٹا دروازہ کھول کر باہر گلی میں جھانکا اور پھر ثمینہ کو اشارہ کردیا۔ ثمینہ نے ماچس کی تیلی جلا کر فرش پر بہتے ہوئے پٹرول پر پھینک دی۔ پٹرول نے فوراً" ہی آگ پکڑ لی اور شعلوں کی لکیر تیزی سے برآمدے کی طرف بڑھنے لگی۔

ثمینہ گیٹ سے باہر آگئی۔ شارق نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ تیزی سے ایک طرف چلنے لگے۔ رک کر یہ دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی کہ آگ برآمدے تک پہنچی تھی یا نہیں۔ ان دونوں نے بہت اچھی طرح پٹرول چھڑکا تھا اور انہیں یقین تھا کہ چند سیکنڈ کے اندر اندر پوری کوٹھی آگ کی لپیٹ میں آجائے گی۔

ان کا خیال درست نکلا۔ تیسری گلی میں مڑ کر دونوں نے پیچھے دیکھا۔ آگ کے شعلے بلند ہونا شروع ہوگئے تھے۔ وہ تیز تیز چلنے لگے اور تقریباً" دس منٹ بعد جب وہ اپنی کوٹھی میں پہنچے تو وہ کوٹھی غالباً" پوری طرح آگ کی لپیٹ میں آچکی تھی کیونکہ آسمان کی طرف اٹھتے ہوئے شعلے وہاں سے بھی نظر آرہے تھے اور لوگوں کا شور بھی سنائی دے رہا تھا۔

شارق اور ثمینہ نے مسکرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور برآمدے والے دروازے میں داخل ہوکر اپنے کمرے میں آگئے۔

○

آگ نے پوری کوٹھی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ اگر آگ اتفاقیہ طور پر لگی ہوتی تو شاید اسے پھیلنے میں دیر لگتی اور پوری کوٹھی کو جلنے سے بچا لیا جاتا لیکن آگ جان بوجھ کر اور پٹرول چھڑک کر لگائی گئی تھی۔ اور پٹرول سے لگائی جانے والی آگ پر قابو پانا آسان نہیں ہوتا۔ آناً" فاناً" ساری کوٹھی شعلوں کی لپیٹ میں آگئی تھی۔

لوگ گھروں سے نکل آئے تھے۔ آس پاس کی کوٹھیوں کے مکینوں کو اندیشہ تھا کہ پھیلتی ہوئی

آگ ان کی کوٹھیوں کو بھی لپیٹ میں نہ لے لے۔ وہ لوگ اپنی کوٹھیوں سے اپنا قیمتی سامان نکال رہے تھے۔

تقریباً" پندرہ منٹ بعد پولیس کی ایک وین بھی وہاں پہنچ گئی۔ اس پارٹی میں نصف درجن مسلح پولیس والے تھے اور ان کا انچارج ایک دراز قامت اور بھاری بھرکم سب انسپکٹر تھا۔ پولیس کے سپاہی رائفلیں سنبھالے ادھر ادھر پھیل گئے تھے اور سب انسپکٹر چیخ چیخ کر انہیں احکامات جاری کررہا تھا۔

"تم میں سے کسی نے فائر بریگیڈ کو فون کیا ہے یا نہیں۔" سب انسپکٹر گلی میں کھڑے ہوئے لوگوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"کردیا جناب۔" ایک آدمی نے جواب دیا۔ "لیکن فائر اسٹیشن یہاں سے اتنی دور ہے کہ گاڑی کو یہاں پہنچنے میں ایک گھنٹہ لگ جائے گا اور اس وقت تک یہ کوٹھی جل کر راکھ ہو چکی ہوگی۔ لیکن آپ کس لیے آئے ہیں جناب آپ بھی تو کچھ کریں۔"

"ہم آگ بجھانے نہیں آئے۔" سب انسپکٹر نے جوب دیا۔ "ہم تو خطرناک مجرموں کو گرفتار کرنے آئے ہیں۔ جو ہماری اطلاع کے مطابق اس کوٹھی میں چھپے ہوئے ہیں۔ آپ لوگوں نے کسی کو اس کوٹھی سے نکلتے ہوئے تو نہیں دیکھا ایک مرد اور ایک عورت؟"

"شارق اور ثمینہ۔" قریب کھڑے ہوئے ایک آدمی نے کہا۔

"ہاں ہاں۔ وہی' کیا تم نے انہیں دیکھا ہے۔" سب انسپکٹر جلدی سے بولا۔

"نہیں۔ میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کوٹھی میں کون رہتا تھا۔" اس شخص نے جواب دیا۔

"پھر تم نے شارق اور ثمینہ کا نام کیسے لیا؟" سب انسپکٹر نے اسے گھورا۔

"ایک مرد اور ایک عورت یعنی شارق اور ثمینہ۔" وہ شخص ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔ یہی دونوں نام آجکل پولیس کے لیے ہوا بنے ہوئے ہیں۔ پولیس کو ان کے علاوہ اور کس کی تلاش ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر وہ اس کوٹھی میں تھے بھی تو انہیں باہر نکلنے کا موقع نہیں مل سکا ہوگا اور وہ جل کر راکھ ہو چکے ہوں گے۔"

سب انسپکٹر اسے گھور کر رہ گیا۔

فائر انجن واقعی ایک گھنٹے سے پہلے نہیں پہنچ سکا تھا۔ لیکن آگ پر قابو پانا ایک انجن کے بس کی بات نہیں تھی۔ مزید گاڑیاں طلب کی گئیں۔ شہر کے دوسرے علاقوں سے دو انجن اور پہنچ گئے۔

صبح آٹھ بجے تک آگ پر قابو پا لیا گیا۔ اس وقت تک پولیس کے دو تین بڑے آفیسر بھی پہنچ

گئے تھے۔ کوٹھی راکھ کا ڈھیر بن چکی تھی۔ ملبے میں جگہ جگہ سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ آگے پیچھے کی گلیوں میں لوگوں کا ہجوم لگا ہوا تھا اور پولیس والے انہیں دور رکھنے کی کوشش کررہے تھے۔

فائر بریگیڈ کے آدمی اور چند پولیس اہلکار ملبہ ہٹا رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی ایک پولیس آفیسر نے لوگوں سے پوچھ گچھ شروع کر دی تھی۔

اس گلی میں رہنے والوں کے بیان کے مطابق اس کوٹھی میں ایک خوبصورت عورت رہتی تھی جس نے تھوڑا ہی عرصہ پہلے یہ کوٹھی کرائے پر لی تھی۔ اس کے ساتھ کبھی کبھی ایک آدمی بھی آیا کرتا تھا۔ وہ آدمی کبھی کسی گاڑی میں آتا اور کبھی رکشہ چلاتا ہوا۔

ایک آدمی نے دو عورتوں کے بارے میں بتایا۔ ایک چادر اوڑھتی تھی اور دوسری برقعہ پہنتی تھی۔ لیکن ان کے چہرے بہت کم لوگوں نے دیکھے تھے۔ بعض لوگوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ اس کوٹھی میں رہنے والے کئی کئی روز تو یہاں آتے ہی نہیں تھے اور کوٹھی خالی رہتی تھی۔

ایک طرف پولیس آفیسر لوگوں سے پوچھ گچھ کررہا تھا اور دوسری طرف ملبہ ہٹانے کا کام جاری تھا۔ گیراج کے ملبے سے ایک بیجرو اور ایک رکشے کے ڈھانچے ملے تھے۔ اور پھر یہ انکشاف زیادہ سنسنی خیز ثابت ہوا کہ ایک جگہ ملبے کے نیچے سے دو جلے ہوئے انسانی ڈھانچے بھی ملے ہیں۔

پولیس آفیسرز فوراً" ہی وہاں پہنچ گئے۔ ملبے کو بڑی احتیاط سے پوری طرح ہٹایا گیا۔ دو انسانی ڈھانچے تھے جن کی بعض ہڈیاں بھی جل کر راکھ ہو چکی تھیں۔ ان ڈھانچوں پر گوشت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ جلی ہوئی ہڈیوں کے ڈھانچوں سے یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ وہ دونوں مرد تھے یا ان میں ایک مرد اور ایک عورت تھی یا دونوں عورتیں تھیں۔ ان ڈھانچوں کو اٹھانے کی کوشش کی گئی تو وہ بکھر گئے۔ نیم سوختہ ہڈیوں کو بڑی احتیاط سے ایک چادر میں سمیٹ کر پولیس کی گاڑی میں ڈال دیا گیا۔

دوپہر کے بارہ بج گئے۔ لوگ اب بھی بڑی تعداد میں آس پاس کی گلیوں میں موجود تھے۔ فائر بریگیڈ والے جا چکے تھے البتہ پولیس والے ایک آفیسر کی نگرانی میں ملبہ ہٹا رہے تھے۔

اس دوران اس گلی کی ایک کوٹھی میں رہنے والا ایک آدمی ایک اور شخص کو پولیس آفیسر کے پاس لے آیا۔ وہ شخص غالباً" مالی تھا۔ میلا سا کھدر کا کرتا اور دھوتی باندھی ہوئی تھی۔ کھٹارہ سی سائیکل کے کیریر پر گھاس کاٹنے والی مشین بھی رکھی ہوئی تھی۔

"یہ نور دین مالی ہے جناب۔" اس آدمی نے کہا۔ "یہ اس علاقے کی کوٹھیوں میں کام کرتا ہے۔ اس عورت کو یہ کوٹھی اسی نے کرائے پر دلوائی تھی۔"

"اچھا۔ تو تم پراپرٹی ڈیلنگ بھی کرتے ہو۔" سب انسپکٹر نے نور دین کو گھورا۔

"میں پندرہ سال سے اس علاقے میں کام کررہا ہوں جناب۔" نور دین نے جواب دیا۔ "یہاں کے لوگ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ مجھ پر اعتماد کرتے ہیں۔ بعض لوگ اپنی کوٹھیاں کرائے پر اٹھانے کے لیے مجھے کہہ دیتے ہیں۔ اس طرح مجھے بھی چار پیسے مل جاتے ہیں۔ میں اور بلا سبزی والا مل کر یہ کام کرتے ہیں۔"

"یہ کوٹھی تم نے کس کو کرائے پر دی تھی؟" سب انسپکٹر نے گھورا۔

"ایک جوان عورت تھی جی۔ اس نے بتایا تھا کہ وہ ایک ریٹائرڈ ایس پی کی بیوی ہے۔" نور دین نے کہا۔

"ایس پی کے عہدے سے ریٹائر ہونے والے شخص کی عمر ساٹھ سال سے کم نہیں ہو سکتی اس کی بیوی جوان کیسے ہو سکتی ہے؟" سب انسپکٹر نے اسے گھورا۔

"ہو سکتی ہے جی۔" نور دین بولا۔ "بڑے لوگ تو دو دو تین تین شادیاں کرلیتے ہیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔" سب انسپکٹر بولا۔ "کوئی کرایہ نامہ بھی لکھا گیا تھا؟"

"آہو جی۔" نور دین نے کہا۔ "بلا سبزی والا بڑا قانونی آدمی ہے۔ وہ ہر کام قانون کے مطابق کرتا ہے۔ اس نے وکیل سے کرایہ نامہ ٹائپ کروایا تھا اور ملک صاحب کے گھر پر بیٹھ کر اس کرائے نامے پر دستخط ہوئے تھے۔"

"ملک صاحب کون ہیں؟" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"اس کوٹھی کے مالک ہیں جی۔ باغبانپورہ میں رہتے ہیں۔ انہیں تو ابھی اطلاع بھی نہیں ملی کہ ان کی کوٹھی جل گئی ہے۔" نور دین نے کہا۔

"ملک صاحب کا کوئی ٹیلی فون نمبر ہے؟" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"آہو جی۔" نور دین نے کہتے ہوئے جیب سے ایک چھوٹی سی نوٹ بک نکال لی۔

کثرت استعمال سے یہ نوٹ بک خاصی بوسیدہ ہو چکی تھی۔ اس میں کہیں تو پیسوں کا حساب لکھا ہوا تھا' کہیں کسی کا ایڈریس تھا اور کہیں فون نمبر لکھے ہوئے تھے۔ اس نے ملک صاحب کا فون نمبر بتایا جسے سب انسپکٹر نے نوٹ کرلیا۔

سب انسپکٹر نے دو کانسٹیبلوں کو وہیں چھوڑ دیا اور باقی پارٹی کو لے کر تھانے آگیا اور ایس ایچ او کو رپورٹ دینے کے بعد فون کا ریسیور اٹھا کر ملک صاحب کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ کال خود ملک نے ہی ریسیو کی تھی۔

"میں گلبرگ تھانے سے سب انسپکٹر حامد بات کررہا ہوں۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ "کیا یہ

کوٹھی آپ ہی کی ہے۔" اس نے کوٹھی کا نمبر بتایا۔

"جی ہاں۔ کوٹھی تو میری ہی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے میں نے کوٹھی ایک ریٹائرڈ ایس پی کو کرائے پر دی تھی۔ لیکن بات کیا ہے؟"

"آپ کی کوٹھی آگ لگ جانے سے راکھ کا ڈھیر بن چکی ہے۔ ملبے میں سے دو لاشیں بھی ملی ہیں۔ آپ تھانے آجائیں اور کرایہ نامہ بھی ساتھ لیتے آئیں۔" سب انسپکٹر نے کہا اور فون بند کردیا۔

ملک صاحب تقریباً" ڈیڑھ گھنٹے بعد تھانے پہنچے تھے۔ وہ پچاس پچپن کی عمر کا قدرے بھاری بھرکم آدمی تھا۔ سفید داڑھی جس میں چند بال کالے بھی تھے۔ ماتھے پر نشان ان کے نمازی ہونے کی گواہی دے رہا تھا۔ وہ غالباً" اپنی کوٹھی کا ملبہ دیکھ کر آئے تھے۔ چہرے پر یتیمی برس رہی تھی۔

"میری کوٹھی کو آگ کیسے لگی؟ اس نے آتے ہی پوچھا۔"

"یہ تو معلوم نہیں ہو سکا۔" سب انسپکٹر نے کہا۔ "ہمیں صرف اس بات سے دلچسپی ہے کہ آپ نے وہ کوٹھی کب اور کس کو کرائے پر دی تھی۔"

"ایک ریٹائرڈ ایس پی ہیں جی۔ ان کی بیگم میرے پاس آئی تھی۔ کرایہ نامہ اسی کے نام ہے۔ یہ دیکھئے۔" ملک نے براؤن رنگ کے ایک لفافے میں سے کچھ کاغذات نکال کر اس کے سامنے رکھ دیئے۔

یہ اسٹامپ پیپر پر کوٹھی کا کرایہ نامہ تھا۔ اس کرایہ نامے کی رو سے آٹھ ہزار روپے ماہانہ طے ہوا تھا اور پچاس ہزار روپے بطور ٹیکس ڈیپازٹ لیے گئے تھے۔ جبکہ تین مہینے کا کرایہ ایڈوانس کے طور پر لیا گیا تھا۔ اس کرایہ نامہ پر اوتھ کمشنر کی مہر اور دستخط بھی ثبت تھے۔ کرایہ نامہ کے ساتھ کرائے دار کا شناختی کارڈ بھی منسلک تھا۔ کارڈ کا وہ حصہ اوپر تھا جس پر نام اور پتہ وغیرہ لکھا ہوتا ہے۔ صابرہ سلطانہ زوجہ مراد علی۔ ایڈریس ون پورے کے ایک مکان کا تھا۔ سب انسپکٹر نے شناختی کارڈ پلٹ کر دیکھا کارڈ ہولڈر کی تصویر نہیں تھی۔ قومی شناختی کارڈ پر خواتین کی تصویر کو پابندی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا۔ سب انسپکٹر ایک بار پھر کارڈ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ صابرہ سلطانہ کی تاریخ پیدائش فروری 1940ء کی تھی جس کا مطلب تھا کہ اس کی عمر اس وقت پچپن سے اوپر تھی۔

"ملک صاحب۔" سب انسپکٹر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "آپ نے جس عورت کو یہ کوٹھی کرائے پر دی تھی کیا آپ اسے جانتے ہیں۔ اس کی عمر کیا ہوگی؟"

"یہ کوٹھی میں نے بلا سبزی والے کی معرفت کرائے پر دی تھی۔" ملک نے جواب دیا۔ "وہ

جوان عورت تھی۔ عمر ستائیس اٹھائیس سال رہی ہوگی۔"

"حلیہ کیسا تھا؟" سب انسپکٹر نے پوچھا۔

"جوان اور خوبصورت تھی۔" ملک نے کہا اور حلیہ بتانے لگا۔ جسے سب انسپکٹر نے نوٹ کرلیا۔

"اس شناختی کارڈ کے مطابق آپ نے جس عورت کو یہ کوٹھی کرائے پر دی تھی اس کی عمر تقریباً پچپن سال ہے۔ کیا آپ نے کرایہ نامہ پر دستخط کراتے وقت شناختی کارڈ نہیں دیکھا تھا؟"

ملک اچھل پڑا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑنے لگیں۔ وہ سب انسپکٹر سے کاغذات لے کر شناختی کارڈ دیکھنے لگا۔

"کیا آپ کو معلوم نہیں کہ تصدیق کیے بغیر کسی کو مکان کرائے پر دینا جرم ہے۔" سب انسپکٹر اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "ہمیں اطلاع ملی تھی کہ بدنام زمانہ مجرم شارق اور ثمینہ اس کوٹھی میں روپوش ہیں۔ آپ نے عورت کا جو حلیہ بتایا ہے وہ بھی ثمینہ سے ملتا جلتا ہے۔ ہم ان دونوں کی گرفتاری کے لیے یہاں چھاپہ مارنے آئے تھے لیکن ہمارے پہنچنے سے پہلے کوٹھی کو آگ لگ چکی تھی اور وہ پوری طرح شعلوں کی لپیٹ میں تھی۔ ملبے سے جلی ہوئی دو لاشیں بلکہ جلی ہوئی ہڈیاں ملی ہیں جن سے مرنے والوں کی شناخت ممکن نہیں۔ شبہ ہے کہ وہ ثمینہ اور شارق تھے جنہیں آگ لگنے کے بعد باہر نکلنے کا موقع نہیں مل سکا اور وہ دونوں بھی جل کر راکھ ہوگئے۔ اب بات آپ کی ہے۔" سب انسپکٹر نے اس کے چہرے پر نظریں جمادیں۔ وہ دونوں سنگین ترین وارداتوں میں قانون کو مطلوب تھے اور آپ نے انہیں کوٹھی کرائے پر دی تھی۔ اور آپ جانتے ہیں کہ کسی مجرم کو پناہ دینا بھی سنگین جرم ہے۔"

"مم ..... میں بے قصور ہوں۔" ملک کا چہرہ خوف سے بالکل سفید پڑ گیا تھا جیسے سارا خون نچڑ گیا ہو۔ "بلا سبزی والا قابل اعتماد آدمی ہے۔ میں نے پہلے بھی ایک دو مرتبہ اس کے توسط سے کوٹھی کرائے پر دی تھی۔ کبھی کرائے داروں سے کوئی شکایت نہیں ہوئی۔ بلا یقیناً اس عورت کو جانتا ہوگا۔"

"وہ تو ہم معلوم کر ہی لیں گے۔" سب انسپکٹر بولا۔ "لیکن آپ بھی بری الذمہ قرار نہیں دیے جاسکتے۔ آپ یہاں بیٹھیے۔ میں ایس ایچ او صاحب سے بات کرلوں۔"

سب انسپکٹر نے پہلے ایک کانسٹیبل کو بلا سبزی والے اور نور دین مالی کو بلانے کے لیے بھیج دیا اور خود اٹھ کر ایس ایچ او کے کمرے میں آگیا اور اسے کاغذات دکھاتے ہوئے بولا۔

"مالی نے اور ملک صاحب نے جو حلیہ بتایا ہے اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ کوٹھی ثمینہ

نے کرائے پر حاصل کی تھی۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ریٹائرڈ ایس پی مراد علی کی بیوی کا شناختی کارڈ اس کے پاس کہاں سے آیا۔"

"ایس پی مراد علی کی بیوی کا شناختی کارڈ!" ایس ایچ او نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جی ہاں ..... یہ دیکھیے۔" سب انسپکٹر نے کاغذات اس کے سامنے رکھ دیئے۔

ایس ایچ او کاغذات دیکھنے لگا پھر انہیں میز پر ایک طرف رکھتے ہوئے بولا۔ "اس کارڈ پر ایڈریس وسن پورہ کا ہے۔ لیکن مراد علی صاحب گزشتہ تین سال سے گلبرگ ہی میں رہ رہے ہیں۔ میں ان سے فون پر بات کرتا ہوں۔"

اس نے فون کا ریسیور اٹھایا اور نمبر ڈائل کرنے لگا۔ لائن ملنے میں دیر نہیں لگی تھی۔ وہ تقریباً پانچ منٹ تک بات کرتا رہا پھر ریسیور رکھ کر سب انسپکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"ان کا کہنا ہے کہ کچھ عرصہ پہلے ان کی بیگم کا شناختی کارڈ کہیں کھو گیا تھا۔ وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ کارڈ گھر ہی میں کہیں ادھر ادھر رکھ دیا گیا ہوگا۔ چونکہ اس کی کہیں ضرورت نہیں پڑی تھی اس لیے اس کی تلاش پر توجہ بھی نہیں دی گئی۔ وہ آدھے گھنٹے میں یہاں آرہے ہیں۔ تم نے مالی اور سبزی والے کو بلایا؟"

"کانسٹیبل کو بھیجا ہے سر۔" سب انسپکٹر نے کہا۔

"بند کردو ان دونوں کو۔ اور کوٹھی کے مالک کو بھی بٹھائے رکھو۔" ایس ایچ او نے کہا۔

"یس سر۔" سب انسپکٹر بولا۔

ٹھیک اسی وقت ایک کانسٹیبل اندر داخل ہوا۔ یہ ان دونوں میں سے ایک تھا جنہیں آتش زدہ کوٹھی کے ملبے کی نگرانی کے لیے چھوڑا گیا تھا۔

"کیا بات ہے حفیظ؟" سب انسپکٹر نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"سر۔ اس کوٹھی کے نیچے ایک تہہ خانے کا انکشاف ہوا ہے۔" کانسٹیبل حفیظ نے بتایا۔ "ملبے میں ایک جگہ سے اچانک ہی شعلے اٹھنے لگے تھے۔ میں پانی کی بالٹی لے کر وہاں پہنچا آگ بجھا دی۔ پھر ایک دو لکڑیاں ادھر ادھر ہٹائیں تو ان کے نیچے تہہ خانے کی سیڑھیاں نظر آئیں۔ میں آپ کو رپورٹ دینے کے لیے چلا آیا ہوں۔"

"اوہ۔" سب انسپکٹر چونک گیا۔ "اور ایس ایچ او کی طرف دیکھنے لگا۔"

"چلو۔ میں بھی چل رہا ہوں۔" ایس ایچ او بھی کرسی سے اٹھ گیا۔

وہ دونوں تھانے سے باہر آکر جیپ میں بیٹھ گئے اور کوٹھی کی طرف روانہ ہوگئے۔

اس جگہ سے مزید ملبہ ہٹوا دیا گیا جہاں تہہ خانے کا انکشاف ہوا تھا۔ نیچے سیڑھیاں تھیں جن کے اختتام پر دروازہ تھا۔ دروازہ اگرچہ لکڑی کا تھا لیکن پوری طرح نہیں جلا تھا۔ شاید آگ پوری طرح نیچے نہیں پہنچی تھی۔ دروازے کا کنڈا سلامت تھا جس میں تالا بھی لگا ہوا تھا۔ ایس ایچ او کے اشارے پر ایک کانسٹیبل نے سیڑھیوں پر اتر کر تالا توڑ دیا۔ اس کے ساتھ ہی یوں لگا جیسے جہنم کا دروازہ کھل گیا ہو۔ گرم ہوا کے تھپیڑے تہہ خانے سے نکل رہے تھے۔ انہیں تقریباً" آدھا گھنٹہ انتظار کرنا پڑا۔ اس دوران ایک ٹارچ کا بھی بندوبست کرلیا گیا۔

انسپکٹر اور سب انسپکٹر تہہ خانے میں اتر گئے۔ ٹارچ انسپکٹر کے ہاتھ میں تھی وہ اس کی روشنی میں چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ اور پھر وہ چونک گیا۔ ٹارچ کی روشنی میں فرش پر پڑی ہوئی کوئی چیز چمک رہی تھی۔ اور جب اس نے جھک کر وہ چیز اٹھائی تو اس کی آنکھیں بھی چمک اٹھیں۔

وہ سونے کا ایک بسکٹ تھا۔ جو گرمی سے پگھل گیا تھا۔ ٹارچ کی روشنی ایک بار پھر گردش کرنے لگی۔

انہیں تہہ خانے کے فرش پر سونے کے گیارہ بسکٹ ملے تھے وہ تہہ خانے سے باہر آگئے اور اس کے تقریباً" آدھا گھنٹہ بعد انسپکٹر تھانے کے فون پر ڈی ایس پی سے بات کررہا تھا۔

○

اس سے اگلے روز تمام اخبارات کی ہیڈلائن بڑی سنسنی خیز تھی۔

"تباہی کا دیوتا شارق اور بربادی کی دیوی ثمینہ آگ میں جل کر راکھ ہوگئے؟"

ہر اخبار نے اپنے اپنے طور پر تفصیلات شائع کی تھیں۔ ہیڈلائن کے علاوہ ہر اخبار کے کم از کم دو دو صفحے شارق اور ثمینہ ہی کی خبروں سے بھرے ہوئے تھے۔ ایک اخبار نے تو اس کی پوری سوانح شائع کر دی تھی کہ کس طرح اسے بارہ سال کی عمر میں اپنے ماں باپ کے قتل کے الزام میں سزا ہوئی تھی اور سزا کاٹ کر جیل سے رہا ہونے کے بعد اس نے کس طرح پولیس اور بعض دیگر لوگوں کے خلاف انتقامی کارروائیاں" شروع کر دی تھیں اور کس طرح اس نے ثمینہ کو بلیک میل کرکے اپنے ساتھ ملایا تھا۔

اخبارات میں شارق کے بارے میں بہت سے ایسے لوگوں کے انٹرویوز بھی شائع ہوئے تھے جنہیں شارق جانتا نہیں تھا۔ ثمینہ کے والد کا انٹرویو اور اس کی چھوٹی بہن اور بھائی کے تاثرات بھی شائع ہوئے تھے۔ دو اخبار ایسے تھے جنہوں نے فیصل آباد میں ثمینہ کے کالج کی پرنسپل، بعض لیکچرارز اور شاگردوں کے انٹرویو بھی شائع کیے تھے۔ ان سب نے ثمینہ کو بے حد شریف، خوش

اخلاق اور رحم دل قرار دیا تھا اور اس بات پر بھی حیرت کا اظہار کیا تھا کہ وہ شارق جیسے شخص کے ہاتھ کیسے لگ گئی تھی۔

شارق کے بارے میں بھی مختلف آراء تھیں۔ بعض لوگوں نے اسے ظالم اور بے رحم قرار دیا تھا جبکہ اکثریت اس بات پر متفق تھی کہ شارق بے گناہ تھا۔ اس کے ساتھ زیادتیاں ہوئی تھیں اور وہ ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہوگیا تھا۔

اخبارات نے اسی حوالے سے لمبے چوڑے اداریے بھی شائع کئے تھے اور تقریباً ہر اخبار نے یہ سوال اٹھایا تھا کہ شارق مجرم کیسے بنا؟ جس شخص نے جیل میں رہ کر تعلیم حاصل کی ہو، جیل میں اس کا کردار قابل تعریف اور بے مثال رہا ہو وہ جیل سے باہر آکر اتنا بڑا مجرم کیسے بن گیا؟ بعض اخبارات نے تو قانون کے محافظوں کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا تھا جو اپنے ذاتی مفاد کے لیے ایک شریف انسان کو بھی شارق جیسا خطرناک مجرم بننے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

شارق نے سب کچھ تفصیل سے پڑھا۔ اور ظاہر ہے وہ اس پر مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس نے ہیڈلائن والی خبر ایک بار پھر تفصیل سے پڑھی یہ خبر پولیس کے ذرائع سے شائع کی گئی تھی۔

اس خبر کے مطابق گلبرگ کے ایس پی کو اطلاع ملی تھی کہ خطرناک مجرم شارق اور اس کی ساتھی ثمینہ گلبرگ کے علاقے میں کسی جگہ روپوش ہیں ایس پی کی ہدایت پر پولیس کی ایک خصوصی پارٹی تشکیل دی گئی جس نے شارق اور ثمینہ کے بارے میں انتہائی رازداری کے ساتھ تحقیقات شروع کر دیں۔ چند روز پہلے گلبرگ ہی میں قدیر نامی ایک آدمی پولیس مقابلے میں مارا گیا تھا۔ قدیر کے بارے میں تحقیقات کی گئیں تو پتا چلا کہ وہ رکشہ چلاتا ہے اور اچھرے میں رہائش پذیر ہے۔ پولیس قدیر کے بارے میں تحقیقات کرتی رہی اور گزشتہ روز یہ سنسنی خیز انکشاف ہوا کہ قدیر بھی شارق کے لیے کام کرتا رہا تھا اور ٹیلی فون پر اس کا شارق سے رابطہ رہتا تھا۔ پولیس پارٹی نے اس ٹیلی فون کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو پتا چلا کہ وہ ٹیلی فون گلبرگ کی ایک کوٹھی کا ہے۔ گزشتہ رات ایس پی کی تشکیل کردہ پارٹی اس کوٹھی پر چھاپہ مارنے کا پروگرام بنا رہی تھی کہ سب انسپکٹر حامد کی نگرانی میں پولیس کی ایک پارٹی اس طرف پہنچ گئی۔ اس پارٹی کو کوٹھی کی نگرانی کی ذمہ داری سونپی گئی تھی تاکہ شارق اور ثمینہ فرار نہ ہوسکیں۔ لیکن پولیس پارٹی جب وہاں پہنچی تو کوٹھی کو آگ لگ چکی تھی اور کوٹھی مکمل طور پر آگ کی لپیٹ میں تھی۔ بعد میں پولیس کو اس کوٹھی کے ملبے میں سے دو انسانی ڈھانچوں کی جلی ہوئی ہڈیاں ملی ہیں۔ پولیس کا دعویٰ ہے کہ وہ ثمینہ اور شارق ہی تھے جنہیں کوٹھی سے نکلنے کا موقع نہیں مل سکا اور وہ آگ میں جل

کر راکھ ہوگئے۔

پولیس کو کوٹھی کے گیراج سے ایک جلی ہوئی پجیرو اور ایک رکشے کا ڈھانچہ بھی ملا ہے۔ پجیرو کے چیسز نمبر اور انجن نمبر سے یہ تصدیق ہوگئی ہے کہ یہ پجیرو حاجی عبداللہ کی ملکیت ہے جو کچھ عرصہ پہلے گن پوائنٹ پر چھین لی گئی تھی۔ کوٹھی کے تہہ خانے سے سونے کے چند بسکٹ بھی ملے ہیں۔"

چند روز پہلے شارق اور اس کے ساتھیوں نے گنڈا سنگھ والا کے قریب اسمگلروں کی ایک پارٹی پر حملہ کرکے ان سے تین کروڑ روپے مالیت کا سونا چھین لیا تھا جو بھارت کو اسمگل کیا جارہا تھا۔ خیال ہے کہ وہ سونا اس کوٹھی کے تہہ خانے میں رکھا ہوا تھا جو بعد میں کسی وقت وہاں سے کہیں اور منتقل کردیا گیا تھا اور غالباً" اس منتقلی کے دوران سونے کے چند بسکٹ تہہ خانے میں گر گئے تھے۔ ان تمام باتوں کی روشنی میں پولیس اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ وہ ثمینہ اور شارق ہی تھے جو کوٹھی کی آگ میں جل کر راکھ ہوگئے۔ اس کے ساتھ ہی شہریوں کو اب سکون کا سانس لینا نصیب ہوگا۔

رضیہ ' شاہ پری' ثمینہ اور نولکھا نے بھی اخبار پڑھا تھا اور اب وہ مزے لے لے کر اس خبر پر تبصرہ کررہے تھے۔

"چلو۔ قصہ ختم ہوا۔" نولکھا نے کہا۔ "اب پولیس کو تم لوگوں کی تلاش نہیں ہوگی۔ حاجی نے بھی سکھ کا سانس لیا ہوگا۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ کوئی نیا پنگا لینے کے بجائے اب اس ملک سے نکلنے کی تیاری کرو۔ اس سے اچھا موقع پھر کبھی نہیں ملے گا۔"

"نولکھا بھائی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔" رضیہ جلدی سے بولی۔ "اب اپنا بوریا بستر سمیٹو اور جتنی جلد ممکن ہو سکے یہاں سے نکل چلو۔"

"کیا تم لوگ سمجھتے ہو کہ پولیس کے اعلیٰ افسروں نے اور حاجی نے ہماری موت کا یقین کرلیا ہوگا؟" شارق نے باری باری ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ حقائق کو چھپانے کے لیے اس قسم کی خبر اخبارات کو جاری کی گئی ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"بات درصل یہ ہے کہ جب کسی ایک بات کے حوالے سے حکومت پر عوام کا دباؤ بڑھ جاتا ہے تو عوام کو مطمئن کرنے کے لیے اس قسم کی خبریں جاری کی جاتی ہیں۔ جبکہ حقائق کو چھپایا جاتا ہے۔"

"کیا اس قسم کا جھوٹ زیادہ عرصہ تک چل سکتا ہے؟" رضیہ نے کہا۔

"اس قسم کا جھوٹ چند روز سے زیادہ نہیں چلتا۔" شارق نے کہا۔ "لیکن عوام کا فوری دباؤ ختم ہو جاتا ہے۔ اس کے دوچار روز بعد اگر پول کھل بھی جائے تو وہ بات نہیں رہتی۔ اس کے علاوہ حاجی عبداللہ جیسا شخص ہماری موت کی خبر کو آسانی سے ہضم نہیں کرسکتا۔ ہو سکتا ہے وہ یہ سوچے کہ کوٹھی کو ہم نے جان بوجھ کر آگ لگائی تھی اور وہ لاشیں کسی اور کی ہوں۔"

"اس طرح تو ایک لمبی بحث چھڑ جائے گی۔" نولکھا بولا۔ "ویسے ایک موقع تو ملا ہے۔ ہمیں خاموشی سے یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"شاید تم بہت زیادہ بددل ہوگئے ہو۔" شارق بولا۔

"نہیں یار شارق باؤ۔ یہ بات نہیں ہے۔" نولکھا بولا۔ "ساری زندگی گزر گئی پولیس سے آنکھ مچولی کھیلتے ہوئے۔ اب دل چاہتا ہے کہ کچھ دن سکون اور آرام سے گزار لیں۔"

"ٹھیک ہے۔" شارق گہرا سانس لیتے ہوئے بولا۔ "دوچار دن صورتحال کا جائزہ لینے دو۔ اس کے بعد کوئی فیصلہ کروں گا۔"

"صورتحال کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ اپنے معاملات بھی وائنڈاپ کرتے رہو۔ تاکہ عین وقت پر کوئی اور رکاوٹ پیدا نہ ہو جائے۔" رضیہ نے کہا۔

"جو حکم سرکار۔" شارق مسکراتے ہوئے بولا پھر ثمینہ کی طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ "ویسے ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ پولیس نے یہ پتا چلا لیا کہ قدیر ہمارے لیے کام کررہا تھا اور انہیں فون نمبر کیسے معلوم ہوا؟"

"ایک بات پر تم نے توجہ نہیں دی۔" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "تم نے قدیر کو فون نمبر اس کوٹھی کا دیا تھا جہاں ہم بیٹھے ہوئے ہیں جبکہ اخبار میں اس کوٹھی کا فون نمبر چھپا ہے جسے ہم جلا کر راکھ کر آئے ہیں اور بقول پولیس کے انہوں نے اس فون نمبر ہی کے ذریعے اس کوٹھی کا پتا چلایا تھا۔"

"قدیر کو میں نے دوسری کوٹھی کا نمبر بھی دے دیا تھا اور اسے سختی سے یہ ہدایت کردی تھی کہ اب پرانے نمبر پر رابطہ نہ کرے۔ اس کے بعد وہ دوسری کوٹھی پر ہی فون کرتا رہا تھا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کی موت کے بعد پولیس کو یہ نمبر کیسے معلوم ہوا؟" شارق نے کہا۔

"ہو سکتا ہے اس نے وہ نمبر کہیں لکھ رکھا ہو جو پولیس کی نظروں میں آگیا۔" ثمینہ نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے اس نے یہاں کا نمبر بھی کہیں لکھا ہوگا۔ اگر کسی وقت وہ نمبر پولیس کی نظروں میں آگیا تو ....." وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر بولا۔ "یہ کوٹھی بھی ہمارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے اس سلسلے میں فوری طور پر معلوم کرنا ہوگا۔"

"لیکن کس طرح معلوم کیا جائے؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"انسپکٹر عثمان۔" شارق نے جواب دیا۔ "معطل ہونے کے باوجود پولیس میں اس کے تعلقات ہیں۔ وہ سب کچھ معلوم کر سکتا ہے۔"

"لیکن ....." ثمینہ نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "آج کے تمام اخبارات میں میری اور تمہاری موت کی خبر چھپ چکی ہے۔ کیا انسپکٹر عثمان یہ راز اپنے سینے میں محفوظ رکھ سکے گا کہ تم زندہ ہو۔"

"ہاں۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "جس دن وہ میرا کوئی راز فاش کرے گا وہ اس کی آزادی کا آخری دن ہوگا۔ میرا کوئی راز فاش کرنے سے پہلے اسے بہت کچھ سوچنا پڑے گا۔"

"تو پھر بات کرو اس سے۔" ثمینہ نے کہا۔

وہ لوگ اس وقت نولکھا والے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ شارق اٹھ کر لاؤنج میں آگیا جہاں ٹیلی فون رکھا ہوا تھا۔ مریم لاؤنج ہی میں ایک صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔

"ماں جی۔ آپ یہاں بیٹھی ہیں۔" شارق دوسرے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "باہر اتنا اچھا موسم ہو رہا ہے۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے اور آپ یہاں۔"

"چلی جاتی ہوں۔" مریم اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ شارق کو فون کرنا ہوگا۔

مریم جیسے ہی دروازے سے باہر نکلی شارق فون کا ریسیور اٹھا کر انسپکٹر عثمان کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ کال اس کی بیوی نے ریسیو کی تھی۔

"میں سیالکوٹ سے عثمان کا دوست بول رہا ہوں۔ پلیز انہیں فون پر بلا دیں۔" شارق نے کہا۔

"ہولڈ کریں۔" دوسری طرف سے جواب ملا اور خاموشی چھا گئی۔ چند سیکنڈ بعد عثمان کی آواز سنائی دی۔

"میرا نام مت لینا عثمان اور میری بات غور سے سنو۔" شارق نے ہیلو کے جواب میں کہا۔

"تم!" انسپکٹر عثمان کے لہجے میں حیرت تھی۔ "لیکن آج تم ....."

"پولیس میں جب تک تم جیسے لوگ ہوں گے ان سے ایسی ہی باتوں کی توقع کی جا سکتی ہے۔" شارق نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں نہیں سمجھتا کہ حاجی جیسے گھاگ آدمی اس بات کا یقین کرلیں گے۔ تم بھی پولیس کی طرح مجھے مردہ ہی سمجھتے رہو اور کسی کو معلوم نہیں

نا چاہیے کہ میں زندہ ہوں۔ بہرحال، تم نے ایک کام کرنا ہے۔"

"کہو ..... میں سن رہا ہوں۔" عثمان نے کہا۔

"آج اخبار میں چھپا ہے کہ پولیس نے کوٹھی کا فون نمبر قدیر کی موت کے بعد معلوم کیا تھا۔ ہیں یہ معلوم کرنا ہے کہ پولیس کو وہ فون نمبر کہاں سے اور کیسے ملا تھا اور آیا ان کے پاس ایسا ئی اور نمبر تو نہیں جسکے بارے میں وہ تحقیقات کررہے ہوں۔ اور یہ بھی معلوم کرنا ہے کہ پولیس مجھے اور ثمینہ کو واقعی مردہ سمجھ رہی ہے یا یہ سب ڈرامہ ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں معلوم کرلوں گا۔ لیکن تمہیں کہاں اطلاع دوں گا۔" انسپکٹر عثمان نے کہا۔

"میں شام کو سات بجے کے بعد کسی وقت خود ہی تم سے رابطہ کروں گا۔" شارق نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ اس وقت تک شاید میں حاجی کے بارے میں تمہیں کوئی اور بھی اطلاع دے لوں گا۔" عثمان بولا۔

"او کے۔ سات بجے کے بعد میرے فون کا انتظار کرنا۔" شارق نے کہتے ہوئے ریسیور رکھ ا۔

وہ لاؤنج سے اٹھ کر کمرے میں آگیا۔ ثمینہ وغیرہ کو صورت حال سے آگاہ کیا اور پھر برآمدے ں آکر مریم کے پاس بیٹھ گیا اور اس سے باتیں کرنے لگا۔ باہر کا موسم واقعی بہت اچھا تھا۔ آسمان پر ہلکے بادل چھائے ہوئے تھے اور ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ کچھ دیر بعد ثمینہ وغیرہ بھی وہیں ئیں۔

"نولکھا کو بھی بلا لو۔ وہ بھی ٹھنڈی ہوا کا لطف اٹھا لے۔" شارق نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ئے کہا۔

ثمینہ اندر جاکر نولکھا کو لے آئی۔ وہ اب پہلے سے کافی بہتر تھا۔ اور تھوڑا بہت چل پھر لیتا ا۔

وہ لوگ دوپہر تک برآمدے ہی میں بیٹھے رہے۔ اس دوران ثمینہ اور رضیہ کھانے وغیرہ کی ری کے سلسلے میں بار بار اٹھ کر اندر جارہی تھیں۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد وہ سب لوگ لاؤنج ہی میں قالین پر بیٹھ گئے اور تاش کھیلنے لگے لہ مریم اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

وہ لوگ شام تک تاش کھیلتے رہے۔ وقت گزارنے کے لیے اس سے بہتر اور کوئی مشغلہ نہیں وسکتا تھا۔ ساڑھے سات بجے شارق نے انسپکٹر عثمان کو فون کیا۔ کال عثمان ہی نے ریسیو کی تھی۔

"ہاں۔ کیا رپورٹ ہے عثمان؟" شارق نے اس کی آواز سنتے ہی پوچھا۔

"پولیس کو وہ فون نمبر قدیر کے ڈیرے پر ٹیلی فون کے قریب دیوار پر لکھا ہوا ملا تھا۔ اس نمبر کے ساتھ ایس ایس لکھا ہوا تھا۔ پولیس نے محض شبے کی بنا پر اس نمبر کے بارے میں تحقیق کی تھی۔ جس سے اس کوٹھی کا پتا چلا تھا۔ اگر کوٹھی کو آگ نہ لگتی تو رات کے پچھلے پہر پولیس تم لوگوں کو دھر لیتی۔"

"اور کوئی سراغ؟" شارق نے پوچھا۔

"نہیں۔" عثمان نے جواب دیا۔ "قدیر کے سامان سے ایسے شواہد تو ملے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ تمہارے لیے کام کرتا تھا لیکن ایسی کوئی چیز نہیں ملی جس سے تمہارا سراغ لگایا جا سکے۔"

"اور ہماری موت والی خبر؟" شارق نے پوچھا۔

"اس سلسلے میں ابھی کنفیوژن ہے۔" عثمان نے جواب دیا۔ "نچلی سطح پر یہی تاثر دیا گیا ہے کہ تم دونوں کوٹھی میں جل کر ختم ہو چکے ہو۔ اس خبر سے پولیس پر عوامی احتجاج کا دباؤ بھی کم ہوا ہے۔ لیکن اعلیٰ سطح پر نہایت خفیہ میٹنگز ہو رہی ہیں۔ جن میں یہ جائزہ لیا جا رہا ہے کہ وہ لاشیں واقعی تم دونوں کی تھیں یا وہ تمہارے کوئی اور ساتھی تھے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ پولیس کے اعلیٰ حکام مطمئن نہیں ہیں۔" شارق بولا۔

"ہاں۔ یہی سمجھ لو۔" عثمان نے کہا۔ "ویسے سڑکوں پر پہلے کی طرح چیکنگ بند کر دی گئی ہے۔ البتہ بعض مقامات کی خفیہ نگرانی ہو رہی ہے۔ ہر اہم موڑ اور چوک پر سادہ لباس والے موجود ہیں۔"

"اور حاجی کے بارے میں کیا کہنا چاہتے ہیں؟" شارق نے پوچھا۔

"آج رات پشاور سے حاجی کے مال کی کھیپ آ رہی ہے۔" عثمان نے بتایا۔ "اس کھیپ میں کروڑوں روپے مالیت کی ہیروئن اور اسلحہ شامل ہے۔ یہ مال حاجی کے باغبانپورہ والے گودام میں اتارا جائے گا۔ میں آج رات اس گودام کا پتا بھی معلوم کرلوں گا۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔" شارق بولا۔ "میں حاجی کے تمام گوداموں کے بارے میں جان چکا ہوں۔ بہرحال، ان اطلاعات کا شکریہ۔"

اس نے فون بند کر دیا اور اپنے ساتھیوں کو انسپکٹر عثمان سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں آگاہ کرنے لگا۔

"حاجی کی سزا ابھی پوری نہیں ہوئی۔" شارق نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اس نے میری ماں اور بہن کی توہین کی تھی۔ میں اسے آسانی سے تو نہیں چھوڑ سکتا۔"

"اس کا مطلب ہے پھر ایک نیا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔" رضیہ نے اسے گھورا۔

"اب ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔" شارق بولا۔ "میرا خیال ہے کہ اب جو کچھ بھی کرنا ہوگا میں اکیلا ہی کروں گا۔ کسی اور کو میرے ساتھ کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔"

"کیا تم اکیلے جا سکتے ہو۔" ثمینہ نے اسے گھورا۔ "یعنی میرے بغیر؟"

"آج میرا کہیں جانے کا ارادہ نہیں ہے۔" شارق نے جواب دیا۔ "کل کا پروگرام ہے۔ کل آئے گا تو دیکھا جائے گا۔"

ثمینہ نے بحث کرنا بیکار سمجھا اور اٹھ کر رضیہ کے ساتھ گھر کے کاموں میں مصروف ہوگئی۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد وہ پھر لاؤنج میں بیٹھے تاش کھیلتے رہے۔

دوسرے دن صبح دس بجے کے قریب شارق کوٹھی سے نکلا تو اس کے جسم پر میلا سا لباس تھا۔ سر پر پگڑی کی طرح کپڑا لپٹا ہوا تھا اور شیو بھی دو دن کا بڑھا ہوا تھا۔

اس کا رخ بس اسٹاپ کی طرف تھا۔

بس اسٹاپ پر سڑک کے کنارے جامن کا ایک بہت بڑا درخت تھا۔ کچھ لوگ بس کے انتظار میں درخت کے نیچے کھڑے تھے۔ ان میں دو عورتیں تھیں جن کے ساتھ بچے بھی تھے۔ تین چار آدمی تھے۔ شارق نے سرسری سی نظروں سے ان کی طرف دیکھا اور ان سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہوگیا اور بار بار اس طرف دیکھنے لگا جس طرف سے بس آنے والی تھی۔

تقریباً پانچ منٹ بعد ریلوے سٹیشن کی طرف جانے والی بس آتی ہوئی دکھائی دی۔ لوگ سڑک کے کنارے پر آگئے۔ ان میں سے ایک آدمی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ہوا شارق کے قریب آگیا۔ لوگ بس پر سوار ہونے لگے۔ شارق بھی آگے بڑھا لیکن اچانک ہی ایک ہلکی سی آہٹ اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"تم بس پر سوار نہیں ہوگے۔ اپنی جگہ پر کھڑے رہو شارق۔"

شارق اچھل پڑا۔ اس نے اپنے قریب کھڑے ہوئے شخص کی طرف دیکھا۔ وہ شخص اس کے بالکل ساتھ کھڑا ہوگیا تھا۔ اسی لمحہ شارق کو اپنے پہلو میں کوئی چیز چبھتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"میرے ہاتھ میں پستول ہے۔" وہ شخص ایک بار پھر غرایا۔ "اگر تم نے کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو بے دریغ گولی چلا دوں گا۔"

شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ وہ بس کی طرف دیکھنے لگا۔ اسٹاپ پر کھڑے ہوئے لوگ بس میں بیٹھ چکے تھے اور بس وہاں سے دور ہوتی جا رہی تھی۔

○

"کون ہو اور کیا چاہتے ہو؟" شارق نے گردن گھما کر اس شخص کی طرف دیکھا۔ وہ دراز قامت اور قدرے بھاری بھر کم آدمی تھا۔ اس کا شیو بھی بڑھا ہوا تھا لیکن دائیں طرف رخسار پر زخم کا تقریباً ایک انچ لمبا نشان صاف نظر آرہا تھا۔ اس نے سرمئی رنگ کی پتلون اور سفید بشرٹ پہن رکھی تھی۔ اس کے کپڑے خاصے میلے تھے اور غالباً کئی روز سے اس کے جسم سے جدا نہیں ہوئے تھے۔ اس نے دایاں ہاتھ شارق کے پہلو سے لگا رکھا تھا۔ شارق پستول کی نال کی ہلکی سی چبھن صاف محسوس کر رہا تھا۔ پستول چھپانے کے لیے اس شخص نے ہاتھ پر نیلے چیک والا رومال ڈال رکھا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے جب شارق نے سرسری سے انداز میں اس کی طرف دیکھا تھا تو یہ رومال اس کے کندھے پر پڑا ہوا تھا۔

"شارق باؤ۔" وہ شخص اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "تمہارے چاہنے والوں کی اس شہر میں کمی تو نہیں ہے ناں۔ یہ الگ بات ہے کہ چاہنے کا انداز ہر شخص کا اپنا اپنا ہے۔"

"تمہیں شاید کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔" شارق نے پرسکون لہجے میں کہا۔ "میرا نام شارق نہیں عبدالرؤف ہے۔ میں دو تین دن پہلے کھاریاں سے آیا ہوں۔ میرے تین چار رشتے داروں کے علاوہ یہاں مجھے اور کوئی نہیں جانتا۔ میں تو مزدوری کی تلاش میں یہاں آیا ہوا ہوں' دوستیاں پالنے نہیں اور تم اپنا یہ ہاتھ پیچھے ہٹا لو۔ میں جانتا ہوں تمہارے اس ہاتھ میں پستول ہے جو تم نے کپڑے میں چھپا رکھا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے' تم اس طرح مجھے لوٹنا چاہتے ہو لیکن میرے پاس چالیس پچاس روپے سے زیادہ رقم نہیں ہے۔"

"صرف چالیس پچاس روپے کی نہیں' میں تو پچاس لاکھ کی سوچ رہا ہوں۔" اس شخص نے کہا۔ "اور اگر تمہاری وہ چیز مل جائے' کیا نام ہے اس کا..... ہاں ثمینہ.....تو یہ رقم دگنی ہو سکتی ہے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوا' پھر بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "ویسے بڑا حوصلہ ہے بھئی تم میں شارق باؤ۔ پورے شہر کی پولیس تمہیں تلاش کر رہی ہے۔ حاجی کے آدمی الگ تمہیں شکاری کتوں کی طرح ڈھونڈ رہے ہیں اور تم ہو کہ اس طرح آزادی سے گھوم پھر رہے ہو جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اپنی موت کی خبر اخباروں میں چھپنے کے بعد تم یہ سمجھ رہے ہو کہ

لوگ تمہارا چہرہ ہی بھول گئے ہیں لیکن تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔"

"پتا نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔ میں تمہیں نہیں جانتا کہ تم کون ہو۔" شارق نے کہتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا بس اسٹاپ پر ایک بوڑھا آدمی اور دو عورتیں آگئی تھیں جو ان سے چند قدم دور کھڑی تھیں۔

"ابھی میں شور مچا دوں کہ تم شارق ہو جس نے شہر میں تباہی مچا رکھی ہے تو یہاں سینکڑوں آدمی جمع ہو جائیں گے اور ہر شخص تمہیں پہچان لے گا اور لوگ تمہاری بوٹیاں نوچ لیں گے لیکن میں ایسا نہیں چاہتا۔ میں تو تمہیں زندہ رکھنا چاہتا ہوں کیونکہ قیمت صرف تمہارے زندہ ہونے کی ہے' مرنے کے بعد تو تم ایک ٹیڈی پیسے کے بھی نہیں رہو گے۔"

شارق دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہا تھا لیکن اس نے بڑی مشکل سے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پا رکھا تھا اور حقیقت یہ تھی کہ اس نے اس شخص کو پہچان لیا تھا۔ وہ ماجھا گجر کا پرانا ساتھی دلاور تھا جسے ایک مرتبہ پولیس نے قتل کے الزام میں گرفتار کیا تھا لیکن ماجھے گجر نے اسے چھڑا لیا تھا اور قتل کا الزام کسی اور پر رکھ دیا تھا۔ اس کے بعد دلاور غائب ہو گیا تھا۔ اس سے پہلے ایک موقع پر ایک جھڑپ کے دوران دلاور اس کے ہاتھوں بری طرح پٹا تھا اور اس کے گال پر زخم کا نشان شارق ہی کے ہاتھوں کا تھا۔

"دیکھو بھائی۔" شارق نے نہایت سکون کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "میرا تمہارا کوئی جھگڑا نہیں ہے۔ میں نہ تو شارق ہوں اور نہ ہی تمہیں جانتا ہوں۔ تم کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو۔"

"میرے گال پر زخم کا یہ نشان دیکھ رہے ہو۔" دلاور نے بائیں ہاتھ کی انگلی سے اپنے چہرے کی طرف اشارہ کیا۔ "میں اس زخم کو کبھی نہیں بھول سکتا جو تم نے لگایا تھا۔ یہ تو میری خوش قسمتی ہے کہ تم مجھے مل گئے ہو۔ ماجھے گجر کو تم نے ختم کر دیا۔ حاجی جیسے شخص کو تم نے نچا کر رکھ دیا ہے۔ اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ تم اس کے ہاتھ آجاؤ۔ تمہارے لیے تو وہ مجھے پچاس لاکھ تو کیا' اس سے بھی زیادہ دینے کو تیار ہو گا لیکن میں تمہیں سیدھا حاجی کے پاس نہیں لے جاؤں گا۔ تمہیں اپنی قید میں رکھوں گا اور حاجی سے سودے بازی کروں گا اور تمہیں۔" دلاور شارق کے پیچھے دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں پستول جیب میں رکھ رہا ہوں۔ بھاگنے یا کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو پچھتاؤ گے۔ اس طرف سے دو پولیس والے آرہے ہیں۔ ویسے میں تمہارے سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ پولیس والے تمہیں نہیں پہچان سکیں گے کیونکہ اخباروں میں جو تمہاری تصویر چھپتی رہی ہے' وہ بہت پرانی اور تمہارے موجودہ حلیے سے بہت مختلف ہے۔ ویسے تمہارا یہ جو کانٹیبل ہوتے ہیں ناں' یہ نرے سنتری بادشاہ ہی ہوتے ہیں۔" دلاور نے بڑی خوبصورتی

سے ہاتھ شارق کے پہلو سے ہٹا کر پستول پتلون کی جیب میں ڈال لیا اور شارق سے دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

شارق نے گردن گھما کر دیکھا۔ سڑک کے کنارے دو پولیس کانسٹیبل اسی طرف آرہے تھے۔ دونوں نے کندھوں پر رائفلیں لٹکا رکھی تھیں اور دونوں سگریٹ کے کش لگاتے باتیں کرتے ہوئے آرہے تھے۔

قریب سے گزرتے ہوئے دونوں نے سرسری سے انداز میں ان کی طرف دیکھا تھا۔ اس دوران دلاور نے بڑے بے تکلفانہ انداز میں شارق کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا تھا اور ہنس ہنس کر اس سے باتیں کرنے لگا تھا۔

اسی وقت آگے پیچھے دو بسیں بھی وہاں آکر رکی تھیں۔ اسٹاپ پر کھڑا ہوا بوڑھا اور دونوں عورتیں ایک بس میں بیٹھ گئیں۔ دونوں بسوں سے دو دو آدمی اترے تھے۔ وہ لوگ ان کی طرف توجہ دیئے بغیر اپنے اپنے راستے پر ہو لیے۔ دونوں پولیس والے بھی آگے نکل چکے تھے۔

"میرا ہاتھ جیب میں پستول کے ٹریگر پر ہے۔ اگر تم نے کوئی گڑبڑ کی تو میں بے دریغ گولی چلا دوں گا۔" دلاور نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم آخر چاہتے کیا ہو؟" شارق نے اسے گھورا۔

"تمہارے پیسے کھرے کرنا چاہتا ہوں اور کیا چاہوں گا تم سے؟" دلاور بولا۔ "خاموشی سے میرے ساتھ چلتے رہو۔"

"کہاں لے جانا چاہتے ہو؟" شارق بولا۔

"لکشمی چوک۔" دلاور نے کہا۔ "ماجھے گجر کا نسبت روڈ والا اڈا اب میرے قبضے میں ہے۔ وہاں کوئی دھندہ نہیں ہوتا۔ کسی کو اب اس جگہ پر شبہ بھی نہیں ہے۔ اس لیے میں تمہیں وہیں لے جاؤں گا۔ وہ جگہ سب سے زیادہ محفوظ رہے گی۔"

"دلاور!" شارق نے پہلی مرتبہ اس کا نام لیا۔ "کیا تم سمجھتے ہو کہ مجھے اپنے قبضے میں کر سکو گے؟ چند روز پہلے مجیدے نے بھی میرا راستہ کاٹنے کی کوشش کی تھی لیکن اپنے دو بندے مروانے کے بعد دبک کر بیٹھ گیا ہے۔"

"میں مجیدا نہیں ہوں۔" دلاور نے جواب دیا۔ "میرے ساتھ چلتے رہو۔ کچھ آگے جا کر ہم ٹیکسی پکڑ لیں گے۔"

شارق خاموشی سے اس کے ساتھ چلتا رہا۔ دلاور کا دایاں ہاتھ پتلون کی جیب میں پستول کے دستے پر تھا۔ اگلے موڑ پر دو ٹیکسیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ دلاور نے ایک ٹیکسی کا پچھلا دروازہ کھول

دیا۔ شارق کے بیٹھنے کے بعد وہ بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا اور پستول جیب سے نکال کر شارق کے پہلو سے لگا دیا۔ اس نے چیک دار رومال ہاتھ پر ڈال لیا تھا تاکہ ٹیکسی ڈرائیور کوئی شبہ نہ کر سکے۔

"کتھے جانا ایں استاد جی؟" ڈرائیور نے اپنی سیٹ پر سنبھلتے ہوئے کہا۔

"لکشمی۔" دلاور نے مختصر سا جواب دیا۔

ٹیکسی حرکت میں آگئی۔ دلاور شارق سے اس طرح باتیں کرنے لگا جیسے دونوں گہرے دوست ہوں۔ شارق اس کا جواب ہوں ہاں میں دے رہا تھا۔ وہ بار بار کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا اور اس کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ دلاور کی شکل میں ایک نئی مصیبت اس کے گلے پڑ گئی تھی اور اس نے طے کر لیا تھا کہ لکشمی چوک تک پہنچنے سے پہلے اس مصیبت سے نجات حاصل کرنا ہے۔

شارق کو بالآخر اس کا موقع مل گیا۔ ایک سڑک کا موڑ گھومتے ہی اس کی نظریں آگے جانے والے ایک تانگے کی طرف اٹھ گئیں۔ تانگے کی پچھلی سیٹ پر دو خوبصورت عورتیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ دلاور کی نظریں بھی اس کی طرف اٹھ گئیں۔ اس کی توجہ ایک لمحہ کو شارق سے ہٹی تھی اور شارق نے اس موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا۔

ٹیکسی تانگے سے آگے نکل چکی تھی اور دلاور گردن گھما کر تانگے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ شارق نے بڑی پھرتی سے اپنی جگہ سے حرکت کرتے ہوئے دلاور کے پستول والے ہاتھ پر ہاتھ ڈال لیا۔

دلاور چونک گیا۔ وہ اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ شارق نے اس کی کلائی کو زوردار جھٹکا دیا۔ پستول دلاور کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گیا۔

وہ دونوں ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو گئے۔ ڈرائیور پہلے تو یہ سمجھا کہ وہ آپس میں مذاق کر رہے ہیں۔ اس نے ٹیکسی کی رفتار بڑھا دی تھی لیکن جلد ہی اسے صورتحال کا اندازہ ہو گیا اور ٹھیک اسی وقت شارق نے دلاور کو اٹھا کر آگے پھینک دیا۔ دلاور کا سر آگے والی پسنجرز سیٹ پر اور دونوں ٹانگیں ڈرائیور کے سر کے اوپر سے ہوتی ہوئی اسٹیئرنگ اور اس کے جسم کے درمیان آگئی تھیں۔ ڈرائیور کے دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ سے ہٹ گئے تھے۔ ٹیکسی لہرانے لگی۔

اس وقت ٹیکسی کی رفتار خاصی تیز تھی۔ شارق نے سامنے دیکھا۔ سامنے سے ایک بس تیز رفتاری سے اسی طرف آرہی تھی۔ شارق نے ایک لمحہ کی تاخیر کیے بغیر دروازہ کھول کر چھلانگ لگا دی۔

شارق سڑک پر دور تک لڑھکتا چلا گیا۔ ستم یہ ہوا کہ پیچھے سے آنے والا ایک اسکوٹر اس کی ٹانگوں پر چڑھ گیا۔ اسکوٹر الٹ گیا تھا اور اس کا سوار دور جا گرا تھا۔

تیز رفتار ٹیکسی سے سڑک پر گرنے سے شارق کو اچھی خاصی چوٹیں آئی تھیں۔ اس کے سر

پر بھی چوٹ لگی تھی جس سے خون بہہ رہا تھا۔ رہی سہی کسر اسکوٹر کی ٹکر نے پوری کر دی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے نیلی پیلی چنگاریاں سی ناچنے لگیں۔ اس نے سر جھٹکتے ہوئے دوسری طرف دیکھا۔ تیز رفتار ٹیکسی لہراتی ہوئی سامنے سے آنے والی بس کی طرف بڑھ رہی تھی اور پھر دوسرے ہی لمحہ ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ شارق نے اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کی لیکن اس کی آنکھوں کے سامنے تاریکی کی چادر پھیلتی چلی گئی اور پھر اس کا ذہن پوری طرح تاریکی میں ڈوب گیا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

شارق کو ہوش آیا تو وہ اسپتال کے بیڈ پر پڑا تھا۔ اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ دائیں رخسار پر بھی بینڈیج تھی اور بائیں ٹانگ کی پنڈلی پر بھی کریپ بینڈیج تھی۔

ہوش میں آنے کے بعد وہ کچھ دیر تک پلکیں جھپکتا رہا۔ اسے اپنی آنکھوں کے سامنے دھند سی نظر آرہی تھی۔ اس نے اپنی جگہ سے حرکت کرنا چاہی تو منہ سے بے اختیار کراہ نکل گئی۔ سر، ٹانگ اور سینے میں درد کی بڑی شدید لہریں اٹھی تھیں۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور تکلیف ضبط کرنے کے لیے جبڑے سختی سے بھینچ لیے۔

تقریباً دو منٹ بعد اس نے دوبارہ آنکھیں کھولیں تو نظروں کے سامنے چھائی ہوئی دھند آہستہ آہستہ چھٹنے لگی۔ اس نے گردن کو آہستگی سے حرکت دے کر ادھر ادھر دیکھا اور تب اسے احساس ہوا کہ وہ اسپتال میں ہے۔ اس کے دائیں بائیں بھی بیڈز پر مریض لیٹے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے آپ کا جائزہ لیا اور تب اسے پتہ چلا کہ وہ زخمی ہے۔

رفتہ رفتہ اس کا ذہن صاف ہوتا چلا گیا۔ اس کے حواس بحال ہو گئے اور اسے سب کچھ یاد آگیا کہ وہ زخمی کس طرح ہوا تھا۔ دلاور اسے اسلحہ کے زور پر اپنا قیدی بنانے کے لیے لے جا رہا تھا اور اس نے اپنے آپ کو بچانے کے لیے دلاور سے دھینگا مشتی کرتے ہوئے ٹیکسی سے چھلانگ لگا دی تھی اور ایک موٹر سائیکل اس سے ٹکرا کر گری تھی اور ٹیکسی بھی سامنے سے آنے والی بس سے ٹکرا گئی تھی۔

صورتحال کا اندازہ ہوتے ہی وہ کانپ اٹھا۔ وہ اسپتال میں زخمی حالت میں پڑا تھا۔ اس نے ٹانگ کو حرکت دینے کی کوشش کی مگر تکلیف کی شدت سے کراہ اٹھا۔ وہ پتا نہیں کتنی دیر تک بے ہوش پڑا رہا تھا۔ ایک خیال فوراً ہی اس کے ذہن میں آیا تھا۔ اس دوران اگر اسے پہچان لیا گیا ہے تو اس کے بچ نکلنے کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہوں گے۔ آس پاس پولیس بھی موجود ہوگی۔

اس نے ایک بار پھر گردن گھما کر ادھر ادھر دیکھا۔ کوئی پولیس والا نظر نہیں آیا تھا۔ دلاور یا

ٹیکسی ڈرائیور میں سے بھی کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ بھی اس کی طرح شدید زخمی ہوں اور اسی وارڈ میں کسی بیڈ پر پڑے ہوں اور اگر دلاور نے بتایا ہوگا کہ وہ شارق ہے تو.....

شارق اس سے آگے نہیں سوچ سکا۔ اس نے ایک بار پھر ادھر ادھر دیکھا۔ دائیں طرف والے مریض کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ غالباً سو رہا تھا۔ بائیں طرف والے بیڈ کے مریض کے ایک پیر پر پلستر چڑھا ہوا تھا۔ یہ سرجیکل وارڈ تھا اور ہر مریض کے جسم کے کسی نہ کسی حصے پر پٹی یا پلستر دکھائی دے رہا تھا۔

شارق کے خیال میں اس کے لیے یہاں پڑے رہنا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ اس نے بڑی مشکل سے اپنے آپ کو اوپر اٹھایا اور وہ بیڈ سے اترنے کے لیے پر تول رہا تھا کہ بائیں طرف والا مریض اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"آرام سے بستر پر پڑے رہو۔ تمہاری پنڈلی کی ہڈی کریک ہو گئی ہے۔ زیادہ حرکت کرو گے تو تکلیف بڑھ جائے گی۔"

"تم ڈاکٹر ہو؟" شارق نے اسے گھورا۔

"نہیں۔ میں ڈاکٹر تو نہیں لیکن ڈاکٹر کی بات سنی تھی۔ جب تمہیں یہاں لایا گیا تھا۔" اس شخص نے جواب دیا۔ "ویسے سنا ہے کہ ایکسیڈنٹ بڑا خوفناک تھا۔ تم خوش قسمت ہو کہ زندہ بچ گئے۔ تمہارے دوسرے دونوں ساتھی تو موقع پر ہی ختم ہو گئے تھے۔"

"میرے ساتھی؟" شارق نے حیرت کا مظاہرہ کیا۔

"ہاں..... تم جس ٹیکسی میں تھے، وہ ایک تیز رفتار بس سے ٹکرا کر کچل گئی تھی۔ اس میں موجود ڈرائیور اور ایک اور آدمی کی لاشیں بڑی مشکل سے ٹیکسی کے اندر سے نکالی گئی تھیں۔ تمہاری خوش قسمتی تھی کہ دروازہ کھل جانے سے تم ٹیکسی سے باہر گر گئے تھے اس لیے بچ گئے۔"

"ٹیکسی۔" شارق نے اپنی حیرت برقرار رکھی۔ "میں تو کسی ٹیکسی میں نہیں تھا۔ میں تو....."

وہ نرس کو اپنی طرف آتے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ ویسے اس اطلاع پر اس نے بڑے سکھ کا سانس لیا تھا کہ اس حادثے میں دلاور ہلاک ہو گیا تھا البتہ اسے ٹیکسی ڈرائیور کی موت کا افسوس ہوا تھا۔

"ارے!" نرس اس کے بیڈ کے قریب آکر ڈانٹنے والے لہجے میں بولی۔ "تم بیٹھے ہوئے کیوں ہو؟ لیٹ جاؤ آرام سے۔"

"میں آرام سے ہی تو نہیں لیٹ سکتا نرس۔" شارق بولا۔

"تکلیف زیادہ ہو رہی ہے کیا؟" اس مرتبہ نرس کے لہجے میں ہمدردی تھی۔

"ہم جیسے لوگ تو زندگی بھر تکلیف ہی میں رہتے ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "ہم غریبوں کی زندگی میں آرام کہاں۔" اس کے ذہن نے اپنے بارے میں فوراً ہی ایک کہانی گھڑلی تھی لیکن اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا' نرس بول پڑی۔

"آرام سے لیٹے رہو۔ پولیس والے آرہے ہیں۔"

"پ۔پ۔۔۔۔پولیس۔" شارق ہکلا گیا۔ "م۔م۔۔۔۔میں نے کیا کیا ہے نرس؟"

"پولیس تمہارا بیان لینا چاہتی ہے۔" نرس نے کہا۔ "اس حادثے میں دو آدمی ہلاک ہوئے ہیں۔ تم خوش قسمت ہو کہ بچ گئے۔"

شارق کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ ایک نوجوان ڈاکٹر کے ساتھ دو پولیس والے اندر داخل ہوئے۔ ان میں ایک کانسٹیبل تھا اور دوسرا ہیڈ کانسٹیبل۔ وہ اس کے بیڈ کے قریب آکر کھڑے ہو گئے۔ ہیڈ کانسٹیبل کے ہاتھ میں ایک گتہ تھا جس پر کلپ میں کچھ کاغذ لگے ہوئے تھے۔

پہلے ڈاکٹر شارق سے اس کے بارے میں پوچھتا رہا' پھر ہیڈ کانسٹیبل کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ بیان لے سکتے ہیں۔"

"ہاں تو بچو۔" ہیڈ کانسٹیبل پنسل سنبھالتے ہوئے بولا۔ "پہلے تو یہ بتاؤ کہ تم کون ہو؟ کہاں رہتے ہو؟ اور یہ حادثہ کیسے ہوا تھا؟"

"میرا نام عبدالغفور ہے جی۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں لالہ موسیٰ کے ایک گاؤں کا رہنے والا ہوں۔ مزدوری کرنے کے لیے لاہور آیا ہوا ہوں۔ یہاں میں اپنے ایک دور کے رشتہ دار کے ساتھ رہتا ہوں۔ وہ تانگہ چلاتا ہے جی۔ باغبانپورے میں اس کا طویلہ ہے۔"

"یہ حادثہ کیسے ہوا تھا۔ تم ٹیکسی سے کیسے گرے تھے؟" ہیڈ کانسٹیبل نے پوچھا۔

"کونسی ٹیکسی جی؟ میں تو کسی ٹیکسی میں نہیں تھا۔" شارق بولا۔ اس کے ایک رخسار پر کراس کی صورت میں بینڈیج لگی ہوئی تھی اور وہ باقی چہرہ چھپانے کے لیے ہاتھ بار بار چہرے پر رکھ رہا تھا۔

"کیا تم اس ٹیکسی میں نہیں تھے جس کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا؟" ہیڈ کانسٹیبل نے اسے گھورا۔

"نہیں جی۔ ہماری ایسی قسمت کہاں کہ ٹیکسی میں بیٹھ سکیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "میں تو پیدل سڑک پار کر رہا تھا۔ ٹیکسی کو تیزی سے آتے دیکھ کر میں بھاگ کر سامنے سے گزر گیا۔ میں ٹیکسی کے نیچے آنے سے تو بچ گیا لیکن ایک موٹر سائیکل نے مجھے ٹکر مار دی۔ میری ٹانگ کا کیا ہوگا ڈاکٹر جی؟" اس نے آخری جملہ ڈاکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہاری قسمت اچھی تھی کہ بچ گئے۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "پنڈلی کی ہڈی معمولی سی کریک ہوئی

ہے' چند روز میں ٹھیک ہو جاؤ گے۔"

"میں لنگڑا تو نہیں ہو جاؤں گا جی؟" شارق نے سادگی سے پوچھا۔

"نہیں۔ تم بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے۔" ڈاکٹر نے جواب دیا۔

ہیڈ کانسٹیبل نے ایک بار پھر شارق کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ وہ اس سے مختلف قسم کے والات پوچھتا رہا۔ پھر بیان پر اس کے دستخط کروائے اور وہاں سے رخصت ہو گیا۔

نرس اور ڈاکٹر بھی ان کے ساتھ ہی وارڈ سے باہر چلے گئے تھے۔ شارق نے دل ہی دل میں را کا شکر ادا کیا۔ پولیس والوں نے اسے نہیں پہچانا تھا۔

پورا دن گزر گیا۔ شارق بیڈ پر پڑا سوچتا رہا کہ ثمینہ وغیرہ کو اس حادثے کی اطلاع کیسے دے۔ سے فرار کا کوئی راستہ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ اس نے دو مرتبہ بیڈ سے اترنے کی کوشش کی تھی ر دونوں مرتبہ نرس نے اسے ڈانٹ کر لٹا دیا تھا۔

شام سات بجے اسٹاف کی ڈیوٹی تبدیل ہو گئی۔ دن والی نرس کی جگہ جو نرس آئی تھی' اس کی ر ستائیس اٹھائیس سال کے لگ بھگ رہی ہوگی۔ وہ دراز قامت' سڈول اور خاصی حسین تھی۔ ی والی نرس اسے چارج دیتے ہوئے ہر مریض کے پاس جا کر اس کے بارے میں بتا رہی تھی۔

"یہ مریض آج ہی آیا ہے۔" اس نے شارق کے بیڈ کے قریب رک کر کہا۔

"سر' بازو اور جسم کے بعض دوسرے حصوں پر چوٹوں کے علاوہ پنڈلی کی ہڈی بھی فریکچر ہے۔ اس کا چارٹ تم دیکھ لینا۔"

نئی نرس نے شارق کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے پر الجھن کے تاثرات ابھر آئے تھے اور ارق نے بھی یہ بات خاص طور سے نوٹ کر لی تھی۔

دونوں نرسیں آگے نکل گئی تھیں۔ کچھ دیر بعد صبح والی نرس چھٹی کر کے چلی گئی تو رات کی ی والی نرس وارڈ کے وسط میں اپنی میز پر بیٹھ کر کچھ لکھنے لگی۔ اس میز سے شارق کا بیڈ چوتھے ر تھا۔ وہ نرس بار بار اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

آٹھ بجے کے قریب وارڈ کا دروازہ کھلا اور دو پولیس والے اندر داخل ہوئے۔ ان میں ایک کانسٹیبل تھا اور دوسرا کانسٹیبل۔ یہ دونوں وہی تھے جو دن میں بھی آئے تھے اور شارق کا بیان ، کر گئے تھے۔ انہیں دیکھ کر نرس اپنی کرسی سے اٹھ کر تیز قدم اٹھاتی ہوئی ان کے قریب پہنچی اور انہیں راستے ہی میں روک لیا۔

"آپ کو کسی سے ملنا ہے تو کل آیئے۔ اس وقت کسی کو وارڈ میں آنے کی اجازت نہیں ۔" نرس نے ہیڈ کانسٹیبل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہم ذاتی طور پر کسی سے ملنے کے لیے نہیں آئے سسٹر۔" ہیڈ کانسٹیبل نے جواب دیا۔ "ہ
سرکاری کام ہے اور تم ہمیں کسی سرکاری کام سے نہیں روک سکتیں۔"

نرس خاموش ہو گئی۔ وہ دونوں پولیس والے شارق کے بیڈ کی طرف چلنے لگے۔ شارق نے
اس طرح آنکھیں بند کر لیں جیسے سو رہا ہو۔ دونوں کانسٹیبل بیڈ کے قریب رک گئے۔ نرس بھ
ان کے ساتھ تھی۔ ہیڈ کانسٹیبل نے شارق کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے ہولے سے ہلایا۔

"اوئے عبدالغفور۔ اٹھو تم سے کوئی بات کرنی ہے۔"

شارق نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ چند لمحے ان کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر خمار آلود سے لہجے میں
بولا۔

"کیا بات ہے حوالدار جی؟"

"اوئے۔ تم تو کہتے تھے کہ تم ٹیکسی میں نہیں تھے۔" حوالدار نے اسے گھورا۔

"آہو جی۔ میں تو بھاگ کر سڑک پار کر رہا تھا۔" شارق نے جواب دیا۔

"سچ بول اوئے۔" حوالدار کے لہجے میں کرختگی تھی۔ "ایک دکان والے نے بتایا ہے کہ
نے چلتی ٹیکسی سے چھلانگ لگائی تھی۔"

"نہیں جی۔" شارق بولا۔ ویسے حوالدار کی بات سن کر اس کے دل کی دھڑکن تیز ہو گ
تھی۔

"ٹیکسی میں ڈرائیور کے ساتھ جو شخص مرا ہے' جانتے ہو وہ کون ہے؟" ہیڈ کانسٹیبل نے ا
کے چہرے پر نظریں جما دیں۔

"مجھے کیا پتا جی۔ میں تو کسی کو نہیں جانتا۔" شارق بولا۔

"وہ دلاور تھا۔" ہیڈ کانسٹیبل نے کہا۔ "اشتہاری ملزم..... کئی وارداتوں میں پولیس کو مطلو
تھا۔ مجھے تو تم بھی کوئی اشتہاری ملزم ہی لگتے ہو۔ تمہارا چہرہ کچھ جانا پہچانا سا لگتا ہے۔"

"میرا اس آدمی سے کیا تعلق ہو سکتا ہے جی؟" شارق نے جواب دیا۔ "میں تو مزدور آد
ہوں۔ آپ میرے بارے میں معلوم کر لیں جی۔ میں اپنے رشتے داروں کا پتہ بتا دیتا ہوں۔"

ہیڈ کانسٹیبل چند لمحے اسے گھورتا رہا۔ پھر مزید سوالات کرنے لگا۔ شارق کو سمجھنے میں دیر نہ
لگی کہ ہیڈ کانسٹیبل یا تو اسے پہچان گیا تھا یا ان باتوں کے حوالے سے اسے پہچاننے کی کوشش کر
تھا۔ آخر میں ہیڈ کانسٹیبل نے اس کا پتہ دریافت کیا تو اس نے بڑے اطمینان سے باغبانپورہ
اچھے پہلوان کے ٹانگوں کے طویلے کا پتہ بتا دیا۔

نرس بھی ان دونوں پولیس والوں کے ساتھ وارڈ سے باہر چلی گئی۔ اس کی واپسی تقریباً پ

منٹ بعد ہوئی تھی۔ وہ آکر دوبارہ اپنی میز پر بیٹھ گئی۔ کبھی کوئی مریض کراہنے لگتا تو نرس اٹھ کر اس کے پاس چلی جاتی۔

دس بجے وارڈ میں سناٹا چھا گیا۔ وارڈ کے آخری سرے پر مدھم روشنی کا ایک بلب جل رہا تھا جبکہ باقی تمام روشنیاں بجھی ہوئی تھیں۔ بیشتر مریض سو چکے تھے اور جو ابھی تک جاگ رہے تھے' وہ بھی خاموش لیٹے ہوئے تھے۔

نرس اٹھ کر وارڈ سے باہر چلی گئی۔ اس مرتبہ اس کی واپسی آدھے گھنٹے بعد ہوئی تھی۔ وہ کچھ دیر تک اپنی کرسی پر بیٹھی رہی' پھر اٹھ کر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی شارق کے بیڈ کے قریب پہنچ گئی۔ شارق نے اسے اپنی طرف آتے دیکھ کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔

"میں جانتی ہوں تم جاگ رہے ہو۔" وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں بولی۔ "میں تم سے جو بات کرنا چاہتی ہوں' وہ تمہاری ہی بھلائی کے لیے ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ آنکھیں کھول کر میری بات غور سے سنو۔"

"کیا بات ہے سس....."

"سسٹر نہیں' نرس رضیہ..... میرا نام رضیہ ہے۔" نرس نے اس کی بات کاٹ دی۔ "شام کو جب میں ڈیوٹی پر آئی تھی تو مجھے تمہارا چہرہ کچھ جانا پہچانا سا لگا تھا اور پھر آٹھ بجے ان پولیس والوں کی باتوں سے میرے شبے کی تصدیق ہو گئی۔ وہ لوگ تمہیں پہچان گئے ہیں۔ ذرا سا کنفیوژن ہے اور وہ اس سلسلے میں مزید تصدیق کر لینا چاہتے ہیں۔"

"میں سمجھا نہیں' تم کیا کہہ رہی ہو۔" شارق نے اسے گھورا۔

"بننے کی کوشش مت کرو مسٹر شارق۔" نرس رضیہ نے کہا۔ "میں نے ان دونوں پولیس والوں کی باتیں سنی ہیں۔ فرض سے زیادہ ہوس اور لالچ ان پر غالب ہے۔ تمہارے لیے پچاس لاکھ کا انعام مقرر ہے اور وہ دونوں پولیس والے یہ انعام حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر انہیں فرض کا احساس ہوتا تو وہ اپنے افسران کے سامنے تمہارے بارے میں شبے کا اظہار کرتے اور اس صورت میں تم اس وقت پولیس کی حراست میں ہوتے مگر وہ دونوں لالچی ہیں' انعام حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ تمہارے بارے میں تصدیق کر کے تمہیں اپنے طور پر گرفتار کر کے اعلیٰ حکام کے سامنے پیش کریں۔"

شارق کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ اپنے بارے میں غلط بیانی اب اس کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ "تم کیا چاہتی ہو؟"

"تمہاری مدد کرنا چاہتی ہوں۔" نرس رضیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اور اس کے بعد مجھے بلیک میل کرو گی۔ وہ پچاس لاکھ روپے تم حاصل کرنا چاہتی ہو جس کے لیے....."

"مجھے پیسے کی ہوس نہیں ہے۔" نرس رضیہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "میں واقعی تمہاری مدد کرنا چاہتی ہوں۔"

"وہ کیسے؟" شارق نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"تم زیادہ دور تک چل نہیں سکو گے۔" رضیہ نے کہا۔ "لیکن وارڈ کے اس دروازے تک تمہیں جیسے تیسے چل کر جانا ہوگا۔" اس نے وارڈ کے دوسرے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ "میں نے اس دروازے کے دوسری طرف وہیل چیئر رکھ دی ہے۔ اب سے دس منٹ بعد تم دروازے سے نکل کر وہیل چیئر پر بیٹھ جانا۔ میں تمہیں محفوظ جگہ پر پہنچا دوں گی۔"

"دس منٹ بعد۔" شارق بولا۔

"ہاں.....دس منٹ بعد۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "وہ پولیس والے آج ہی رات تمہارے خلاف کچھ نہ کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کسی بھی وقت یہاں آسکتے ہیں۔ اس لیے جتنی بھی جلد ممکن ہو سکے، تم یہاں سے نکل جاؤ۔"

نرس چلی گئی۔ وہ صرف دو منٹ اپنی کرسی پر بیٹھی تھی، پھر اٹھ کر وارڈ سے باہر چلی گئی۔

اس کے جانے کے صرف ایک منٹ بعد شارق اپنی جگہ سے اٹھا اور دونوں پیر نیچے لٹکا لیے۔ اس کے سر کی چوٹ میں بھی تکلیف تھی اور جسم کے دوسرے حصوں میں بھی لیکن اس نے زخمی ٹانگ والا پیر جیسے ہی فرش پر رکھا، اس کے منہ سے کراہ سی نکل گئی۔ اس نے جبڑے بھینچ لیے۔ چند سیکنڈ بعد وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنا تمام بوجھ دوسری ٹانگ پر ڈال رکھا تھا۔

شارق نے ادھر ادھر دیکھا۔ تمام مریض سو رہے تھے۔ کوئی ایک آدھ جاگ بھی رہا ہوگا تو وہ اپنے بیڈ پر خاموش پڑا تھا۔

شارق بیڈ کا سہارا لیتا ہوا آہستہ آہستہ چلتا رہا۔ اسے وارڈ کے دوسرے دروازے تک پہنچنے میں سات آٹھ منٹ لگے تھے۔ اس نے بڑی آہستگی سے دروازے کا کنڈا ہٹایا اور پھر دروازہ کھول کر دوسری طرف نکل گیا۔

اس طرف دروازے کے سامنے ایک مختصر سا برآمدہ تھا اور اس کے سامنے وسیع و عریض لان تھا۔ برآمدے میں ایک وہیل چیئر پڑی ہوئی تھی۔ شارق وہیل چیئر پر بیٹھ ہی رہا تھا کہ رضیہ بھی وہاں پہنچ گئی۔

"جلدی کرو، وقت بہت کم ہے۔" رضیہ نے کہا اور اسے وہیل چیئر پر بیٹھنے میں مدد دینے

وہیل چیئر پر بیٹھتے ہوئے شارق کو ٹانگ میں خاصی تکلیف ہوئی تھی مگر وہ دانت بھینچے ضبط کرتا

رضیہ وہیل چیئر کو دھکیلنے لگی۔ وہ محتاط نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ اگر اسے دیکھ لیا جائے تو شارق کے ساتھ اسے بھی آہنی سلاخوں پیچھے پہنچا دیا جائے گا۔

وہ لان میں سے ہوتی اسپتال کے اس حصے میں پہنچ گئی جہاں اسپتال کے عملے کے رہائشی رٹرز تھے۔ اس طرف سناٹا تھا۔ اس نے کونے والے ایک کوارٹر کے سامنے وہیل چیئر روک لی جیب سے چابی نکال کر دروازے کا تالا کھولنے لگی۔ وہ بڑی احتیاط سے کام کر رہی تھی تاکہ ئی معمولی سی آواز بھی پیدا نہ ہو۔

وہیل چیئر کو اندر لانے کے بعد اس نے دروازہ بند کر دیا۔ شارق متجسس نظروں سے ادھر ر دیکھ رہا تھا۔ مختصر سا صحن تھا۔ دو کمرے تھے جن کے سامنے برآمدہ تھا۔ رضیہ وہیل چیئر کو لیتی ہوئی برآمدے میں لے آئی اور ایک کمرے کا تالا کھولنے لگی۔

وہیل چیئر کو کمرے میں لا کر اس نے دروازہ بند کر دیا اور پھر بتی جلا دی.....کمرہ خاصا کشادہ ۔ایک طرف آرام دہ مسہری بچھی ہوئی تھی۔ اس کے قریب ہی ڈریسنگ ٹیبل تھی جس پر میک پ کا سامان سلیقے سے رکھا ہوا تھا۔ دوسری دیوار کے ساتھ الماری تھی۔ مسہری پر کچھ کپڑے رے ہوئے تھے۔ غالباً ڈیوٹی پر جانے سے پہلے رضیہ نے جو کپڑے بدلے تھے، وہ مسہری پر ہی ا گئی تھی۔ اس نے کپڑے اٹھا کر کرسی پر پھینک دیئے اور شارق کو سہارا دے کر بستر پر لٹا دیا باہر سے پانی کا جگ بھر کر لے آئی۔ اس نے جگ اور گلاس مسہری کے قریب ڈریسنگ ٹیبل پر ھ دیا۔

"میں اپنے وارڈ سے زیادہ دیر تک غیر حاضر نہیں رہ سکتی۔" رضیہ نے اس کی طرف دیکھتے ئے کہا۔ "میں باہر سے دروازہ بند کر کے جا رہی ہوں، تم اطمینان سے سو جاؤ۔ میں صبح سوا سات جے کے قریب آؤں گی۔"

شارق کے کچھ کہنے سے پہلے ہی وہ وہیل چیئر دھکیلتی ہوئی باہر لے گئی۔ اس نے کمرے کا ازہ بند کر دیا۔ شارق نے تالا لگائے جانے کی آواز بھی سنی تھی۔

شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ اب وہ نرس رضیہ کے رحم و کرم پر تھا۔

○

. نرس رضیہ شارق کو مکان میں چھوڑ کر باہر آگئی۔ اس نے باہر والے دروازے کو تالا لگا
اور وہیل چیئر دھکیلتی ہوئی تیزی سے اسپتال کے بلاکس کی طرف بڑھنے لگی۔

وسیع و عریض لان عبور کرنے کے بعد اس نے وہیل چیئر ایک بلاک کے عقب میں چھوڑ
اور رومال سے اس جگہ کو اچھی طرح صاف کر دیا جہاں اس نے ہاتھ رکھے ہوئے تھے۔ وہ ا
سلسلے میں کسی بے احتیاطی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر پولیس کے اعلیٰ
کو اسپتال میں شارق کی موجودگی کی اطلاع مل گئی تو پولیس کی فوج کی فوج اسپتال کی طرف د
پڑے گی اور جب انکشاف ہوگا کہ شارق غائب ہو گیا ہے تو وسیع پیمانے پر انکوائری ہوگی۔ ہو
ہے بلاک کے پیچھے کھڑی اس وہیل چیئر پر بھی کسی کی نظر پڑ جائے اور اسے بھی شامل تفتیش کر
جائے۔ ایسی صورت میں اس پر سے فنگر پرنٹس بھی اٹھائے جائیں گے۔ اس لیے رضیہ
احتیاطاً اپنی انگلیوں کے نشانات صاف کر دیئے تھے۔

رضیہ ایک طویل چکر کاٹ کر ڈیوٹی روم میں آگئی جہاں تین اور نرسیں بیٹھی چائے پی ر
تھیں۔

"بڑی بے شرم ہو تم لوگ' آج میرا انتظار بھی نہیں کیا۔" رضیہ نے ایک کرسی پر بیٹھ
ہوئے کہا۔

"ہم نے انتظار کیا تھا۔ چائے تو وقت پر نکالی تھی۔" شکیلہ نامی نرس نے جواب دیا اور ایک
خالی کپ اور چائے کا تھرماس اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ شکیلہ ہاسٹل میں رہتی تھی اور روز
چائے وہیں سے بنوا کر لاتی تھی۔

رضیہ نے کپ میں چائے انڈیلی اور ہلکی ہلکی چسکیاں لیتے ہوئے ان کی باتوں میں شامل
گئی۔ ان کی گفتگو کا موضوع یا تو زیرعلاج مریض تھے یا نوجوان ڈاکٹرز جو معاشقوں کے سلسلے
خاصے بدنام تھے۔ شکیلہ میڈیکل وارڈ میں تھی جہاں بہت سے صحت مند مریض بھی داخل تھے
ان میں ایک دو تو ایسے تھے جو شکیلہ کے بارے میں خوش فہمی میں مبتلا ہو چکے تھے۔ ان میں ایک
انارکلی میں ایک جنرل اسٹور کا مالک تھا۔ اس کی عمر پینتالیس سال کے لگ بھگ رہی ہوگی۔
تقریباً پندرہ دن سے اسپتال میں داخل تھا۔ اس کے گھر والے اور دیگر رشتہ دار بھی اس سے
کے لیے آتے رہتے تھے اور شکیلہ ان کی باتوں سے جان چکی تھی کہ وہ دو بیویوں کا اکلوتا شوہر
اور اس کی باتوں سے شکیلہ کو یہ اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی تھی کہ وہ اسے اپنی
تیسری بیوی بنانا چاہتا ہے۔

"تمہارے اس مریض کا کیا حال ہے شکیلہ۔" محمودہ نامی نرس نے شکیلہ کی طرف دیکھ

مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "ارے وہی انارکلی والا۔"

"وہ کل ڈسچارج ہو رہا ہے۔" شکیلہ نے جواب دیا۔ "اسے اسپتال سے جانے کا بڑا افسوس ہے۔ ویسے اس نے مجھے اپنی دکان پر آنے کی دعوت دی ہے۔"

"میں بھی چلوں گی تمہارے ساتھ شکیلہ۔" رضیہ نے کہا۔

"ضرور چلنا۔" شکیلہ مسکرائی۔ "تمہیں دیکھ کر وہ مجھے نظرانداز کر دے گا اور مجھے خوشی ہوگی کہ میرے سر سے بلا ٹل گئی۔"

وہ اسی طرح باتیں کرتی رہیں۔ پھر رضیہ کرسی سے اٹھ گئی۔

"میں ذرا وارڈ کا ایک راؤنڈ لگا آؤں۔ ایک نئے مریض نے پریشان کر رکھا ہے۔ ایکسیڈنٹ میں اس کی ٹانگ کی ہڈی کریک ہو گئی ہے اور چوٹیں بھی آئی ہیں مگر وہ آرام سے بیٹھتا ہی نہیں۔ بار بار بیڈ سے اٹھنے کی کوشش کرتا ہے۔"

وہ ڈیوٹی روم سے نکل کر اپنے وارڈ میں آگئی۔ اس نے وارڈ کا ایک راؤنڈ لگایا۔ سب مریض سو رہے تھے۔ وہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی وارڈ سے باہر آگئی اور راہداری سے گھوم کر ڈیوٹی روم کی طرف آگئی۔

"ارے شکیلہ' محمودہ جلدی آؤ۔"

"کیا ہوا؟" محمودہ ایک دم کرسی سے اٹھ گئی۔

"ارے وہ مریض اپنے بیڈ پر نہیں ہے جس کا میں ابھی ذکر کر رہی تھی۔" رضیہ نے کہا۔ اس کے لہجے میں گھبراہٹ بھی شامل تھی۔

"تو پریشان کیوں ہو رہی ہو؟" محمودہ نے کہا۔ "وہ اسپتال میں نہیں رہنا چاہتا ہوگا' چلا گیا۔ اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ ڈاکٹر کو اطلاع کر دو' بس کافی ہے۔"

وہ تینوں ڈیوٹی روم کے دروازے کے سامنے راہداری میں کھڑی تھیں۔ اس دوران دوسری راہداری سے بھاری قدموں کی آواز سنائی دی۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ پانچ چھ آدمی ہیں اور پھر چند سیکنڈ بعد ہی وہ لوگ راہداری کا موڑ گھوم کر سامنے آگئے۔

وہ پولیس والے تھے۔ ان کے ساتھ دو ڈاکٹر بھی تھے۔ پولیس پارٹی کی قیادت ایک ڈی ایس پی کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ پارٹی میں ایک انسپکٹر' دو سب انسپکٹر' ایک ہیڈ کانسٹیبل اور پانچ چھ کانسٹیبل تھے۔ ان سب کے ہاتھوں میں کلاشنکوف رائفلیں تھیں۔

پولیس والوں کو دیکھ کر شکیلہ اور محمودہ پریشان سی ہو گئیں۔ رضیہ کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی لیکن اس نے اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پائے رکھا۔

"کیا ہوا نرس۔ تم لوگ یہاں کیوں کھڑی ہو؟" ڈاکٹر عرفان نے پوچھا۔

"سر۔" رضیہ نے کہا۔ "میرے وارڈ کا ایک مریض غائب ہو گیا ہے۔ اسے آج دن میں ہی ایکسیڈنٹ کیس میں لایا گیا تھا۔"

"اوہ! کونسے مریض کی بات کر رہی ہو؟" ہیڈ کانسٹیبل نے جلدی سے پوچھا۔ یہ وہی حوالدار تھا جو رات آٹھ بجے بھی آیا تھا۔

"وہی جی جس سے پوچھ گچھ کے لیے آپ آئے تھے۔" رضیہ نے جواب دیا۔

"اوہ!" انسپکٹر اچھل پڑا۔ "کتنی دیر ہو گئی۔ یہ کب کی بات ہے؟"

"دس پندرہ منٹ پہلے وہ اپنے بستر پر تھا جی۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "میں چائے پینے کے لیے ڈیوٹی روم میں آئی تھی اور جب واپس گئی تو وہ اپنے بیڈ سے غائب تھا۔"

"تلاش کرو اسے۔" اس مرتبہ ڈی ایس پی چیخا۔ "وہ ابھی اسپتال سے باہر نہیں گیا ہوگا۔ تلاش کرو اسے۔"

ایک سب انسپکٹر وارڈ کی طرف دوڑ گیا جبکہ انسپکٹر دوسروں کو چیخ چیخ کر احکامات دیتا رہا اور پھر خود ایک طرف دوڑتا چلا گیا۔

کانسٹیبل کے ساتھ وارڈ میں آنے والے سب انسپکٹر نے دروازے کے قریب ہی سوئچ بورڈ کے تمام سوئچ آن کر دیئے۔ وارڈ کی تمام بتیاں روشن ہو گئیں۔ بھاگ دوڑ کی آوازیں سن کر سوئے ہوئے مریض جاگ گئے۔ بعض کراہنے لگے تھے۔

سب انسپکٹر نے جھک کر تمام بیڈز کے نیچے جھانکا' پھر کانسٹیبل کو سامنے والے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ کانسٹیبل دوڑتا ہوا دروازے سے باہر نکل گیا۔ سب انسپکٹر وارڈ میں کھڑا گہری نظروں سے مریضوں کو دیکھ رہا تھا۔ بعض مریض ایسے تھے جو ابھی تک سوئے ہوئے تھے اور انہوں نے چادریں اس طرح اوڑھ رکھی تھیں کہ چہرے بھی چھپ گئے تھے۔ سب انسپکٹر ایک ایک مریض کے پاس جا کر ان کے اوپر سے چادریں کھینچنے لگا۔ اسی دوران رضیہ بھی وارڈ میں آگئی۔ سب انسپکٹر کی حرکات دیکھ کر وہ دوڑتی ہوئی اس کے قریب پہنچ گئی۔

"یہ..... یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ مریضوں کو اس طرح پریشان کیوں کیا جا رہا ہے؟"

لیکن سب انسپکٹر اس کے احتجاج کی پروا کیے بغیر مریضوں پر سے چادریں کھینچتا رہا۔ اس نے مریضوں کے احتجاج کی بھی پروا نہیں کی تھی۔ اس دوران ڈی ایس پی بھی ڈاکٹر عرفان کے ساتھ وارڈ میں آگیا۔ رضیہ نے سب انسپکٹر کے رویے کا ڈی ایس پی سے احتجاج کیا تو وہ اسے گھورتے ہوئے بولا۔

"چادریں کھینچ لینے سے کوئی مریض مر نہیں جائے گا لیکن کیا تمہیں معلوم ہے کہ جو مریض غائب ہوا ہے' وہ کون ہے؟"

"ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں کہ وہ کون ہے۔ ہمارے لیے وہ مریض ہے اور یہ سب بھی مریض ہیں۔ ان کے ساتھ زیادتی میں برداشت نہیں کر سکتی۔ میں افسران اعلیٰ سے شکایت کروں گی۔ آخر آپ کو کیا حق پہنچتا ہے کہ مریضوں کو آدھی رات کے وقت اس طرح پریشان کریں۔"

"پہلے ہمیں اپنا اطمینان کر لینے دو۔ اس کے بعد تم شکایت کر لینا۔" ڈی ایس پی نے کہا۔ اس پر رضیہ کی دھمکی کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ وہ ڈاکٹر کے ساتھ ڈیوٹی روم میں آگیا اور فون کا ریسیور اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اس نے پولیس کی مزید نفری طلب کی تھی۔ اس نے جیسے ہی فون بند کیا' رضیہ نے ریسیور اٹھا لیا اور میڈیکل سپرنٹنڈنٹ کے گھر کا نمبر ملانے لگی۔ لائن ملنے پر اس نے ایم ایس کو صورتحال سے آگاہ کر دیا اور گھورتی ہوئی نظروں سے ڈی ایس پی کی طرف دیکھتی ہوئی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

"ایک منٹ نرس۔" ڈی ایس پی نے اسے روک لیا۔ "مجھے یہ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ تم ایک ذمہ دار اور فرض شناس نرس ہو لیکن تمہارا جو مریض یہاں سے فرار ہوا ہے' وہ انتہائی خطرناک مجرم شارق ہے۔"

"شارق۔" رضیہ کے لہجے میں حیرت تھی۔ "لیکن اس کے بارے میں تو یہ خبر چھپی تھی کہ وہ گلبرگ کی ایک کوٹھی میں آگ لگنے سے جل کر راکھ ہو چکا ہے۔"

"وہ خبر غلط تھی۔" ڈی ایس پی نے کہا۔ "اب تصدیق ہو گئی ہے کہ شارق اور اس کی دوست ثمینہ زندہ ہے۔ تمہارے اس مریض نے اپنے جس رشتہ دار کا ایڈریس بتایا تھا' وہ غلط نکلا اور پھر یہ تصدیق بھی ہو گئی ہے کہ وہ سڑک پار نہیں کر رہا تھا بلکہ اسی ٹیکسی میں تھا جو حادثے کا شکار ہوئی تھی۔ اس نے چلتی ٹیکسی سے چھلانگ لگائی تھی۔ اس کے ساتھ ٹیکسی میں دلاور نامی دوسرا آدمی بھی کئی وارداتوں میں پولیس کو مطلوب تھا۔ وہ دونوں اسی ٹیکسی میں تھے۔ ہمارے پاس کم از کم تین ایسے گواہ موجود ہیں جنہوں نے شارق کو ٹیکسی سے چھلانگ لگاتے دیکھا تھا اور اس کے بعد ٹیکسی حادثے کا شکار ہو گئی تھی۔ بہرحال مریضوں کو ڈسٹرب کیے جانے کا مجھے افسوس ہے اور تمہاری فرض شناسی پر خوشی ہوئی۔"

"میں نے اپنا یہ فرض بھی پورا کر دیا ہے کہ ایم ایس کو اس واقعے سے آگاہ کر دیا ہے۔ وہ کچھ دیر میں یہاں پہنچنے والے ہیں۔" رضیہ نے جواب دیا۔

"میں نے تمہیں بات کرتے ہوئے سن لیا تھا۔ ہم اس معاملے کو سنبھال لیں گے۔" ڈی ایس

پی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

رضیہ جواب دیئے بغیر پیر پٹختی ہوئی ڈیوٹی روم سے باہر آگئی۔ جب وہ اپنے وارڈ میں پہنچی تو سب انسپکٹر جا چکا تھا البتہ ایک مسلح کانسٹیبل وارڈ کے دروازے پر کھڑا تھا۔

"تم یہاں کیوں کھڑے ہو' چلو بھاگو یہاں سے۔" رضیہ نے اسے ڈانٹ دیا۔

کانسٹیبل گڑبڑا کر دروازے سے دور ہو گیا۔ رضیہ وارڈ میں داخل ہوئی تو عجیب صورتحال تھی۔ بہت سے مریض کراہ رہے تھے۔ رضیہ ایک ایک مریض کے پاس جا کر اسے تسلی دینے لگی۔

پورے اسپتال میں کھلبلی سی مچ گئی تھی۔ لگتا تھا جیسے پولیس کی پوری پلٹن نے حملہ کردیا ہو۔ ہر طرف سے بھاگ دوڑ اور سیٹیوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

رضیہ نے اب اپنے آپ پر پوری طرح قابو پا لیا تھا۔ وہ دل ہی دل میں مسکرا رہی تھی لیکن وہ یہ بھی سوچ رہی تھی کہ اگر پولیس کو اس پر معمولی سا بھی شبہ ہو گیا تو اس کا بچنا مشکل ہو جائے گا۔

تقریباً تین گھنٹوں تک پورے اسپتال میں ایک ہنگامہ سا جاری رہا۔ پولیس نہ صرف مشکوک جگہوں بلکہ وارڈ کی بھی تلاشی لے رہی تھی۔ جو مریض سو رہے تھے' ان کے اوپر سے چادریں کھینچ دی گئی تھیں۔ یہاں تک کہ پولیس والے خواتین کے وارڈ میں بھی دندناتے ہوئے گھس گئے تھے۔ اس وقت ایم ایس بھی اسپتال میں پہنچ چکا تھا۔ پولیس والوں کے اس رویئے پر اس نے بھی ڈی ایس پی سے احتجاج کیا تھا لیکن اس کے احتجاج کی کوئی پروا نہیں کی گئی تھی۔

صبح چار بجے تک اسپتال کی حدود میں شارق کی تلاش جاری رہی لیکن اسے نہ ملنا تھا' نہ ملا اور بالآخر چند مسلح پولیس والوں کو اسپتال میں چھوڑ دیا گیا اور باقی فورس واپس چلی گئی۔

رضیہ کچھ دیر اپنے وارڈ میں رہی' پھر ڈیوٹی روم میں آگئی۔ ایم ایس نے اسپتال کے بعد ذمہ دار ڈاکٹروں کو ان کے گھروں سے بلا لیا تھا اور ایم ایس کے دفتر میں ان کی میٹنگ ہو رہی تھی۔

رضیہ کچھ دیر ڈیوٹی روم میں بیٹھی دوسری نرسوں کے ساتھ صورتحال پر تبصرہ کرتی رہی' پھر اپنے وارڈ میں آگئی۔ ایک دو مریض ابھی تک جاگ رہے تھے اور تکلیف سے کراہ رہے تھے۔ رضیہ نے انہیں ایک ایک خواب آور گولی کھلا دی اور اپنی کرسی پر آکر بیٹھ گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ میز پر رکھ دیئے اور اپنا سر ہاتھوں پر ٹکا دیا اور کچھ ہی دیر بعد وہ اسی طرح بیٹھے بیٹھے سو گئی۔

○

نرس رضیہ کے جانے کے بعد شارق بے حس و حرکت بستر پر پڑا رہا۔ رضیہ نے جاتے ہوئے

کمرے کی بتی بجھا دی تھی البتہ مسہری کے عقب میں واقع کھڑکی کھول دی تھی تاکہ تازہ ہوا بھی اندر آتی رہے۔ کھڑکی کے سامنے پردہ پڑا ہوا تھا۔ کمرے کے دروازے کو باہر سے تالا لگا دیا گیا تھا

اور شارق سوچ رہا تھا کہ اب وہ رضیہ کے رحم و کرم پر ہے۔ وہ چاہے تو اسے بڑی آسانی سے گرفتار کرا سکتی ہے۔ کمرے کو باہر سے تالا لگا ہوا تھا اور کھڑکی میں بھی لوہے کی موٹی موٹی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ سامنے والی دیوار میں اوپر ایک روشندان بھی نظر آرہا تھا لیکن اس روشندان سے نکلنا ممکن نہیں تھا۔

شارق رضیہ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ کون تھی؟ اگر اس نے اسے پہچان لیا تھا تو اس سے خوفزدہ ہونے کے بجائے اس کی مدد کرنے پر آمادہ کیوں ہو گئی تھی؟ لیکن کیا وہ واقعی اس کی مدد کرنا چاہتی تھی یا اسے اپنے قبضے میں کرنے کے لیے یہاں لے آئی تھی۔ ٹانگ کی ہڈی کریک ہونے کی وجہ سے شارق اس وقت بھاگ نہیں سکتا تھا۔ وہ پچاس لاکھ روپے کا ہیرے چیک تھا جسے کسی بھی وقت حکومت کے سامنے پیش کرکے کیش کرایا جا سکتا تھا۔ کیا رضیہ یہ چیک کیش کرانا چاہتی تھی؟

شارق یہی سب کچھ سوچتا رہا۔ اگر رضیہ کے دل میں کوئی بدنیتی نہیں تھی اور وہ واقعی اس کی مدد کرنا چاہتی تھی تو کیوں؟ وہ جان چکی تھی کہ شارق ایک خطرناک مجرم ہے۔ حکومت کی طرف سے اس کی گرفتاری کے لیے اخبارات میں اشتہار دیئے جا رہے تھے اور ان اشتہاروں میں یہ بھی صاف طور پر لکھا ہوا تھا کہ شارق کو پناہ دینے والے کو بھی شریکِ جرم سمجھا جائے گا اور سخت ترین سزا دی جائے گی لیکن اس کے باوجود رضیہ اس کی مدد کیوں کرنا چاہتی تھی؟ اس نے اپنی جان خطرے میں کیوں ڈالی تھی؟ اگر پولیس کو کسی طرح یہ شبہ بھی ہو گیا کہ شارق کے فرار ہونے میں رضیہ کا ہاتھ ہے تو پہلے رضیہ ہی کو پکڑا جائے گا۔

شارق یہی سب کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس کے ذہن میں ثمینہ وغیرہ کا خیال ابھر آیا۔ وہ کہہ کر آیا تھا کہ دو تین گھنٹوں میں واپس آجائے گا لیکن اسے گھر سے نکلے ہوئے چودہ پندرہ گھنٹے ہو چکے تھے۔ وہ لوگ یقیناً پریشان ہو رہے ہوں گے۔

وقت دھیرے دھیرے گزر رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی شارق کا ذہن بھی الجھتا جا رہا تھا۔ اسے سب سے زیادہ الجھن رضیہ کے بارے میں تھی۔

ہر طرف سناٹا تھا۔ اس سناٹے میں ہلکی سی ٹک ٹک کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ شارق کو اندازہ لگانے میں دشواری پیش نہیں آئی کہ اس کمرے میں کوئی وال کلاک بھی موجود تھا لیکن تاریکی کے باعث وہ اس وال کلاک کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔

سر کے زخم اور ٹانگ کی تکلیف کی وجہ سے شارق بے چین ہو رہا تھا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی بے چینی بھی بڑھ رہی تھی۔ وہ جبڑے بھینچے تکلیف ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اگر وارڈ میں ہوتا تو اسے درد دور کرنے کی کوئی دوا مل سکتی تھی لیکن اس بند گھر میں اس کے لیے کچھ نہیں تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد ٹانگ کا درد کم ہونے لگا۔ تکلیف کم ہوئی تو شارق کو اونگھ آنے لگی۔ وہ جاگتے رہنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن نیند غالب آگئی اور اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

اور پھر شور کی آواز سن کر شارق ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔ بھاگ دوڑ اور پولیس کی سیٹیوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ پولیس نے اسپتال پر چھاپہ مارا تھا اور اس کے فرار کا پتہ چل گیا تھا۔ پولیس اسے پورے اسپتال میں تلاش کرتی پھر رہی تھی۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا۔ پچھلی کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ وہ بڑی مشکل سے اپنے آپ کو گھسیٹتا ہوا اٹھ گیا۔ مسہری کی پشت دیوار سے ملی ہوئی تھی۔ وہ اپنے آپ کو کھینچتا ہوا مسہری کے کنارے پر آگیا اور ہاتھ بڑھا کر کھڑکی بند کر دی۔ اس کے ٹھیک پانچ منٹ بعد شارق کو کوارٹروں کے آس پاس بھی شور کی آوازیں سنائی دینے لگی۔ پولیس والے رہائشی کوارٹروں کی بھی تلاشی لے رہے تھے۔ لوگوں کے احتجاج کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

شارق کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ پولیس والے بہت قریب پہنچ گئے تھے۔ کوارٹر کے سامنے سے ان کے چیخنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

"یہ کس کا کوارٹر ہے؟" ایک گونجتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ایک نرس کا ہے جی۔ وہ ڈیوٹی پر ہے' صبح آئے گی۔" ایک آدمی نے جواب دیا۔

"اس کے ساتھ اور کون رہتا ہے؟" پولیس والے نے پوچھا۔

"کوئی نہیں جی' وہ اکیلی ہے۔ کوارٹر کو تالا لگا ہوا ہے۔" اس آدمی نے جواب دیا۔ "لیکن آپ ہمارے کوارٹروں کی تلاشی کیوں لے رہے ہیں جی؟ کیا آپ کا خیال ہے کہ اسپتال سے بھاگنے والے مجرم کو ہم میں سے کسی نے پناہ دی ہوگی؟"

"چپ کر اوئے۔" پولیس والے نے کڑکتے ہوئے جواب دیا۔ "اگر زیادہ شور مچایا تو تم ہی کو لے جا کر بند کر دوں گا۔"

لوگ خاموش ہو گئے۔ پولیس والوں کی آوازیں تقریباً آدھے گھنٹے تک سنائی دیتی رہیں اور پھر خاموشی چھا گئی۔ شارق نے اطمینان کا سانس لیا اور بستر پر لیٹ کر رضیہ کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس وارڈ میں رضیہ کی ڈیوٹی تھی اور پولیس رضیہ سے یہ ضرور پوچھے گی کہ جب مریض وارڈ سے

غائب ہوا تھا تو وہ کہاں تھی؟ اس طرح رضیہ شک کی زد میں آسکتی تھی اور پولیس کو جس پر شبہ ہو' اس کی زبان کھلوانے میں انہیں زیادہ دیر نہیں لگتی۔

شارق جاگتا رہا۔ صبح چار بجے تک مختلف سمتوں سے آوازیں آتی رہیں اور پھر خاموشی چھا گئی۔ شارق کو اندیشہ تھا کہ اگر رضیہ پکڑی گئی تو پولیس کسی بھی وقت یہاں پہنچ سکتی ہے۔ وہ جاگتے رہنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن نیند نے اسے مغلوب کر لیا اور اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

شارق کی آنکھ کھلی تو کمرے میں دن کی ہلکی سی روشنی تھی اور یہ روشنی اوپر والے روشندان سے آرہی تھی۔ سامنے والی دیوار پر لگی ہوئی گھڑی نو بجے کا وقت بتا رہی تھی۔ اس نے گردن گھما کر ادھر ادھر دیکھا اور پھر چونکے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ مسہری کے قریب ہی فرش پر بچھی ہوئی دری پر رضیہ سو رہی تھی۔

شارق کو پتا نہیں چل سکا تھا کہ وہ کس وقت آئی تھی۔ اس نے اسے جگایا نہیں تھا اور کپڑے بدل کر دری پر ہی سو گئی تھی۔ شارق اپنے آپ کو گھسیٹ کر مسہری کے کنارے پر آگیا اور رضیہ کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ بالکل سیدھی لیٹی ہوئی تھی۔ ایک ہاتھ پیٹ پر رکھا ہوا تھا اور دوسرا پہلو میں پھیلا ہوا تھا۔ رضیہ کے کچھ بال چہرے پر بکھرے ہوئے تھے اور اس میں شبہ نہیں کہ وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔

شارق رضیہ کو دیکھ رہا تھا کہ باہر والے دروازے پر دستک کی آواز ابھری۔ وہ چونک گیا۔ کچھ دیر بعد آواز دوبارہ سنائی دی۔ اس مرتبہ زور سے دستک دی گئی تھی۔ شارق نے رضیہ کی طرف دیکھا' وہ گہری نیند میں تھی اور اس نے آواز نہیں سنی تھی۔ شارق نے اپنی صحیح ٹانگ مسہری سے نیچے لٹکائی اور پیر سے رضیہ کا کندھا ہلانے لگا۔ اس دوران دستک کی آواز تیسری مرتبہ سنائی دی تھی۔ شارق نے رضیہ کے کندھے کو زور سے ہلایا۔ رضیہ ہڑبڑا کر اٹھ گئی۔

"کیا ہے..... کیا ہوا..... کون ہو تم؟" وہ گہری نیند سے اٹھائے جانے پر بدحواس سی ہو گئی تھی۔

"حواس پر قابو رکھو۔" شارق سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "باہر کوئی آیا ہے۔ دروازے پر دستک ہو رہی ہے۔"

"اوہ!" رضیہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے شارق کی دیکھتے ہوئے بکھرے ہوئے بالوں کا جوڑا بنا لیا۔ "کون ہے باہر؟"

"پتہ نہیں۔ جا کر دیکھو اور اپنے حواس پر قابو رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہاری باتوں سے یہاں میری موجودگی کا راز کھل جائے۔" شارق بولا۔

"اب میں ہوش میں آگئی ہوں۔ تم فکر مت کرو۔" رضیہ مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس نے دروازہ بھیڑ دیا تھا۔

اس کے جاتے ہی شارق اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور بڑی مشکل سے لنگڑاتا ہوا چل کر دروازے کے پیچھے دیوار کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ اگر پولیس والے اس کی تلاش میں یہاں آئے تو پکڑے جانے سے پہلے ایک آدھ کو تو ختم کر ہی دے گا۔

دو منٹ گزر گئے لیکن کوئی اندر نہیں آیا۔ البتہ باہر سے باتوں کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔ رضیہ کسی سے باتیں کر رہی تھی۔ دوسری آواز کسی مرد کی تھی۔

رضیہ تقریباً دس منٹ تک دروازے میں کھڑکی کسی سے باتیں کرتی رہی۔ پھر اس نے دروازہ دھڑ سے بند کر دیا۔ شارق کمرے کے دروازے کے پیچھے دیوار سے چپکا کھڑا رہا۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور رضیہ اندر آگئی لیکن دوسرے ہی قدم پر وہ ٹھٹک کر رک گئی۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو شارق کو دروازے کے پیچھے کھڑے پا کر اس کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔

"اوہ! میں تو پریشان ہو گئی تھی کہ تم کہاں غائب ہو گئے۔" وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "چلو' بیڈ پر لیٹو۔ اس طرح چلنا پھرنا تمہارے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ تمہیں چند روز تک تو حرکت بھی نہیں کرنی چاہیے۔" اس نے آگے بڑھ کر شارق کو سہارا دیا اور اسے دوبارہ بستر پر لٹا دیا۔

"میں رات بھر کی جاگی ہوئی تھی' آتے ہی سو گئی۔ مجھے یہ خیال بھی نہ رہا کہ تمہیں ناشتہ بھی کروانا ہے۔" رضیہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "لیکن جب میں اس کمرے میں آئی تو تم گہری نیند سو رہے تھے۔ میں نے تمہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا تھا۔"

"میں بھی صبح پانچ بجے کے بعد ہی سویا تھا۔" شارق نے جواب دیا۔ "رات بھر اسپتال میں خاصا ہنگامہ رہا۔ پولیس نے رہائشی کوارٹروں کی تلاشی بھی لی تھی۔"

"ہاں۔ مجھے رات ہی کو پتہ چل گیا تھا کہ پولیس نے کوارٹروں کی بھی تلاشی لی تھی۔ میں تمہیں تفصیل سے سب کچھ بتاؤں گی لیکن پہلے ناشتہ تیار کر لوں۔ تمہیں بھوک لگ رہی ہوگی اور میں نے بھی ابھی تک کچھ نہیں کھایا۔" رضیہ نے کہا۔

"ابھی کون آیا تھا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"پڑوسن کا شوہر۔" رضیہ نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میری پڑوسن عارفہ بھی نرس ہے اور دن کی ڈیوٹی کر رہی ہے۔ اس کا شوہر رفیق اپنے آپ کو گلفام سمجھتا ہے اور میرے بارے میں خوش فہمی میں مبتلا ہے۔ ابھی اس لیے آیا تھا کہ میرے پاس بیٹھ کر کچھ گپ

شپ کرے گا لیکن میں نے اسے بھگا دیا کہ رات کی ڈیوٹی کر کے آئی ہوں' اب سونا چاہتی ہوں۔ عجیب آدمی ہے۔ اپنی بیوی کو چھوڑ کر دوسری عورتوں کے پیچھے کتوں کی طرح دم ہلاتا پھرتا ہے۔ حالانکہ اس کی بیوی اس اسپتال کی سب سے خوبصورت نرس ہے۔ واقعی بہت حسین ہے۔"

"تم سے بھی زیادہ؟" شارق بولا۔

"اوہ؟" رضیہ نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ "کہیں تم بھی اپنی بیوی سے..... میرا مطلب ہے' اپنی دوست ثمینہ سے اکتا تو نہیں گئے؟"

"اوہ؟" شارق کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "تو تم ثمینہ کے بارے میں بھی جانتی ہو؟"

"بہت اچھی طرح۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "ویسے بھی اخبارات میں تم دونوں کا نام ساتھ ساتھ ہی چھپتا ہے۔ بہرحال' باتیں بعد میں ہوں گی۔ پہلے ناشتہ تیار کر لوں۔ تمہیں دوائیں بھی دینی ہیں۔ میں اسپتال سے تمہارے لیے دوائیں لے آئی ہوں۔"

رضیہ کمرے سے نکل گئی۔ اس نے دروازہ بھیڑ دیا تھا۔ شارق مسہری پر لیٹا رہا۔ رضیہ تقریباً پون گھنٹہ بعد کمرے میں آئی تھی۔ اس نے ہاتھ میں اٹھائی ہوئی ٹرے ایک چھوٹی میز پر رکھ دی اور میز کو اٹھا کر مسہری کے قریب کر دیا اور ایک کرسی بھی قریب کر لی۔

شارق اپنے آپ کو کھینچ کر مسہری کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس نے ٹرے کی طرف دیکھا۔ ایک پلیٹ میں پراٹھے تھے اور دو پلیٹوں میں فرائی انڈے۔ دو کپوں میں چائے بھی تھی۔

"خود کھا لو گے یا میں اپنے ہاتھ سے کھلاؤں؟" رضیہ نے پوچھا۔

"میں خود ہی کھا لوں گا لیکن پہلے کلی کرنا چاہتا ہوں۔" شارق بولا۔ رضیہ نے اٹھ کر اسے کلی کروائی اور ایک پلیٹ میں پراٹھا رکھ کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ ساتھ ہی انڈے کی پلیٹ بھی رکھ دی تھی۔ وہ دونوں ناشتہ کرنے لگے۔

"ہاں..... اب ذرا تفصیل سے بتاؤ' رات کو اسپتال میں کیا ہوا تھا۔" شارق نے ایک نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔ "میں تمہارے بارے میں پریشان تھا کہ اگر پولیس کو شبہ ہو گیا تو تم بھی نہیں بچو گی۔"

"پولیس کو مجھ پر شبہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔" رضیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "تمہیں یہاں چھوڑنے کے بعد میں نے وہیل چیئر دور کسی دوسرے بلاک کے پیچھے چھوڑ دی تھی۔ پھر اپنے وارڈ کا چکر لگاتی ہوئی ڈیوٹی روم میں چلی گئی۔ اس کے بعد پھر اپنے وارڈ میں آئی اور باہر نکل کر شور مچا دیا کہ میرے وارڈ کا ایک مریض غائب ہو گیا ہے اور ٹھیک اسی وقت ڈی ایس پی کی نگرانی میں ایک پولیس پارٹی تمہیں گرفتار کرنے کے لیے پہنچ گئی اور جب انہیں پتا چلا کہ تم غائب

ہو گئے ہو تو ایک ہنگامہ اٹھ کھڑا ہوا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی اور پھر تفصیل سے سب کچھ بتانے لگی۔ "میں نے بھی پولیس کے خلاف ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا تھا۔ رات کو میڈیکل سپرنٹنڈنٹ نے اسپتال کے سینئر ڈاکٹروں کے ساتھ میٹنگ میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ وزیر صحت اور دیگر متعلقہ محکموں کو اس صورتحال سے آگاہ کیا جائے اور پولیس کے اس رویئے کے خلاف کارروائی کا مطالبہ کیا جائے۔"

"لیکن اگر پولیس کو تم پر شبہ ہو جاتا تو جانتی ہو کیا ہوتا؟" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جانتی ہوں۔" رضیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "لیکن اس کی پروا کون کرتا ہے۔"

"لیکن ایک بات بتاؤ۔" شارق اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولا۔ "تم نے اگر مجھے پہچان لیا تھا تو اپنی جان خطرے میں ڈال کر میری مدد کیوں کی؟"

"اگر میں تمہاری مدد نہ کرتی تو اس وقت تم پولیس کی حراست میں ہوتے۔" رضیہ نے جواب دیا۔

"وہ میں جانتا ہوں اور اس کے لیے میں تمہارا بہت احسان مند ہوں۔" شارق نے جواب دیا۔ "لیکن تم نے مجھے کیسے پہچانا جبکہ پولیس والے اس وقت تک مجھے نہیں پہچان سکے تھے۔"

"اگر میں ان دو پولیس والوں کی جو تمہارے بارے میں جاننے کے لیے آٹھ بجے کے قریب آئے تھے' باتیں نہ سن لیتی تو مجھے تمہاری اصلیت کا پتہ نہ چلتا۔" رضیہ نے ایک سیکنڈ کی خاموشی کے بعد بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں یاد ہوگا کہ میں ان پولیس والوں کے ساتھ ہی وارڈ سے باہر گئی تھی۔ وہ دونوں رازدارانہ لہجے میں باتیں کر رہے تھے۔ ایک نے کہا تھا کہ تم شارق ہی ہو لیکن اس پتے سے تصدیق کر لینی چاہیے جو تم نے انہیں بتایا تھا۔ وارڈ میں واپس آکر میں نے تمہارے چہرے کو غور سے دیکھا تھا۔ تمہاری تصویر اخباروں میں چھپتی رہی ہے۔ سرسری طور پر دیکھنے سے تمہیں شناخت نہیں کیا جا سکتا لیکن غور سے دیکھنے پر میں نے تمہیں پہچان لیا اور میں نے تمہاری مدد کرنے کا فیصلہ کر لیا۔"

"کیوں.....؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں تمہارے بارے میں سب کچھ اخباروں میں پڑھ چکی ہوں۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "تم تو شریف آدمی تھے۔ شرافت کی زندگی بسر کرنا چاہتے تھے لیکن ان پولیس والوں نے ہی تمہیں مجرمانہ راستہ اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ میں تمہیں مجرم نہیں' مظلوم سمجھتی ہوں۔ اس لیے میں نے اپنی پروا نہ کرتے ہوئے تمہاری مدد کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔"

"لیکن تم کون ہو؟ اپنے بارے میں کچھ بتانا پسند کرو گی۔" شارق نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کچھ دیر پہلے تم نے کہا تھا کہ ثمینہ کو اچھی طرح جانتی ہو۔ کیا واقعی اسے جانتی ہو یا اس کے بارے میں بھی صرف اخباروں ہی میں پڑھا ہے۔"

"میں نے اس کے ساتھ پڑھا ہے۔" رضیہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"کیا.....؟" شارق چونک گیا۔

"میں ثمینہ کو ذاتی طور پر جانتی ہوں۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "میرے والد بھی سرکاری ملازم ہیں اور چوہدری کوارٹرز میں رہتے ہیں۔ ثمینہ کے گھر سے ہمارے قریبی تعلقات ہیں۔ ہم انٹر تک ایک ہی کلاس میں تھیں۔ پھر انٹر کرنے کے بعد میں نے نرسنگ میں داخلہ لے لیا اور ثمینہ اسی کالج میں پڑھتی رہی۔ وہ میری بڑی اچھی دوست ہے۔ اس نے ایم اے کرنے کے بعد لیکچرر شپ اختیار کر لی۔ وہ بہت اچھی اور بہت شریف لڑکی تھی۔ پھر جب وہ فیصل آباد میں تھی تو کچھ ہی عرصہ بعد اس کے بارے میں عجیب سی باتیں سننے میں آئیں۔ میں نے بالکل یقین نہیں کیا تھا کہ ایسا ہو سکتا ہے لیکن بعد میں جو حقیقت سامنے آئی' اسے جھٹلانا ممکن نہیں تھا اور پھر اخباروں میں اس کا اور تمہارا نام آنے لگا۔ عام محفلوں میں تم دونوں کے بارے میں لوک کہانیوں کے سے انداز میں باتیں ہونے لگیں۔ عام لوگوں کو تم سے ہمدردی تھی جبکہ پولیس اور ماجھا گجر جیسے لوگوں کے لیے تم دونوں کے نام دہشت کی علامت بن گئے تھے۔ رات کو جب میں نے تمہیں دیکھا اور پولیس والوں کی باتیں سننے کے بعد تمہیں شناخت کر لیا تو میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ چاہے میری جان چلی جائے مگر تمہیں بچاؤں گی۔"

"لگتا ہے تم بھی چوٹ کھائی ہوئی ہو۔" شارق نے کہا۔ اس نے سامنے رکھی ہوئی دونوں پلیٹیں ہٹا دیں اور چائے کا کپ اٹھا لیا۔ "ایک چوٹ کھائے ہوئے شخص کو ہی مجھ جیسے شخص سے ہمدردی ہو سکتی ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہو تم۔" رضیہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "میں واقعی چوٹ کھائی ہوئی ہوں۔"

"اپنے بارے میں کچھ اور بتانا پسند کرو گی؟" شارق بولا۔

"کیوں نہیں۔ اس طرح دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔" رضیہ نے جواب دیا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "جب میں نے نرسنگ میں داخلہ لیا تو اس وقت میری عمر بیس سال تھی۔ مجھے اس اسپتال میں کام کرتے ہوئے تقریباً سات سال ہو چکے ہیں۔ تین سال پہلے میری شادی ہوئی تھی۔ سلیمان ہمارا دور کا رشتے دار تھا اور پولیس میں سب انسپکٹر

تھا۔ وہ بہت ظالم اور جابر آدمی تھا۔ انتہائی بداخلاق اور بدتمیز۔ وہ ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں رہنے والا تھا لیکن لاہور میں وہ اکیلا ہی تھا۔ اس نے گریجویشن یہیں سے کیا تھا اور یہیں پر پولیس میں اسسٹنٹ سب انسپکٹر کے طور پر بھرتی ہوا تھا۔ سروس کے ایک سال بعد اس نے ایک بڑے مجرم کو دھوکے سے گرفتار کیا تھا جس پر اسے ترقی دے کر سب انسپکٹر بنا دیا گیا تھا۔ اس کی بداخلاقی اور بدتمیزی کی وجہ سے اس کے گاؤں کے رشتے داروں نے اس سے ملنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ بہت راشی آفیسر تھا۔ سب انسپکٹری اور دولت کے غرور میں وہ خود بھی اپنے رشتہ داروں سے ملنا پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کے ماں باپ مر چکے تھے۔ ایک بڑا بھائی تھا جس کی غربت کی وجہ سے سلیمان نے اسے بھلا دیا تھا۔

سلیمان نے رشوت کی دولت جمع کر کے گھوڑے شاہ روڈ پر زمین خرید کر اس پر مکان بنوالیا۔ دراصل اس نے دو دو کنال کے تین پلاٹ خریدے تھے۔ درمیان والے پلاٹ پر دو منزلہ مکان بنوایا اور باقی دو پلاٹوں کو لان میں تبدیل کر دیا۔

ایک روز وہ میرے والد صاحب سے ملنے ہمارے گھر آیا تھا۔ اس نے مجھے دیکھ لیا اور اس کے چند روز بعد میرے والد کو مجبور کرنے لگا کہ شادی اس کے ساتھ کر دی جائے۔ پولیس کی دھونس دینے کے علاوہ اس نے والد کو کچھ سبز باغ بھی دکھائے تھے اور وعدہ کیا تھا کہ شادی سے پہلے وہ مکان میرے نام کر دے گا۔

ڈیڈی راضی ہو گئے۔ اس نے مکان میرے نام ٹرانسفر کر دیا اور اس کے چند روز بعد شادی ہو گئی۔ میری شادی کے بعد ایک سال تک وہ زندہ رہا اور یہ ایک سال مجھ پر قیامت بن کر گزرا۔ وہ مجھے روزانہ مارتا پیٹتا۔ مجھے مجبور کرتا کہ میں نیم عریاں لباس پہن کر اس کے دوستوں کو شراب پلاؤں۔ وہ آوارہ عورتوں کو گھر میں لاتا اور اپنے دوستوں کے ساتھ داد عیش دیتا اور مجھے مجبور کرتا کہ میں ان کی محفلوں میں موجود رہوں اور اپنے ہاتھوں سے اس کے دوستوں کو شراب پلاتی رہوں۔

میرے والدین اس صورتحال سے بے حد پریشان تھے۔ وہ ایک مرتبہ مجھے گھر لے گئے تو سلیمان سے طلاق کا مطالبہ کر دیا لیکن سلیمان مجھے زبردستی اٹھا کر اپنے گھر لے آیا اور میرے والدین کو دھمکی دی کہ اگر اس کے خلاف زبان کھولی گئی تو ہم سب کا حشر برا ہوگا۔

میری شادی کو ایک سال ہو چکا تھا۔ میں خاموشی سے سب کچھ برداشت کرتی رہی پھر ایک روز مجھے یہ اطلاع ملی کہ سلیمان ڈاکوؤں کے ساتھ مقابلے میں مارا گیا ہے۔ شوہر کی موت پر مجھے سوگ منانا چاہیے تھا لیکن میں بہت خوش ہوئی۔ مجھے کوئی دکھ نہیں ہوا۔ مجھے اس دجال سے

نجات مل گئی تھی' میں آزاد ہو گئی تھی۔"

رضیہ کچھ دیر کو خاموش ہوئی' پھر اس نے اچانک ہی اپنی قمیض اتار دی۔

"یہ دیکھو.... میرے جسم پر یہ نشان دیکھ رہے ہو۔" وہ بولی۔ "یہ سارے نشان سلیمان کے ظلم و تشدد کی نشانیاں ہیں۔ وہ روزانہ مجھے اپنے دوستوں اور آوارہ عورتوں کے سامنے پیٹا کرتا تھا۔"

"واقعی بہت ظالم تھا وہ۔" شارق بولا۔

رضیہ نے قمیض پہن لی اور بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"سلیمان کی موت کے بعد میں اتنے بڑے مکان میں اکیلی نہیں رہ سکتی تھی۔ میں نے وہ مکان کرائے پر دے دیا اور اپنے والدین کے گھر آ گئی لیکن وہاں بھی زیادہ عرصہ نہیں رہ سکی۔ بہن بھائیوں کے جھگڑوں کی وجہ سے وہاں بھی میرا جینا حرام ہو گیا تھا۔ میں نے اسپتال میں رہائش کے لیے درخواست دیدی۔ مجھے نرسوں کے ہاسٹل میں ایک کمرہ دینے کی پیشکش ہوئی تھی لیکن میں نے انکار کر دیا اور الگ کوارٹر کے حصول کے لیے کوشش کرنے لگی۔ بالآخر مجھے یہ کوارٹر مل گیا۔ میں یہاں اکیلی رہ رہی ہوں۔ کبھی کبھار میری بہن یا والدہ تھوڑی دیر کے لیے یہاں آجاتی ہیں۔ والد یا بھائیوں میں سے کوئی کبھی یہاں نہیں آیا۔"

"بڑی افسوسناک ہے تمہاری داستان۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"وہ ایک پولیس والا ہی تھا جس نے مجھے برباد کیا تھا۔" رضیہ بولی۔ "وہ تو اچھا ہی ہوا کہ ایک ہی سال بعد وہ جہنم واصل ہو گیا ورنہ میں اب تک عذاب جھیل رہی ہوتی۔ میرے ساتھ جو کچھ بھی کیا' ایک ایسے شخص نے کیا جو اپنے آپ کو قانون کا محافظ کہلاتا تھا۔ جس کی ڈیوٹی یہ تھی کہ وہ لوگوں کے جان و مال کی حفاظت کرے لیکن وہ جلاد بن گیا' دوسروں کے لیے بھی اور اپنی بیوی کے لیے بھی۔ اس لیے مجھے پولیس کے نام ہی سے نفرت ہو گئی ہے۔ تمہیں پولیس سے بچا کر مجھے جو تسکین ملی ہے' تم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔"

شارق خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ رضیہ قابل اعتماد تھی' اس پر بھروسہ کیا جا سکتا تھا۔ اس سے بڑی بات اور کیا تھی کہ اس نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر اسے گرفتار ہونے سے بچایا تھا اور اپنے گھر میں پناہ دی تھی۔

وہ ناشتہ ختم کر چکے تھے۔ رضیہ نے برتن اٹھا کر کچن میں اپنا کام ختم کیا اور ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی ہوئی تھیلی میں سے کچھ ادویات نکال لیں۔

"یہ دوائیں میں تمہارے لیے لے کر آئی ہوں۔" وہ شارق کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "یہ

گولیاں ابھی کھالو۔ مجھے امید ہے کہ اگر تم نے چند روز آرام کیا تو ٹھیک ہو جاؤ گے۔"

"تمہارے جیسی ہمدرد نرس ہو تو مریض کو زیادہ پریشان نہیں ہونا چاہیے۔" شارق نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ویسے میرا خیال ہے کہ اب تم سو جاؤ کیونکہ شام کو تمہیں پھر ڈیوٹی پر جانا ہوگا۔"

"آج میرا آف ہے۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "ویسے تھوڑی دیر کی نیند لے لینا ہی بہتر ہے۔ پہلے تم یہ گولیاں کھالو۔"

رضیہ نے اپنے ہاتھ سے شارق کو دوا کھلائی اور دروازہ بند کرکے کرسی کا کشن اٹھا کر دری پر ڈال دیا۔

"میں یہاں سو رہی ہوں۔ اگر تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے جگا دینا اور اگر باہر کوئی آجائے تو تم خاموش رہنا۔ ویسے کوئی آئے گا نہیں کیونکہ تمام پڑوسی جانتے ہیں کہ آج کل میں نائٹ ڈیوٹی کر رہی ہوں اور دن میں سوتی رہتی ہوں۔"

"اور اگر تمہارا وہ پڑوسی آگیا جو پہلے آیا تھا تو.....؟" شارق نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں نے اسے ڈانٹ دیا تھا' اب وہ نہیں آئے گا۔" رضیہ نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا اور دری پر لیٹ گئی۔

"کیا تم میرا ایک کام کر سکتی ہو؟" شارق بولا۔

"بولو.....کیا کام ہے؟" رضیہ پھر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"کل صبح گھر سے نکلتے وقت میں نے ثمینہ سے کہا تھا کہ دو تین گھنٹوں میں واپس آجاؤں گا۔ اب مجھے گھر سے نکلے ہوئے تقریباً چوبیس گھنٹے ہو چکے ہیں۔ ثمینہ اور ماں جی پریشان ہوں گی' میں چاہتا ہوں کہ تم....."

"مجھے پتہ بتاؤ.....میں ابھی جا کر انہیں بتا دیتی ہوں۔ بہت عرصہ ہوا ثمینہ سے بھی ملاقات نہیں ہوئی۔" رضیہ بولی۔

"ابھی نہیں۔" شارق بولا۔ "تم تھوڑی دیر سو لو' شام کو چلی جانا۔"

"ٹھیک ہے۔ جیسے تمہاری مرضی۔" رضیہ پھر لیٹ گئی۔

تھوڑی دیر بعد ہی رضیہ سو چکی تھی۔ شارق مسہری کی پشت سے ٹیک لگائے نیم دراز اس کی طرف دیکھتا رہا۔

○

ثمینہ واقعی پریشان تھی۔ شارق نے دو تین گھنٹوں میں واپس آنے کو کہا تھا لیکن آج دوسرا دن تھا اور اس کی طرف سے کوئی اطلاع بھی نہیں ملی تھی۔ اسے اندیشہ تھا کہ شارق کہیں حاجی کے آدمیوں یا پولیس کے ہتھے نہ چڑھ گیا ہو۔ اگرچہ پولیس کی طرف سے اخباروں میں ان کے مرنے کی خبریں شائع ہو چکی تھیں لیکن وہ انسپکٹر عثمان کی رپورٹ سے واقف تھی۔ اس نے شارق کو بتایا تھا کہ پولیس نے شارق اور ثمینہ کی موت کی خبر تو جاری کر دی تھی لیکن پولیس کے اعلیٰ افسران مطمئن نہیں تھے۔ ان دونوں کے بارے میں اعلیٰ سطح پر خفیہ میٹنگز ہو رہی تھیں۔

صبح دس بجے ثمینہ نے طفیل کو بھیج دیا تھا کہ شارق کے بارے میں معلوم کرکے آئے۔ طفیل چار بجے کے بعد واپس آیا تھا۔ اس نے جو اطلاع دی تھی' وہ بڑی سنسنی خیز تھی۔ اس کے کہنے کے مطابق کل صبح گیارہ بجے کے قریب ایک حادثے میں دو آدمی ہلاک ہو گئے تھے اور ایک شدید زخمی تھا جسے اسپتال میں داخل کرا دیا گیا تھا۔ ہلاک ہونے والوں میں ایک ماجھا گجر کا پرانا ساتھی دلاور تھا جبکہ زخمی ہونے والا شخص رات کو پراسرار طور پر اسپتال سے فرار ہو گیا تھا۔ اس کے بارے میں مختلف باتیں سننے میں آئی تھیں۔ بعض لوگوں کا کہنا تھا کہ وہ کوئی دیہاتی تھا جو پولیس کے خوف سے اسپتال سے بھاگ گیا تھا اور بعض لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ وہ شارق تھا جو پولیس کو غچہ دے کر اسپتال سے فرار ہو گیا تھا۔

طفیل سے یہ اطلاع ملنے کے بعد ثمینہ نے انسپکٹر عثمان کو فون کیا۔ اتفاق سے کال اسی نے ریسیو کی تھی۔

"میں ثمینہ بول رہی ہوں۔" ثمینہ نے اس کی آواز پہچاننے کے بعد کہا۔ "شارق کل سے لاپتہ ہے۔ ابھی مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ ایک حادثے میں زخمی ہونے کے بعد اسپتال سے فرار ہو گیا ہے مگر یہ اطلاع مشکوک ہے۔ میں صحیح صورتحال جاننا چاہتی ہوں کہ وہ شارق ہی تھا یا کوئی اور۔"

"یہ اطلاع درست ہے۔" انسپکٹر عثمان نے جواب دیا۔ "اسپتال سے فرار ہونے والا شارق ہی تھا۔"

"اوہ!" ثمینہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "کیا تم اس سلسلے میں تفصیل سے کچھ بتا سکتے ہو کہ یہ حادثہ کیسے ہوا اور کہاں ہوا تھا؟"

"اس سلسلے میں مجھے بھی آج صبح ہی معلوم ہوا ہے۔ انسپکٹر عثمان نے جواب دیا۔ "کل ایک ٹیکسی تیز رفتار بس سے ٹکرا گئی تھی۔ اس حادثے میں ٹیکسی ڈرائیور اور دلاور موقع پر ہی ہلاک ہو گئے تھے۔ دلاور' ماجھا گجر کا پرانا ساتھی ہے۔ شارق کے بارے میں مختلف بیانات ہیں۔ حادثے کے

بعض چشم دید گواہوں کا بیان ہے کہ انہوں نے شارق کو ٹیکسی سے چھلانگ لگاتے ہوئے دیکھا جبکہ اسپتال میں ہوش آنے کے بعد شارق نے بیان دیا تھا کہ وہ سڑک پار کر رہا تھا اور ٹیکسی سے بچنے کے لیے دوڑا تھا کہ ایک موٹرسائیکل سے ٹکرا گیا۔ شارق کا بیان لینے والے پولیس آفیسر کو اس پر شبہ ہوا تھا کہ وہ شارق ہے لیکن کوئی کارروائی کرنے سے پہلے وہ اس کے بارے میں تصدیق کر لینا چاہتے تھے اور تصدیق کرنے کے بعد جب پولیس کی ایک پارٹی اسپتال میں پہنچی شارق فرار ہو چکا تھا۔"

"کیا شارق زیادہ زخمی ہوا تھا؟" ثمینہ نے پوچھا۔

"ہاں۔" انسپکٹر عثمان نے جواب دیا۔ "سر' بازو اور چہرے پر چوٹیں آنے کے علاوہ اس کی پنڈلی کی ہڈی کریک ہو گئی تھی اور وہ چلنے کے قابل نہیں رہا تھا۔"

"اوہ!" ثمینہ بولی۔ "ایسی صورت میں وہ کہاں جا سکتا ہے۔"

"پولیس والے بھی اس بات پر حیران ہیں۔" انسپکٹر عثمان بولا۔ "پولیس نے رات کو اسپتال محاصرہ کر لیا تھا اور پورے اسپتال کی تلاشی لی گئی تھی۔ رہائشی کوارٹرز کو بھی چیک کیا گیا تھا لیکن اس کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ آج صبح پولیس اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ شارق کے کوئی ساتھی اپنے آئے تھے جو اسے فرار کرا کے لے گئے۔ پولیس اس کی گرفتاری کے لیے مشتبہ مقامات پر چھا مار رہی ہے۔"

"تم بھی اسے تلاش کرو۔" ثمینہ نے کہا۔ "میں رات دس بجے دوبارہ فون کروں گی۔" نے فون کر دیا۔

اس اطلاع کے بعد ثمینہ کی پریشانی بڑھ گئی تھی۔ شارق زخمی تھا۔ اس کی ٹانگ کی ہڈی ٹو گئی تھی اور وہ اسپتال سے فرار ہو گیا تھا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ وہ کس طرح چل کر ہوگا۔ وہ خود سے کہیں گیا تھا یا واقعی اس کے کوئی ساتھی اسے فرار کرا کے لے گئے تھے لیکن کون ہو سکتے تھے۔ آج کل ان کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔ قدیر پولیس کے ہاتھوں مارا گیا تھا ظفری اور پپو کو اس نے خود گولیاں مار کر ہلاک کر دیا تھا تو پھر شارق کو اسپتال سے لے جا والے کون ہو سکتے تھے؟ عثمان نے بتایا تھا کہ چشم دید گواہوں کے بیان کے مطابق شارق جس ٹیکسی سے چھلانگ لگائی تھی' وہی ٹیکسی ایک تیز رفتار بس سے ٹکرا گئی تھی اور اس میں ڈرائیور کے علاوہ ایک اور لاش ملی تھی جسے دلاور کی حیثیت سے شناخت کر لیا گیا تھا۔ دلاور بھی اچھی طرح جانتی تھی لیکن شارق سے اس کی ملاقات کیسے ہو گئی اور وہ ایک ٹیکسی میں سفر کر رہے تھے؟ اور پھر سب سے اہم بات یہ تھی کہ کیا واقعی وہ شارق تھا یا کوئی اور؟ ہو

ہے پولیس کو غلط فہمی ہوئی ہو اور اس کے اسپتال سے فرار ہونے کے بعد پولیس نے یقین کر لیا ہو کہ وہ شارق ہی تھا۔

لیکن اگر وہ شارق تھا تو کہاں غائب ہو گیا۔ اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ وہ چل نہیں سکتا تھا۔ پولیس نے اسپتال کو محاصرے میں لے کر اسٹاف کے رہائشی کوارٹرز کی بھی تلاشی لی تھی لیکن اس کا سراغ نہیں ملا تھا۔ آخر وہ کہاں غائب ہو گیا اور اگر وہ کسی محفوظ جگہ پر ہے تو اس نے کوئی اطلاع کیوں نہیں دی؟

ثمینہ یہی سب کچھ سوچتی ہوئی نوکھا والے کمرے میں آ گئی اور اسے تازہ ترین صورتحال سے آگاہ کرنے لگی۔

"اگر وہ واقعی شارق تھا تو کہاں چلا گیا؟" نوکھا اس کے خاموش ہونے پر بولا۔ "کہیں ایسا تو نہیں وہ ماسی مہراں یا ملتان روڈ والی حویلی کی طرف چلا گیا ہو۔"

"ہو سکتا ہے لیکن عثمان کے کہنے کے مطابق اس کی ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے اور وہ چل نہیں سکتا۔ وہ اسپتال سے کیسے نکلا ہوگا؟" ثمینہ بولی۔

"ثمینہ بی بی۔" نوکھا اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "جب جان پر بنی ہو تو سب کچھ ہو جاتا ہے۔ وہ کسی نہ کسی طرح اسپتال سے باہر نکلا ہوگا اور پھر کسی کار یا رکشے میں بیٹھ گیا ہوگا۔ مجھے یقین ہے کہ ایسا ہی ہوا ہوگا..... میں خود جاتا ہوں۔ پہلے ماسی مہراں کے گھر جاؤں گا۔ اگر وہاں نہ ملا تو حویلی جا کر پتا کروں گا۔"

"نہیں..... تمہارا باہر نکلنا خطرناک ہوگا۔" ثمینہ بولی۔ "میں خود جا کر معلوم کروں گی۔ برقعے میں مجھے کوئی پہچان نہیں سکے گا۔"

"نہیں۔ تمہارا جانا بھی ٹھیک نہیں۔" نوکھا نے کہا۔ "ماسی مہراں کے ہاں تو اس کو بھیج دو' طفیل کو۔ ہو سکتا ہے شارق وہاں پہنچ گیا ہو۔ ملتان روڈ والی حویلی سے وہ جگہ بہرحال قریب ہے۔ پہلے وہاں پتہ کر لیا جائے تو بعد میں حویلی کے بارے میں سوچیں گے۔"

"ٹھیک ہے' میں طفیل کو بھیجتی ہوں۔" ثمینہ اٹھ کر باہر آ گئی۔ وہ برآمدے میں پہنچی تو رضیہ سے سامنا ہو گیا۔ وہ کرسی پر بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ "واہ۔" ثمینہ مسکرائی۔ "اکیلے اکیلے چائے پی جا رہی ہے اور ہمیں پوچھا تک نہیں۔"

"میں ابھی بنا کر لاتی ہوں۔ آپ بیٹھئے۔" رضیہ کپ میز پر رکھ کر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"اتنی جلدی بھی نہیں۔ تم اپنی چائے اطمینان سے پی لو' بعد میں بنا لینا۔" ثمینہ نے کہا اور لان کی طرف دیکھنے لگی جہاں طفیل پودوں کو پانی دے رہا تھا۔

اس وقت ساڑھے پانچ بجنے والے تھے۔ ثمینہ برآمدے سے نکل کر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی لان میں طفیل کے پاس آگئی۔

"طفیل۔" وہ اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔ "یہ کام میرے لیے چھوڑ دو اور تم ماسی مہراں کے ہاں چلے جاؤ۔ معلوم کرو کہ شارق وہاں ہے یا نہیں۔"

"میں ابھی جا کر پتہ کرتا ہوں جی۔" طفیل نے کہتے ہوئے پانی کا پائپ ثمینہ کے ہاتھ میں دے دیا اور خود گیٹ کی طرف چلا گیا۔

ثمینہ پائپ سنبھالے پودوں کو پانی دیتے ہوئے گیٹ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ گیٹ کے چھوٹے دروازے پر آٹومیٹک لاک لگا ہوا تھا۔ طفیل نے باہر نکلتے ہوئے دروازہ بند کر دیا تھا جس سے لاک لگ گیا تھا۔

تقریباً پندرہ منٹ بعد رضیہ چائے بنا کر لان ہی میں لے آئی۔ اس نے کپ ثمینہ کے ہاتھ میں تھما دیا اور پائپ خود لے لیا۔ وہ دونوں پودوں کے بارے میں باتیں کرنے لگیں۔ اس دوران کال بیل بجی تو وہ دونوں چونک اٹھیں۔

"طفیل کو تو میں نے ایک کام سے بھیجا ہے۔ یہ کون ہو سکتا ہے؟" ثمینہ بڑبڑائی۔

"میں دیکھتی ہوں۔" رضیہ پائپ گھاس پر پھینک کر گیٹ کی طرف چلی گئی۔

رضیہ نے پہلے دروازے کی جھری میں سے جھانک کر دیکھا۔ گیٹ کے سامنے ایک برقعہ پوش عورت کھڑی تھی۔ اس نے چہرے سے نقاب اٹھا رکھا تھا۔ وہ خاصی حسین تھی اور رضیہ کے لیے قطعی اجنبی۔

"جی فرمایئے؟" رضیہ نے دروازہ کھول کر سوالیہ نگاہوں سے اس طرف دیکھا۔

"مجھے اندر تو آنے دو بی بی۔" وہ عورت مسکراتے ہوئے آگے بڑھی۔

"آپ کو کس سے ملنا ہے؟ شاید آپ غلط جگہ پر آگئی ہیں۔" رضیہ بولی۔

"میں بالکل صحیح جگہ پر آئی ہوں رضیہ بی بی۔" وہ عورت گیٹ کے اندر آگئی۔ "مجھے تمہارا جو حلیہ بتایا گیا تھا' وہ بالکل صحیح تھا۔ میں نے تمہیں پہچان لیا ہے۔"

"کیا مطلب..... میں سمجھی نہیں۔" رضیہ گڑبڑا سی گئی۔

"گھبراؤ نہیں۔ میں ثمینہ کی دوست ہوں۔ کہاں ہے وہ؟" وہ عورت متجسس نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

رضیہ کچھ اور بدحواس ہو گئی۔ ان کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں تھا اور یہ اجنبی عورت ان دونوں کے نام جانتی تھی۔

"ارے وہ رہی ثمینہ۔" وہ عورت چہکی۔ "بہت عرصہ بعد دیکھا ہے اسے لیکن یہ تو ذرا بھی نہیں بدلی۔"

ثمینہ بھی اپنی جگہ پر کھڑی الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور جب وہ قریب پہنچی تو ثمینہ نے اسے پہچان لیا۔ وہ نرس رضیہ تھی۔ اس کے محلے کی رہنے والی اور اسکول سے کالج تک کے زمانے کی دوست۔ نرس رضیہ کو دیکھ کر ثمینہ کو سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ یہ یہاں کیسے پہنچ گئی؟

نرس رضیہ تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی اس کے قریب پہنچ گئی۔ اس نے بڑے اطمینان سے ثمینہ کے ہاتھ سے چائے کا کپ لے کر نیچے رکھ دیا اور پھر والہانہ انداز میں اس سے لپٹ گئی۔

"بڑی طوطا چشم ہو۔" نرس رضیہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "مجھے اچھی طرح پہچانتی ہو لیکن اجنبی کیوں بن رہی ہو؟"

"تت..... تمہیں کس نے بتایا کہ میں یہاں ہوں۔" ثمینہ اپنی اندرونی کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

"پولیس آج تک تمہارا سراغ نہیں لگا سکی لیکن دیکھ لو میں کتنی آسانی سے یہاں پہنچ گئی ہوں۔" نرس رضیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اگر کسی غلط ارادے سے آئی ہو تو واپس نہیں جا سکو گی۔" ثمینہ کے لہجے میں سرد مہری تھی۔

"بس۔ ہو گئیں پریشان۔" نرس رضیہ کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ "ارے میں تو تمہاری پریشانی دور کرنے آئی ہوں۔"

"کیسی پریشانی؟" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"تم کل سے پریشان ہو ناں! بس اب وہ پریشانی ختم ہو گئی۔ اب تو مسکرا کر میری طرف دیکھو۔ تمہاری پرانی دوست ہوں۔" نرس رضیہ نے کہا۔

ثمینہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی' پھر اس کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ آگئی۔ وہ صورتحال کو سمجھ گئی تھی۔ رضیہ اسپتال میں نرس تھی اور شارق اسپتال سے غائب ہو گیا تھا۔

"صاف صاف بتاؤ' کیا معاملہ ہے۔ وہ کہاں ہے؟" ثمینہ بولی۔

"وہ محفوظ ہے اور خیریت سے ہے۔" نرس رضیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر بولی۔ "کیا مجھے اندر نہیں لے جاؤ گی یا یہیں سے چلتا کرو گی؟"

"اوہ!" ثمینہ نے گہرا سانس لیا۔ "تم نے تو مجھے کنفیوز کر دیا تھا۔ چلو اندر چلو اور دیکھو..... یہ

شارق کی بہن ہے۔ اس کا نام بھی رضیہ ہے۔"

"شارق نے مجھے بتایا تھا۔ اس کے بتائے ہوئے حلیے کے مطابق میں نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا۔" نرس رضیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ثمینہ نے نرس رضیہ کا بھی تعارف کرایا اور وہ تینوں ڈرائنگ روم میں آگئیں۔

"رضیہ۔ تم چائے بنا کر لاؤ۔ میں اس سے کچھ باتیں کر لوں۔" ثمینہ نے رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ باہر چلی گئی تو ثمینہ بولی۔ "اب بتاؤ کیا قصہ ہے۔ میں تو کل سے پریشان ہو رہی تھی۔ آج کسی سے کچھ معلوم ہوا تھا جس سے پریشانی کچھ اور بڑھ گئی۔"

"وہ بھی تم لوگوں کے بارے میں پریشان ہے۔" نرس رضیہ نے کہا۔ وہ چند لمحے خاموش رہی' پھر شارق کے بارے میں تفصیل سے بتانے لگی۔ آخر میں وہ کہہ رہی تھی۔ "ویسے تو اب اس کے بارے میں پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کا مناسب علاج ہوتا رہے گا اور وہاں محفوظ بھی رہے گا۔ اگر تم چاہو تو میرے ساتھ جا کر اسے دیکھ سکتی ہو۔"

"رضیہ!" ثمینہ اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی "میں نے تمہاری ایک ایک بات کا یقین کر لیا ہے لیکن کہیں ایسا تو نہیں کہ....."

"میں سمجھ رہی ہوں' تم کیا کہنا چاہتی ہو۔" نرس رضیہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "تم جس قسم کی صورتحال سے دوچار ہو' اس کے تحت کسی پر بھی شبہ کرنا فطری بات ہے لیکن تم مجھے اچھی طرح جانتی ہو۔ ہم بچپن کی دوست ہیں۔ بچپن سے لے کر اسکول اور کالج کے زمانے تک میں نے ہر معاملے میں تمہاری حمایت کی تھی۔ میں تمہیں دھوکا نہیں دے سکتی ثمینہ۔ تم خود ہی سوچو۔ میں تمہیں وہ باتیں کیسے بتا سکتی ہوں جن کے بارے میں صرف شارق اور تم جانتی ہو۔ شارق نے یہ ساری باتیں مجھے اس لیے بتائی تھیں کہ تم مجھ پر شبہ نہ کر سکو۔ اس نے یہ بھی کہا تھا کہ میں نولکھا کی خیریت بھی دریافت کروں اور شاہ پری کو بھی تسلی دوں۔"

"ٹھیک ہے۔ اب مجھے یقین آگیا ہے کہ تم سچ کہہ رہی ہو۔" ثمینہ بولی۔ "نولکھا بالکل ٹھیک ہے اور شاہ پری تھوڑی دیر میں آجائے گی تو تمہیں اس سے بھی ملواؤں گی۔ ویسے ہمارے وہاں جانے سے کسی کو شبہ تو نہیں ہوگا؟"

"نہیں۔" نرس رضیہ نے نفی میں سر ہلایا۔ "میری امی اور بہنیں آتی رہتی ہیں۔ کوئی تم لوگوں کے آنے پر شبہ نہیں کرے گا۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم شام کا اندھیرا پھیلنے کے بعد چلیں گے۔" ثمینہ بولی۔

اس دوران رضیہ چائے بنا کر لے آئی اور اس کے تھوڑی ہی دیر بعد شاہ پری بھی پہنچ گئی۔

وہ کچھ چیزیں لینے کے لیے مارکیٹ گئی ہوئی تھی۔ اس نے جیسے ہی ڈرائنگ روم میں قدم رکھا' وہاں ایک اجنبی عورت کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"آؤ شاہ پری۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ رضیہ ہے' میری بچپن کی دوست۔ اسپتال میں نرس ہے۔ شارق کا پیغام لے کر آئی ہے۔"

"اوہ!" شاہ پری آگے آگئی۔ اس نے شاپنگ بیگ ایک صوفے پر پھینک دیئے۔

"شارق کا پتہ چل گیا؟" وہ سوالیہ نگاہوں سے ثمینہ کی طرف دیکھنے لگی۔

"ہاں۔ وہ ٹھیک ہے اور محفوظ ہے۔" ثمینہ کے بجائے نرس رضیہ نے جواب دیا۔ وہ بڑی گہری نظروں سے شاہ پری کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شاہ پری کا حسن و شباب دیکھ کر وہ دل ہی دل میں رشک کرنے لگی تھی۔

"لو چائے پیو۔" ثمینہ نے اپنا کپ شاہ پری کے سامنے رکھ دیا۔

رضیہ نے ایک اور کپ بنا کر ثمینہ کو دے دیا۔ وہ چاروں چائے پینے لگیں۔ نرس رضیہ کو ایک بار پھر بتانا پڑا کہ شارق اس کے ہاں کیسے پہنچا تھا اور پھر ان کا موضوع بدل گیا۔ ثمینہ نرس رضیہ سے اس کے بارے میں دریافت کرنے لگی۔ آخر میں وہ کہہ رہی تھی۔

"اچھا ہوا اس کے مر جانے سے میری جان چھوٹ گئی۔ اس نے تو میری زندگی عذاب بنا رکھی تھی۔"

"وہ تو واقعی تمہارے لیے عذاب تھا۔" ثمینہ نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

"خیر لعنت بھیجو اس پر۔" نرس رضیہ نے کہا۔ "مجھے تو تم پر حیرت ہو رہی ہے۔ تم کیسے پھسل گئیں؟ تم جیسی معصوم لڑکی جو بلی سے ڈر جایا کرتی تھی' آج لوگوں کے لیے ہوا بنی ہوئی ہے۔"

"اسے بھی چھوڑ دو۔" ثمینہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "لمبی داستان ہے۔ پھر کسی وقت فرصت میں سناؤں گی۔" اس نے دیوار پر لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ انہیں وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔ پونے آٹھ بج رہے تھے۔ "میرا خیال ہے اب چلنا چاہیے۔" اس نے نرس رضیہ کی طرف دیکھا۔

"ہاں چلو۔" نرس رضیہ نے جواب دیا۔

"شاہ پری۔ تم بھی میرے ساتھ چلو۔" ثمینہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ہم ابھی آتے ہیں۔" اس نے نرس رضیہ کی طرف دیکھا اور وہ دونوں ڈرائنگ روم سے نکل گئیں۔

وہ دونوں اپنے کمرے میں آگئیں۔ ثمینہ نے الماری سے پستول نکال لیے اور ایک پستول شاہ

پری کی طرف بڑھا دیا۔

"اسے احتیاطاً اپنے پاس رکھ لو۔ ہو سکتا ہے اس کی ضرورت پڑ جائے۔" ثمینہ نے کہا۔ ایک پستول اس نے اپنے لباس میں اڑس لیا تھا۔

شاہ پری نے چادر اوڑھ لی اور ثمینہ نے برقعہ پہن لیا۔ ان کی صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔ وہ دوبارہ ڈرائنگ روم میں آ گئیں۔ نرس رضیہ تیار کھڑی تھی۔ وہ ان کے ساتھ باہر آ گئی۔ رضیہ انہیں گیٹ تک رخصت کرنے آئی تھی۔

گلیوں سے ہوتی ہوئی وہ مارکیٹ والے اسٹاپ پر آ گئیں۔ انہیں فوراً ہی ٹیکسی مل گئی تھی۔ وہ تینوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں۔ نرس رضیہ نے ڈرائیور کو اسپتال چلنے کو کہہ دیا تھا۔

وہ اسپتال کے اس گیٹ سے اندر داخل ہوئی تھی جو اسپتال کے ملازمین کی آمد و رفت کے لیے مخصوص تھا۔ ملازمین کا رہائشی علاقہ بھی اسی طرف تھا۔ نرس رضیہ نے گیٹ میں داخل ہونے کے بعد برقعے کا نقاب اٹھا دیا تھا جبکہ ثمینہ اور شاہ پری نے اپنے چہرے چھپائے رکھے۔

اس علاقے میں چہل پہل تھی۔ کچھ بچے گھروں کے سامنے کھیل رہے تھے۔ وہ تینوں کوارٹروں کی ایک قطار کے سامنے سے گزرتی ہوئی پچھلی لین میں آ گئیں۔ اپنے کوارٹر کے سامنے پہنچ کر نرس رضیہ نے اپنے ہینڈ بیگ میں سے چابیوں کا گچھا نکالا اور تالا کھولنے لگی۔ ٹھیک اسی وقت ساتھ والے کوارٹر کا دروازہ کھلا اور نرس عارفہ کا شوہر رفیق باہر آ گیا۔

"ارے آپ کہاں چلی گئی تھیں؟ آپ کے والد صاحب آئے تھے۔ تالہ دیکھ کر واپس چلے گئے۔" رفیق نے رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ پھر چبھتی ہوئی نظروں سے ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھنے لگا۔

"ڈیڈی۔" رضیہ کے لہجے میں حیرت تھی۔ "کوئی پیغام دیا؟"

"ہاں۔ وہ صبح نو بجے کے قریب آئیں گے۔ کہہ گئے تھے کہ ان کا انتظار کیا جائے۔" رفیق نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔ اس پیغام کا شکریہ۔" رضیہ نے جواب دیا۔

وہ اندر آ گئیں۔ رضیہ نے دروازہ بند کر کے کنڈا لگا دیا اور برآمدے میں آ کر کمرے کا دروازہ کھولنے لگی۔

ثمینہ اور شاہ پری کمرے میں داخل ہو کر رک گئیں۔ وہ دونوں عجیب سی نظروں سے شارق کی طرف دیکھ رہی تھیں جو مسہری کی پشت سے ٹیک لگائے نیم دراز تھا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ رضیہ نے اندر آ کر دروازے کے سامنے پردہ کھینچ دیا تھا۔

"گھور کیا رہی ہو؟" شارق نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اپنی اس سہیلی کو دعائیں دو جس نے مجھے زندہ بچا لیا۔"

"ہاں۔ رضیہ نے تو واقعی ہم سب پر ایک احسان کیا ہے جس کا بوجھ ہم زندگی کے آخری لمحوں تک نہیں اتار سکتے۔" ثمینہ نے کہا اور والہانہ انداز میں آگے بڑھ کر رضیہ کو گلے لگا لیا۔

"میں نے کسی پر کوئی احسان نہیں کیا۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "میں جانتی ہوں کہ شارق مجرم نہیں ہے۔ اسے اس راستے پر دھکیلا گیا ہے۔ میرا واسطہ بھی ایک ایسے شخص سے رہا ہے جو انسانیت کے نام پر ایک بدنما دھبہ تھا۔ میں نے شارق کو بچا کر کوئی احسان نہیں کیا۔ ایک بے گناہ کی مدد کی ہے۔"

"شکریہ رضیہ۔" یہ الفاظ شاہ پری نے کہے تھے۔

"تم کتنی پیاری ہو۔" رضیہ نے شاہ پری کو لپٹا لیا۔ پھر اسے اپنے سے الگ کرتے ہوئے بولی۔ "اچھا چھوڑو ان باتوں کو۔ میں شارق کے لیے کھانا گرم کر لوں۔ رات کے لیے بھی کھانا میں نے دوپہر ہی کو تیار کر لیا تھا اور تم دونوں کے لیے چائے بھی بنا لوں۔"

"ہم تو چائے نہیں پئیں گے البتہ شارق کے لیے کھانا گرم کر لاؤ۔" ثمینہ نے کہا۔

کچھ دیر بعد رضیہ شارق کے لیے کھانا گرم کر کے لے آئی' شارق کھانا کھاتا رہا اور ساتھ ہی باتیں بھی ہوتی رہیں۔

یہ تو طے شدہ بات تھی کہ شارق کو اس وقت تک یہاں سے نہیں لے جایا جا سکتا تھا جب تک اس کی ہڈی کا فریکچر ٹھیک نہ ہو جاتا اور اس کے لیے کئی روز درکار تھے۔ ثمینہ کو یہ اندیشہ بھی تھا کہ اگر شارق کو یہاں چھوڑ دیا گیا تو ان لوگوں کے بار بار آنے جانے سے کسی کو شبہ بھی ہو سکتا تھا۔ مزید یہ کہ رضیہ اس کوارٹر میں رہتی تھی۔ اسی کوارٹر میں اس کے ملنے والوں کا بھی آنا جانا تھا۔ جن سے زیادہ تعلقات نہیں تھے' انہیں تو وہ ڈرائنگ روم میں بٹھا سکتی تھی لیکن جو بے تکلف سہیلیاں تھیں' اگر انہیں بار بار ڈرائنگ روم میں بٹھایا گیا تو وہ شبہ کر سکتی تھیں کہ انہیں بیڈ روم میں جانے سے کیوں روکا جاتا ہے۔

"یہ معاملہ مجھ پر چھوڑ دو۔" رضیہ نے کہا۔ "شارق کو ایک ہفتہ مکمل آرام کی ضرورت ہے۔ وہ ایک ہفتہ یہیں رہے گا اور میں ایسا بندوبست کر لوں گی کہ زیادہ لوگوں کو یہاں آنے کا موقع نہ ملے۔"

"کیا تمہیں یقین ہے کہ شارق یہاں محفوظ رہے گا؟" ثمینہ بولی۔

"سو فیصد۔" رضیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اگر خدانخواستہ ایسا کوئی وقت آیا تو میں

اپنی جان تو دے دوں گی لیکن شارق پر آنچ نہیں آنے دوں گی۔ وہ صحیح سلامت تم تک پہنچ جائے گا۔"

"میری تسلی ہو گئی۔" ثمینہ نے کہا۔ "اب مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے اب تم لوگ جاؤ۔" شارق نے ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "دس بج رہے ہیں' تم لوگ اکیلی ہو۔"

"اکیلی!" ثمینہ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ "میں ایک سال سے تمہارے ساتھ ہوں۔ اب بھی مجھے اکیلا سمجھتے ہو۔ بہرحال ہم جا رہے ہیں۔" ثمینہ اٹھ کر برقعہ پہننے لگی۔

شاہ پری نے بھی چادر اوڑھ لی اور رضیہ کے ساتھ باتیں کرتی ہوئی کمرے سے باہر آگئی۔ ثمینہ نے برقعہ پہنتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھا' پھر شارق پر جھک گئی۔ اس نے اپنے لباس میں چھپا ہوا پستول نکال کر شارق کے تکیے کے نیچے رکھ دیا۔

"خدانخواستہ اگر کوئی ناگہانی صورتحال پیش آئی تو یہ تمہارے کام آئے گا۔"

"شکریہ۔" شارق نے مسکرا کر کہا۔

ثمینہ بھی کمرے سے باہر آگئی اور جب وہ لوگ رضیہ کے ساتھ صحن کے دروازے سے باہر نکلیں تو اس کا پڑوسی رفیق اپنے دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ اس وقت بھی گہری نظروں سے ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن اسے بڑی مایوسی ہوئی تھی۔ ان دونوں نے دروازے سے باہر نکلنے سے پہلے ہی اپنے چہرے نقابوں میں چھپا لیے تھے۔ ان دونوں نے رضیہ سے الوداعیہ جملے کہے اور گیٹ کی طرف جانے والے راستے پر چل پڑیں۔

"مس رضیہ۔" رفیق نے رضیہ کو نام لے کر پکارا۔ وہ اس وقت اپنے دروازے میں داخل ہو رہی تھی۔

"کیا بات ہے جی؟" رضیہ نے مڑ کر اسے گھورا۔

"آپ آج صبح سے کچھ زیادہ ہی مصروف لگ رہی ہیں۔" رفیق بولا۔

"آپ جانتے ہیں کہ صبح میں زات کی ڈیوٹی دے کر آئی تھی اور دن میں سونا چاہتی تھی۔ پھر میری اپنی ذاتی مصروفیات ہیں۔ میرے عزیز رشتہ دار ہیں' سب سے ملنا ملانا ہوتا ہے لیکن میری مصروفیات پر آپ کو کیا اعتراض ہے؟" رضیہ نے کہا۔

"اعتراض تو کوئی نہیں لیکن پہلے کبھی گپ شپ ہو جایا کرتی تھی اور آج کل آپ لفٹ ہی نہیں کرا رہیں۔" رفیق بولا۔

"دیکھئے مسٹر رفیق۔" رضیہ کے لہجے میں سردمہری تھی۔ "میں عارفہ کی وجہ سے آپ کا لحاظ

کرتی ہوں۔ اگر کبھی ہنس کر بات کر لیتی ہوں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ میں آپ پر مرمٹی ہوں۔ آپ جو وقت میرے پاس بیٹھ کر ضائع کرنا چاہتے ہیں' وہی وقت اگر آپ اپنی بیوی کو دیں تو آپ کا گھر جنت بن سکتا ہے۔ روز روز کے جھگڑے ختم ہو جائیں گے آپ کے۔"

رضیہ نے اندر داخل ہو کر دھڑ سے دروازہ بند کر لیا۔ وہ یہ نہیں دیکھ سکی تھی کہ اس کے اس انداز گفتگو سے رفیق کی کیا حالت ہوئی تھی۔

ادھر ثمینہ اور شاہ پری باتیں کرتی ہوئی گیٹ کی طرف جا رہی تھیں۔ ان کی گفتگو کا موضوع یہی تھا کہ اسپتال کے ملازمین کو رہائش کے لیے کوارٹرز تو دے دیئے گئے لیکن انہیں وہ سہولتیں حاصل نہیں ہیں جو ان کا حق ہے۔ ان کوارٹروں میں برسوں سے مرمت اور سفیدی نہیں ہوئی۔ لوگ اپنے طور پر ہی مرمت اور سفیدی وغیرہ کر لیتے ہیں جبکہ اسپتال ہی کی حدود میں رہائش پذیر ڈاکٹروں اور انتظامی افسروں کے بنگلوں میں ہر چھ مہینے بعد رنگ روغن ہوتا ہے۔ ان کے لیے تمام سہولتوں کا خیال رکھا جاتا ہے۔

ایک ادھیڑ عمر آدمی اور اس کی بیوی ان کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ وہ دونوں بڑی توجہ سے ان کی باتیں سن رہے تھے۔ بالآخر مرد مداخلت کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"سچ کہہ رہی ہو بی بی۔" وہ بولا۔ "مجھے کوارٹر میں رہتے ہوئے تین سال ہو چکے ہیں مگر سفیدی ایک مرتبہ بھی نہیں ہوئی۔ یہاں غریبوں کو پوچھتا ہی کون ہے۔"

"غریب تو ہر جگہ پس رہے ہیں بھائی صاحب۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

وہ لوگ گیٹ سے باہر آچکے تھے۔ وہ عورت اور مرد تو بس اسٹاپ کی طرف چلے گئے جبکہ ثمینہ اور شاہ پری ایک ٹیکسی کے قریب رک گئیں جس کا ڈرائیور ٹیکسی کے بونٹ کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا۔

"لبرٹی مارکیٹ چلو گے۔" ثمینہ نے کہا۔

"کیوں نہیں بی بی جی۔" ادھیڑ عمر ڈرائیور نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن میٹر سے پانچ روپے زیادہ ہوں گے۔ گلبرگ سے اس وقت واپسی کی سواری نہیں ملتی۔"

"یہ تو لوگوں سے پیسے بٹورنے کا بہانہ ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "شہر کے کسی بھی حصے میں چلے جاؤ' سواری مل جاتی ہے مگر تم لوگ..... خیر چلو۔ اگر ہمیں دیر نہ ہو رہی ہوتی تو ہم بس پر ہی چلی جاتیں۔"

وہ دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں اور چند سیکنڈ بعد ٹیکسی حرکت میں آگئی۔ ثمینہ نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کر لی تھی کہ وہاں کھڑی ہوئی ایک اور ٹیکسی ان کے پیچھے چل پڑی تھی۔ اس

ٹیکسی کی پچھلی سیٹ پر پہلے ہی سے دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے جو شکلوں ہی سے غنڈے لگ رہے تھے۔ اس ٹیکسی کا ڈرائیور بھی کچھ ایسا ہی تھا۔

دونوں ٹیکسیاں آگے پیچھے دوڑتی رہیں۔ ثمینہ والی ٹیکسی کے ڈرائیور نے بھی غالباً اس تعاقب کو محسوس کر لیا تھا۔ اس نے ثمینہ وغیرہ سے تو کچھ نہیں کہا البتہ وہ محتاط ہو گیا تھا اور پچھلی ٹیکسی کو قریب آنے کا موقع نہیں دے رہا تھا۔

بالآخر گلبرگ پہنچ کر ثمینہ نے اپنی ٹیکسی چوک سے کچھ دور رکوالی۔ وہ نیچے اتر رہی تھیں کہ دوسری ٹیکسی ان کے آگے آکر رک گئی۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھے ہوئے دونوں غنڈے نیچے اتر کر ان کی طرف لپکے۔ انہوں نے شاہ پری کو پکڑ لیا اور اپنی ٹیکسی کی طرف کھینچنے لگے۔

تقریباً سو گز آگے ریسٹورنٹ اور دکانیں وغیرہ تھیں۔ شاہ پری زور زور سے چیخنے لگی۔ ثمینہ نے اپنے برقعے کی پروا کیے بغیر ایک غنڈے پر حملہ کر دیا۔ وہ اس کے گھونسوں اور لاتوں کی پروا کیے بغیر شاہ پری کو اپنی ٹیکسی کی طرف کھینچتے رہے۔

چوک پر بیٹھے ہوئے لوگ شور سن کر اس طرف دوڑے۔ ان دونوں آدمیوں میں سے ایک ٹیکسی میں بیٹھ چکا تھا اور شاہ پری کو اندر کھینچ رہا تھا جبکہ دوسرا غنڈہ شاہ پری کو پیچھے سے دھکیل رہا تھا۔ چوک کی طرف سے لوگوں کو اپنی طرف آتے دیکھ کر ڈرائیور نے ٹیکسی اسٹارٹ کر دی۔ دوسرا غنڈہ شاہ پری کو اندر دھکیلنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ ٹیکسی حرکت میں آگئی۔ اس غنڈے نے شاہ پری کو چھوڑ دیا اور خود ٹیکسی میں گھسنے کی کوشش کرنے لگا لیکن شاہ پری اس کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔

ٹیکسی کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔ شاہ پری ساتھ ساتھ گھسٹ رہی تھی لیکن اس نے غنڈے کو نہیں چھوڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ٹیکسی نکل گئی۔ اس دوران دوڑتے ہوئے لوگ وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے غنڈے کو پکڑ لیا اور ماں بہن کی گالیاں بکتے ہوئے اس کی دھنائی کرنے لگے۔

"مارو اس بے غیرت کو۔" ایک آدمی چیخا۔ "شرم نہیں آتی ان لوگوں کو۔ ان کے اپنے گھروں میں ماں بہنیں نہیں ہیں۔"

"پولیس کے حوالے کرو اسے۔" ایک اور آدمی چیخا۔

"آپ لوگ پریشان نہ ہوں بہن۔" تیسرے آدمی نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "اسے ہم ابھی پولیس کے حوالے کر دیتے ہیں۔ پولیس اس کے دوسرے ساتھیوں کو بھی پکڑ لے گی۔"

"پولیس تھانے تک بات پہنچ گئی تو ہماری بھی رسوائی ہوگی۔ بہتر ہوگا کہ اسے کچھ سزا دے کر چھوڑ دیا جائے۔" ثمینہ نے اپنا برقعہ سنبھالتے ہوئے کہا۔ اس کھینچا تانی میں اس کا برقعہ پھٹ گیا تھا۔

"آپ پریشان نہ ہوں بی بی۔" ایک اور آدمی نے کہا۔ "آپ کو تھانے تک جانے یا پولیس کا سامنا کرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ہم خود ہی نمٹ لیں گے ان حرام زادوں سے۔"

"ارے! یہ دیکھو پستول۔" ایک آدمی چیخا۔

وہ سب اس طرف متوجہ ہو گئے۔ سڑک کے کنارے زمین پر ایک پستول پڑا تھا۔ شاہ پری نے بھی وہ پستول دیکھا اور اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ یہ اسی کا پستول تھا جو غنڈوں سے دھینگا مشتی میں اس کے لباس سے گر گیا تھا لیکن اس وقت اس نے پستول کے سلسلے میں خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔

"اسی کا ہوگا۔" ایک آدمی نے جھک کر وہ پستول اٹھا لیا۔

"نہیں جی۔ قسم رب دی' یہ پستول میرا نہیں ہے۔" غنڈہ چیخ اٹھا۔

"تمہارے کسی ساتھی کا ہوگا۔ وارداتیں بھی کرتے ہو۔" اس نے غنڈے کو ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔ "اسے تھانے لے چلو' آپ لوگ جائیں بی بی۔" اس شخص نے آخری الفاظ ثمینہ اور شاہ پری سے مخاطب ہو کر کہے تھے۔

شاہ پری نے ثمینہ کی طرف دیکھا۔ پھر اپنی چادر سنبھالنے لگی اور وہ دونوں وہاں سے ہٹ کر ایک گلی میں گھس گئیں۔ ان کے چہرے لوگوں نے دیکھ لیے تھے۔ اخبارات میں اگرچہ ثمینہ کی تصویر بھی چھپ چکی تھی لیکن ایک تو وہ تصویر بہت پرانی تھی اور دوسرے اسے چھپے ہوئے بھی کئی روز ہو چکے تھے۔ لوگوں کو یاد بھی نہیں رہا ہوگا اور یہی وجہ تھی کہ اس وقت ثمینہ کو کسی نے شناخت نہیں کیا تھا۔ یوں بھی اس وقت افراتفری کی سی کیفیت تھی۔ کسی نے اس خیال سے اس کی طرف دیکھا بھی نہیں ہوگا۔

وہ دونوں قریبی راستہ اختیار کرنے کے بجائے کئی گلیوں کا چکر کاٹتی ہوئی اپنی کوٹھی پر پہنچی تھیں۔ اس وقت ساڑھے گیارہ بج رہے تھے۔ رضیہ برآمدے ہی میں کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ جب وہ قریب پہنچیں تو ان دونوں کی حالت دیکھ کر رضیہ چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔

"ارے۔ یہ کیا ہوا۔ کیا حلیہ ہو رہا ہے تم دونوں کا۔ لگتا ہے کسی سے دھینگا مشتی ہوئی تھی۔" رضیہ کے لہجے میں پریشانی تھی۔

"کوئی خاص بات نہیں۔" رضیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "بس ذرا دو غنڈوں سے دو دو ہاتھ ہو گئے تھے۔"

"کون تھے وہ؟" رضیہ ایک دم پریشان ہو گئی۔

"غنڈے تو غنڈے ہی ہوتے ہیں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "اب تم ان کا شجرہ مت پوچھو۔ ہمارے لیے کھانے کا بندوبست کرو' بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔"

"اندر چلو گی تو کھانا دوں گی۔ کھانا یہاں تو نہیں آسکتا اور ہاں۔" رضیہ جیسے چونک کر بولی "بھائی جان کا پتہ چلا۔"

"ہاں۔ وہ ٹھیک ہے۔ صرف ....." ثمینہ کہتے کہتے رک گئی۔

"صرف کیا؟" رضیہ نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ویسے تو وہ بالکل ٹھیک ہے لیکن صرف سر پھٹ گیا ہے۔ ایک ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے۔ چہرے کا نقشہ تھوڑا سا بدل گیا ہے اور.....اور اسے کچھ نہیں ہوا۔ بالکل ٹھیک ہے۔ تم پریشان مت ہو۔" ثمینہ نے کہا۔

"یہ.....یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" رضیہ ایک دم پریشان ہو گئی۔

"پریشان نہ ہو میری بنو۔" ثمینہ نے اس کا گال تھپتھپایا۔ "شارق کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ اسے کچھ معمولی چوٹیں آئی ہیں۔"

"آپ انہیں یہاں لے کر کیوں نہیں آئیں؟" رضیہ بولی۔

"وہ جہاں بھی ہے' محفوظ ہے۔ اور اس کی مناسب دیکھ بھال ہو رہی ہے۔ فی الحال اسے یہاں لانا مناسب نہیں ہے۔ چل تو کھانا نکال ہمارے لیے' بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔" ثمینہ کہتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

شاہ پری بھی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔ رضیہ کچھ دیر وہاں کھڑی رہی اور پھر وہ بھی کچن میں گھس گئی۔

○

شارق کو نرس رضیہ کے کوارٹر میں رہتے ہوئے چار روز ہو چکے تھے۔ رضیہ اسپتال میں اپنی نائٹ ڈیوٹی کرنے کے ساتھ ساتھ شارق کی دیکھ بھال بھی کر رہی تھی اور حقیقت یہ تھی کہ اس نے دوستی کا دعویٰ کیا تھا تو دوستی کا حق بھی ادا کر دیا تھا۔

وہ صبح ساڑھے سات بجے اسپتال سے واپس آتی۔ سب سے پہلے شارق کا منہ ہاتھ دھلا کر اسے ناشتہ کراتی اور دوائیں دیتی۔ ناشتے کے دوران کچھ گپ شپ بھی ہوتی رہتی۔ پھر رضیہ کچھ دیر کے لیے سو جاتی۔

شام تک اسی طرح وقت گزرتا۔ رضیہ شارق کے آرام کا پورا خیال رکھے ہوئے تھی لیکن

اسے خود آرام کرنے کا بہت کم موقع ملتا تھا۔ نیند پوری نہ ہونے کی وجہ سے اس کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ گئے تھے اور آنکھیں سرخ رہنے لگی تھیں۔

اس دوران رضیہ کو بیرونی مداخلت کا بھی سامنا تھا۔ شارق کے یہاں آنے سے پہلے وہ صبح واپس آکر سو جاتی اور تین چار بجے جاگ جاتی تھی۔ اس دوران وہ اپنے کام بھی کرتی اور اس سے ملنے والے جن میں زیادہ تر نرسیں ہی شامل تھیں' آتے رہتے اور ان سے گپ شپ ہوتی رہتی۔ کبھی وہ خود کسی کے گھر چلی جاتی۔ پڑوس میں رہنے والی نرس عارفہ کا شوہر اکثر اس کے ہاں آجاتا تھا لیکن شارق کو یہاں لانے کے بعد تمام معمولات بدل گئے تھے۔ اسے آرام کا موقع بہت کم ملتا۔ ملنے کے لیے آنے والے کو بھی زیادہ تر باہر ہی سے ٹال دیتی۔ کوئی اندر آ بھی جاتا تو اسے اپنے کمرے میں لانے کے بجائے دوسرے کمرے میں لے جاتی جو ڈرائنگ روم کے طور پر آراستہ تھا۔

شکیلہ اس کی سب سے زیادہ قریبی دوست تھی۔ وہ میڈیکل وارڈ میں نائٹ ڈیوٹی پر تھی۔ وہ عام طور پر شام کو تیار ہو کر رضیہ کے پاس آجاتی اور وہ دونوں اکٹھے ہی اسپتال جاتی تھیں لیکن شارق کی وجہ سے رضیہ تین دن سے اسے باہر سے ہی ٹرخا رہی تھی۔ شکیلہ جب بھی آتی' رضیہ ایک ہی جملہ دہرا دیتی۔ "مجھے دیر ہو جائے گی۔ تم چلو' میں تیار ہو کر آتی ہوں۔"

پہلے دو دن تو شکیلہ نے اس بات کو محسوس نہیں کیا لیکن تیسرے روز اسے رضیہ کی یہ بات کھل گئی کیونکہ پہلے وہ جب بھی آتی تھی' رضیہ اسے اپنے کمرے میں لے آتی تھی۔ باتیں بھی ہوتی رہتی تھیں اور رضیہ تیاری بھی کرتی رہتی تھی لیکن تیسرے روز جب رضیہ نے وہی جملہ دہرایا تو وہ برا مان گئی۔

"کیا بات ہے رضیہ۔ اندر کسی کو بٹھا رکھا ہے جو مجھے باہر ہی سے ٹرخا دینا چاہتی ہو؟" اس نے رضیہ کو گھورتے ہوئے کہا۔

"اوہ نہیں شکیلہ۔" رضیہ بولی۔ "مجھے ابھی کپڑے استری کرنے ہیں' نہانا ہے اور پوری تیاری کرنی ہے جبکہ ڈیوٹی شروع ہونے میں صرف دس منٹ رہ گئے ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ تمہیں بھی دیر ہو جائے۔ اس لیے تم جاؤ۔"

"اچھا میں رات کو تم سے بات کروں گی۔" شکیلہ اسے گھورتی ہوئی چلی گئی۔ اس رات ڈیوٹی روم میں شکیلہ نے رضیہ سے صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ وہ اس سے کچھ چھپا رہی ہے۔

"اگر تم نے کسی سے دوستی کر لی ہے تو مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ اگر مجھ سے ملوا دو گی تو میں اسے بھگا کر تو نہیں لے جاؤں گی۔" شکیلہ نے کہا۔

"ایک مرد کو ایک سال تک بھگت چکی ہوں۔" رضیہ نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "اب تو مردوں کے نام ہی سے مجھے نفرت ہوگئی ہے۔ کسی مرد کے لیے میرے دل میں اب کوئی جگہ نہیں ہے۔ اگر کوئی ایسی غیر معمولی بات ہوئی تو سب سے پہلے میں تم ہی کو بتاؤں گی۔"

رضیہ نے یہ بات کہہ تو دی تھی لیکن دل ہی دل میں اسے احساس ہوگیا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہی تھی۔ وہ جب سے شارق کو اپنے کوارٹر میں لے کر آئی تھی' وہ اپنے آپ میں عجیب سی کیفیت محسوس کرنے لگی تھی۔ وہ شارق کے بارے میں بہت کچھ جان چکی تھی۔ شارق ثمینہ کا تھا' یہ جاننے کے باوجود وہ جب بھی شارق کے بارے میں سوچتی' اپنے دل میں گدگدی سی محسوس کرنے لگتی۔

شکیلہ کے علاوہ پڑوس میں رہنے والے کچھ اور لوگ بھی تھے جنہیں رضیہ نے ناراض کر دیا تھا اور بعض لوگوں نے تو اس کے گھر آنا ہی چھوڑ دیا تھا اور رضیہ چاہتی بھی یہی تھی کہ شارق جب تک یہاں ہے' اس کے گھر کوئی نہ آئے لیکن رفیق بہت ہی ڈھیٹ انسان ثابت ہوا تھا۔

وہ چوتھا روز تھا۔ شام کے پانچ بجے تھے۔ رضیہ شارق کے ساتھ بیٹھی چائے پی رہی تھی کہ باہر کے دروازے پر دستک کی آواز سنائی دی۔ رضیہ نے چائے کا کپ میز پر رکھ دیا۔ کمرے سے نکل کر دروازہ بند کر دیا اور تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے صحن والا دروازہ کھول دیا اور پھر اپنے باپ کو دیکھ کر وہ چونکے بغیر نہیں رہ سکی تھی اور حسب معمول اس کے قریب ہی اپنے دروازے کے سامنے رفیق بھی کھڑا تھا۔

رضیہ اپنے باپ کو راستہ دینے کے لیے دروازے سے ہٹ گئی۔ اس کے باپ کے ساتھ ہی رفیق بھی اندر آگیا۔ رضیہ نے برآمدے میں آکر ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول دیا۔

"آپ اندر چلیئے ڈیڈی.....اور مسٹر رفیق۔" رضیہ مڑ کر رفیق کی طرف دیکھنے لگی۔ "پلیز آپ....." اس نے جملہ ادھورا چھوڑ کر باہر کی طرف اشارہ کر دیا۔

رفیق صحن ہی میں رک گیا۔ اس نے دوسرے کمرے کے بند دروازے کی طرف دیکھا اور باہر نکل گیا۔ رضیہ نے صحن کا دروازہ بند کر دیا اور ڈرائنگ روم میں آگئی۔

"بیٹھیے ڈیڈی۔" وہ صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ "مجھے آپ کا پیغام ملا تھا لیکن دوسرے دن آپ آئے نہیں۔"

"ایک اور ضروری کام پڑ گیا تھا جس کی وجہ سے میں نہیں آسکا۔ میرا خیال تھا کہ اس دوران تم خود گھر کا چکر لگاؤ گی۔" اس کے ڈیڈی نے کہا۔

"آج کل میری نائٹ ڈیوٹی چل رہی ہے ڈیڈی۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "صبح سات بجے آنے کے بعد سو جاتی ہوں اور سارا دن سوتے میں گزر جاتا ہے اور پھر کہیں آنے جانے کا وقت ہی نہیں رہتا۔ آپ بیٹھئے' میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔"

رضیہ کہتے ہوئے باہر آگئی۔ اس نے اپنے کمرے میں آکر شارق کو اپنے باپ کے بارے میں بتایا اور پھر دروازہ بند کرکے کچن میں چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ چائے بنا کر دوبارہ ڈرائنگ روم میں آگئی۔

چائے پینے کے دوران رضیہ اپنی والدہ اور بہن بھائیوں کے بارے میں دریافت کرتی رہی اور پھر موقع پا کر بولی۔

"کوئی خاص کام تھا ڈیڈی؟"

"ہاں بیٹی۔" اس کے ڈیڈی نے گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "تین چار روز پہلے تمہارے مکان کا کرائے دار آیا تھا۔ تم جانتی ہو وہ ایک سرکاری آفیسر ہے۔ اس کا پشاور تبادلہ ہوگیا ہے اور وہ مکان خالی کرنا چاہتا ہے۔"

"تو ٹھیک ہے' مکان خالی کر دے۔" رضیہ بولی۔

"ایگریمنٹ کے مطابق اس نے ایک مہینے کا نوٹس دیا ہے تاکہ اس کی ڈیپازٹ کی رقم کی واپسی کا بندوبست ہو سکے۔ ویسے اس نے کہا ہے کہ وہ ایک مہینے کا کرایہ تو دے دے گا لیکن اگر پیسوں کا بندوبست ہو جائے تو وہ دو تین دن میں مکان خالی کرنے کو تیار ہے۔"

"ڈیڈی۔" رضیہ نے کہا۔ "کرائے سے ملنے والے پیسے تو آپ ہی کے پاس رہتے ہیں اور ڈیپازٹ کی رقم بھی آپ کے پاس ہے۔ آپ انہیں دے دیجئے۔"

"تمہارے سارے پیسے تو میں نے بینک اکاؤنٹ میں جمع کروا رکھے ہیں۔ مکان کا کرایہ بھی ہر مہینے بینک میں جمع کروا دیتا ہوں اور چیک بک میں نے تمہیں دیدی تھی۔" اس کے ڈیڈی نے کہا۔

"میں آپ کو چیک دے دیتی ہوں۔ آپ صبح بینک سے رقم نکلوا کر انہیں دے دیں اور ان سے ڈیپازٹ والی رسید واپس لے لیں۔ شاید تیس ہزار روپے دیئے تھے انہوں نے؟" رضیہ بولی۔

"ہاں۔ ایک بات اور....." ڈیڈی نے کہا۔ "پراپرٹی ڈیلر کو پتہ چل گیا ہے کہ مکان خالی ہونے والا ہے۔ اس نے کہا تھا کہ....."

"نہیں۔" رضیہ نے بات کاٹ دی۔ "ابھی مکان کسی اور کو مت دیں۔ میں چیک بک لے کر آتی ہوں۔"

رضیہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں آگئی اور الماری کھول کر چیک بک تلاش کرنے لگی۔ شارق

بستر پر خاموش لیٹا اس کی طرف دیکھتا۔ رہا۔ رضیہ الماری سے چیک بک نکال کر مڑی ہی تھی کہ اپنے ڈیڈی کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر اچھل پڑی۔ اسے سینے میں اپنا سانس رکتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ شارق نے بھی رضیہ کے باپ کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے بڑی پھرتی سے تکیے کے نیچے سے پستول نکال لیا۔

"یہ.....یہ کون ہے؟" ڈیڈی کبھی شارق اور کبھی رضیہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ "اس لیے تم نے مجھے دوسرے کمرے میں بٹھایا تھا۔ اتنا گر گئی ہو تم' میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا اور شاید اس لیے تم نے گھر چھوڑا تھا کہ الگ رہ کر ایسی گھٹیا حرکتیں کر سکو۔"

"آہستہ بولئے ڈیڈی۔" رضیہ بولی۔ "خدا کے لیے آپ غلط مت سمجھئے۔ میں آپ کو بتاتی ہوں' یہ سب کیا ہے۔"

"بند کرو یہ بکواس۔" ڈیڈی چیخے۔ "اب میں یہاں ایک منٹ بھی نہیں رکنا چاہتا۔"

"خدا کے لیے ڈیڈی۔" رضیہ نے ان کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔ "میں آپ کی بیٹی ہوں۔ میں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی جس سے آپ کی عزت پر حرف آئے۔ آپ بیٹھئے۔ میں آپ کو سب کچھ بتاتی ہوں۔" اس نے باپ کو ہاتھ سے پکڑ کر کرسی پر بٹھا دیا۔

رضیہ کا باپ کرسی پر بیٹھ تو گیا لیکن اس کے چہرے کے تاثرات بگڑے ہوئے تھے۔ وہ اب بھی خونخوار نظروں سے کبھی رضیہ کو اور کبھی شارق کو گھور رہا تھا۔ شارق نے پستول دوبارہ تکیے کے نیچے رکھ لیا۔

"یہ.....یہ کون ہے؟" ڈیڈی نے شارق کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ایک معصوم' مظلوم اور بے گناہ شخص جسے پولیس سے بچانے کے لیے میں نے یہاں پناہ دے رکھی ہے۔" رضیہ نے جواب دیا۔

"اوہ!" ڈیڈی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ وہ گہری نظروں سے شارق کا جائزہ لے رہے تھے۔ شارق کے سر پر بندھی ہوئی پٹی' گال پر بینڈیج اور ایک ٹانگ پر کریپ بینڈیج نے انہیں بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔ ابھی چند روز پہلے ہی تو اخباروں میں خبر چھپی تھی کہ ایک خطرناک مجرم اسپتال کے سرجیکل وارڈ سے فرار ہو گیا اور رضیہ کی ڈیوٹی بھی سرجیکل وارڈ ہی میں تھی۔ "شارق!" اور رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ "یہ تم نے کیا کیا رضیہ.....پولیس آج بھی اس کی تلاش میں ہے۔ اگر کسی کو شبہ ہو گیا کہ اسے تم نے اپنے کوارٹر میں پناہ دے رکھی ہے تو جانتی ہو کیا ہو گا؟"

"میں نے انجام کے بارے میں نہیں سوچا ڈیڈی۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "میں نے ایک بے گناہ کی مدد کی ہے اور مجھے انجام کی پروا نہیں ہے۔ ابھی تک کسی کو شبہ نہیں ہو سکا کہ شارق

ں ہے۔ آپ بھی اس راز کو اپنے تک ہی رکھئے اور یقین کیجئے میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔"

"غلط کام نہیں کیا۔" ڈیڈی نے اسے گھورا۔ "تم آگ سے کھیل رہی ہو بیٹی۔ میں تو سوچ رہا ں کہ اگر....."

"اس موضوع کو یہیں ختم کر دیجئے ڈیڈی۔" رضیہ نے ان کی بات کاٹ دی۔ "بس آپ سے ن درخواست ہے کہ اس راز کو راز ہی رہنے دیجئے۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی' پھر بولی۔ ں آپ کو چیک لکھ دیتی ہوں۔ پھر مجھے بھی ڈیوٹی پر جانے کی تیاری کرنی ہے۔"

اس دوران شارق خاموشی سے بستر پر لیٹا رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد رضیہ اور اس کا والد اٹھ باہر چلے گئے۔ وہ کچھ دیر آنگن میں کھڑے رہے۔ ان کی باتوں کی آواز شارق کو سنائی دے ں تھی لیکن الفاظ سمجھ میں نہیں آرہے تھے اور پھر غالباً رضیہ کا ڈیڈی چلا گیا تھا کیونکہ باہر کا ازہ بند ہونے کی آواز شارق نے سنی تھی۔ اس کے چند ہی سیکنڈ بعد رضیہ کمرے میں آگئی۔

"تمہارے ڈیڈی نے مجھے یہاں دیکھ لیا ہے' کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔" شارق نے رضیہ کی ف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی۔" رضیہ نے جواب دیا۔ "وہ کسی سے اس بات کا تذکرہ نہیں کریں ۔ امی کو بھی نہیں بتائیں گے۔ میں ڈیڈی کو جانتی ہوں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔" شارق بولا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ تمہارا یہ کوارٹر اب میرے لیے وظ نہیں رہا۔ تم نے بتایا تھا کہ تمہاری امی اور بہنیں بھی یہاں آتی رہتی ہیں۔ ان چار دنوں میں وہ نہیں آئیں لیکن اگر وہ آگئیں تو میری موجودگی راز نہیں رہ سکے گی۔ ظاہر ہے تم انہیں ف ڈرائنگ روم تک تو محدود نہیں رکھو گی۔ وہ مجھے یہاں دیکھ لیں گی۔"

"وہ جب آئیں گی تو دیکھا جائے گا۔" رضیہ نے کہا۔ "ویسے میں نے ڈیڈی سے کہہ دیا ہے ہ وہ دو چار دنوں تک امی اور بہنوں کو میرے ہاں آنے سے منع کر دیں۔"

"اب تو جو ہوگا' بھگتنا ہی پڑے گا۔" شارق نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"اچھا۔ میں تیاری کر لوں' ڈیوٹی کا وقت ہو رہا ہے۔" رضیہ نے کھونٹی پر ٹنگی ہوئی اپنی یفارم اتاری اور دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ لباس بدل کر آئی اور یٹنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر میک اپ کرنے لگی۔ وہ جب تیار ہو کر اٹھی تو شارق گہری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نرس کے لباس میں وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟" رضیہ مسکرائی۔

"اس لباس میں تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔" شارق نے کہا۔

رضیہ مسکراتی ہوئی اس پر جھک گئی اور پھر بے اختیار اس نے شارق کی پیشانی پر بوسہ دے دیا۔

"او کے۔ میں جا رہی ہوں۔ اب صبح ملاقات ہوگی۔" رضیہ نے کہا اور تیز روشنی کا بلب بجھا کر سبز رنگ کا نائٹ بلب جلا دیا۔

باہر نکل کر رضیہ نے دروازہ بند کرکے تالا لگا دیا اور شارق کے منہ سے بے اختیار گہرا سانس نکل گیا۔ اب اسے رات بھر مدھم روشنی میں اس کمرے میں بند رہنا تھا۔ شارق کے دماغ میں سنسناہٹ سی ہو رہی تھی۔ وہ اب بھی پیشانی پر رضیہ کے ہونٹوں کی تپش محسوس کر رہا تھا۔

شارق رضیہ کے بارے میں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں تھا۔ رضیہ جب اسے اپنے گھر لائی تھی تو اس وقت بھی شارق نے اس کے بارے میں کسی اور رنگ میں نہیں سوچا تھا۔ وہ محض ہمدردی میں اسے یہاں لے آئی تھی اور پھر بعد میں رضیہ کی باتوں سے یہ بھی پتا چل گیا تھا کہ رضیہ کو اس سے ہمدردی کیوں ہو گئی تھی۔ پہلی بات تو یہ کہ ثمینہ رضیہ کی بچپن کی دوست تھی۔ شارق کی مدد کرنے میں ثمینہ کی دوستی کا عنصر بھی شامل تھا اور دوسرا یہ کہ وہ ایک پولیس والے کی زیادتیوں کا شکار ہو چکی تھی۔ سب انسپکٹر سلیمان اگرچہ اس کا شوہر تھا لیکن اس نے رضیہ کے ساتھ جو کچھ بھی کیا تھا' اس وجہ سے رضیہ کو اس سے نفرت ہو گئی تھی اور تیسری سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ شارق کو مجرم نہیں سمجھتی تھی۔

رضیہ کے بقول وہ ثمینہ سے دوستی کے ناطے شارق کے بارے میں سب کچھ اخبارات میں پڑھتی رہی تھی۔ اخبارات نے کئی موقعوں پر شارق کی زندگی کے پورے حالات شائع کیے تھے۔ وہ واقعہ بھی تفصیل سے لکھا تھا جس نے شارق کی زندگی کا رخ بدل دیا تھا۔ وہ بارہ سال کی عمر کا تھا جب اس کے ماں باپ کو اس کی آنکھوں کے سامنے قتل کر دیا گیا تھا اور ایک سازش کے تحت اسی کو قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا تھا۔ وہ جیل بھگت کر باہر نکلا تو ایک تعلیم یافتہ نوجوان تھا۔ وہ سب کچھ بھول کر شرافت کی زندگی گزارنا چاہتا تھا لیکن قانون کے محافظوں نے اسے راستے سے بھٹکا دیا اور اس کے بعد جو کچھ بھی ہوتا رہا' وہ سب کچھ رضیہ کے علم میں تھا۔

رضیہ نے اس کی مدد کسی لالچ کے تحت نہیں کی تھی۔ اسے دولت کا لالچ بھی نہیں تھا۔ اگر دولت کا لالچ ہوتا تو بہت آسانی سے اسے اور ثمینہ کو قانون کے حوالے کرکے ایک کروڑ کا انعام حاصل کر سکتی تھی۔ اسے جنسی ہوس بھی نہیں تھی۔ اگر ایسی بات ہوتی تو ان پچھلے چار دنوں کے دوران وہ اپنی کسی نہ کسی حرکت سے اپنی خواہش کا اظہار ضرور کرتی مگر ایسا نہیں تھا۔ وہ ایک بہت اچھی مسیحا ثابت ہوئی تھی۔ ہر لحاظ سے شارق کا خیال رکھے ہوئے تھی۔ اس نے شارق کے لیے اپنے آپ کو اچھی خاصی مصیبت میں مبتلا کر رکھا تھا۔

ڈیوٹی پر جانے سے پہلے رضیہ رات کے لیے اس کا کھانا اور ضرورت کی ہر چیز چھوٹی میز پر رکھ کر میز کو مسہری کے قریب رکھ دیتی تھی تاکہ شارق کو بستر سے نہ اٹھنا پڑے۔ اس وقت بھی تمام چیزیں میز پر رکھی ہوئی تھیں۔

نو بجے کے قریب شارق نے کھانا کھا لیا اور وہ دوائیں بھی کھا لیں جو رضیہ الگ رکھ کر گئی تھی۔ ان دواؤں میں شاید نیند کا اثر بھی تھا کیونکہ ان کے کھانے کے تھوڑی ہی دیر بعد شارق پر غنودگی سی طاری ہونے لگی تھی۔

کئی روز بعد شارق گہری نیند سویا تھا۔ وہ عام طور پر صبح سوا سات ساڑھے سات بجے جاگ جایا کرتا تھا لیکن اس روز ساڑھے سات بجے رضیہ ڈیوٹی سے واپس آئی تو شارق سو رہا تھا اور اسے رضیہ ہی نے جگایا تھا۔

ناشتے کے دوران وہ باتیں کرتے رہے۔ ناشتے کے بعد رضیہ نے شارق کو دوائیں وغیرہ کھلائیں۔ اس کے سر اور بازو کی پٹیاں تبدیل کیں اور پھر اپنے دوسرے کام نمٹانے کے بعد مسہری کے قریب ہی دری پر لیٹ کر سو گئی۔ شارق اپنے پلنگ پر دیر تک لیٹا اس کی طرف دیکھتا رہا۔ گہری نیند سوئی ہوئی رضیہ کتنی معصوم لگ رہی تھی۔ اسے اس بات کی بھی پروا نہیں تھی کہ وہ جس کمرے میں سوئی ہوئی ہے' وہاں ایک خونی' قاتل اور اسمگلر بھی موجود ہے جو اس کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی کر سکتا ہے اور وہ مزاحمت اس لیے نہیں کر سکتی تھی کہ وہ خود اس شخص کو یہاں لے کر آئی تھی اور پولیس سے بچانے کے لیے اسے اپنے گھر میں پناہ دی تھی۔ یہ راز فاش ہو جانے کی صورت میں وہ خود بھی قانون کے شکنجے میں آسکتی تھی لیکن رضیہ نے اس کی پروا نہیں کی تھی۔ اس نے اپنی زندگی داؤ پر لگائی تھی تو شارق پر بھی بھروسہ کیا تھا۔ وہ پہلے ہی روز سے اسی کمرے میں شارق کی مسہری کے قریب ہی سو رہی تھی۔ اسے یہ یقین پہلے ہی روز سے تھا کہ شارق اس کے ساتھ کوئی نازیبا حرکت نہیں کرے گا اور شارق رضیہ کے اس یقین کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔

دوپہر تین بجے رضیہ اٹھ گئی۔ اس نے شارق کو کھانا کھلایا اور خود بھی کھایا۔ پھر اسے سونے کا موقع نہیں مل سکا۔

چار بجے کے قریب شاہ پری اور ثمینہ بھی پہنچ گئیں۔ ثمینہ کا اصرار تھا کہ آج وہ شارق کو اپنے ساتھ لے جائے گی۔

"میرا خیال ہے کہ ایسا کرنا مناسب نہیں ہوگا۔" رضیہ نے کہا۔ "یہاں میں اس کی دیکھ بھال

کر رہی ہوں۔ دوائیں بھی مل رہی ہیں جبکہ گھر لے جانے کے بعد اس قسم کے کچھ مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔"

"ڈاکٹر احمد اس کا علاج جاری رکھے گا۔ وہ اسے دیکھنے کے لیے روزانہ دو یا تین بار بھی آسکتا ہے۔ اس کے علاوہ....." ثمینہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی' پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "اس کے علاوہ شارق کے لیے یہاں خطرات بڑھ رہے ہیں۔ کل تمہارے ڈیڈی آئے تھے۔ بقول تمہارے وہ تو اس راز کو فاش نہیں ہونے دیں گے لیکن یہاں کسی وقت کوئی اور بھی آسکتا ہے۔ اس طرح یہ راز' راز نہیں رہے گا۔ تمہارے لیے بھی ایک مسئلہ بن جائے گا۔ اس وقت خوف کی جو ایک تلوار تمہاری گردن پر لٹکی ہوئی ہے' شارق کو یہاں سے لے جانے سے کم از کم وہ خطرہ تو دور ہو جائے گا۔"

ہاں.....یہ خوف تو ہے۔" رضیہ نے اس کی تائید کی۔ "لیکن اس وقت شارق کے لیے چلنا پھرنا خطرناک ہو سکتا ہے۔ میرا خیال ہے ایک دو دن اور رک جاؤ۔ اس کی حالت ذرا کچھ بہتر ہو جائے تو....."

باہر کے دروازے پر دستک کی آواز سے اس کی بات ادھوری رہ گئی۔

"تم لوگ دوسرے کمرے میں چلو۔ میں دیکھتی ہوں کون ہے۔" رضیہ اٹھتے ہوئے بولی۔ "جو بھی ہوا' میں اسے دوسرے کمرے میں لے جاؤں گی اور اسے اس طرف آنے کا موقع ہی نہیں دوں گی۔"

وہ دونوں بھی رضیہ کے ساتھ ہی شارق والے کمرے سے باہر نکل آئیں۔ رضیہ نے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول دیا اور انہیں اندر جانے کا اشارہ کرکے باہر والے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

وہ نرس شکیلہ تھی۔ ابھی ڈیوٹی کا وقت بہت دور تھا اور پھر رضیہ کا رویہ دیکھ کر شکیلہ نے آنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ ابھی تو پانچ بھی نہیں بجے تھے۔ شکیلہ شاید کسی کام سے آئی تھی۔ رضیہ اسے ڈرائنگ روم میں لے آئی جہاں ثمینہ اور شاہ پری بھی موجود تھیں۔

"یہ میری دوست ہیں۔" رضیہ نے ثمینہ اور شاہ پری کا تعارف کرایا۔ "ثمینہ؟" شکیلہ اس نام پر چونک گئی۔ "یہ وہی ثمینہ تو نہیں جن کا تم اکثر تذکرہ کیا کرتی تھیں یعنی تمہارے بچپن کی دوست اور شارق کی ساتھی؟"

"تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔" رضیہ نے اسے گھورا۔ ویسے اسے بھی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا کہ اسے ثمینہ کا اصل نام سے تعارف نہیں کرانا چاہیے تھا۔ "اس ثمینہ کا اب مجھ سے کیا تعلق؟" اس نے کہا۔ "وہ تو جب کبھی اخبار میں اس کا نام چھپ جاتا ہے تو وہ مجھے یاد آجاتی ہے؟

اور میں تم سے اس کی باتیں کرنے لگتی ہوں۔ شارق والی ثمینہ تو اب نہایت خطرناک بن چکی ہے۔ اس کا نام بھی زبان پر لانا خطرناک ہو سکتا ہے۔ یہ تو سمیرا کی بڑی بہن ہے۔ سمیرا کو جانتی ہو ناں..... نرسنگ ٹریننگ میں وہ ہمارے ساتھ تھی لیکن چند مہینوں بعد ہی چھوڑ کر چلی گئی تھی۔"

"ہاں۔ سمیرا مجھے اچھی طرح یاد ہے۔" شکیلہ نے کہا۔ "تمہاری تو اس سے بڑی گہری دوستی ہو گئی تھی اور تم اکثر اس کے گھر بھی جایا کرتی تھیں۔"

"ہاں۔ یہ سمیرا کی بڑی بہن ہے۔" رضیہ نے کہا۔ "ابھی سمیرا ہی کی باتیں ہو رہی تھیں۔ اس کی شادی ہو چکی ہے اور وہ مسقط چلی گئی ہے۔ یہ ثمینہ کبھی کبھار آجاتی ہے۔ آج تو کافی عرصہ بعد آئی ہے۔"

"ان کا نام تم نے کیا بتایا۔ شاہ پری.....بڑا عجیب سا نام ہے۔" شکیلہ' شاہ پری کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"عجیب سا کیوں؟" رضیہ نے اسے گھورا۔ "اسم بامسمّٰی ہے۔ پریوں کی شہزادی لگتی ہے یا نہیں؟"

"ہاں.....ہے تو پریوں کی شہزادی۔" شکیلہ مسکرا دی۔

وہ دیر تک باتیں کرتیں رہیں۔ پھر شکیلہ نے بتایا کہ اس کی والدہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اس کا بھائی گاؤں سے اسے لینے کے لیے آیا ہے اور وہ ایک ہفتے کی چھٹی پر جا رہی ہے اور رضیہ سے ملنے آئی تھی۔

باتوں کے دوران شکیلہ بار بار ثمینہ کی طرف دیکھ رہی تھی اور یہ بات ثمینہ نے بھی نوٹ کر لی تھی۔ شکیلہ کے جانے کے بعد وہ رضیہ کو گھورنے لگی۔

"میرا نام بتانے کی کیا ضرورت تھی؟" وہ بولی۔ "میرا خیال ہے۔ اسے میرے بارے میں کوئی شبہ ہو گیا ہے۔ وہ بار بار مشتبہ نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ تم نے سمیرا کی بہن کے بارے میں جو من گھڑت کہانی سنائی تھی' مجھے یقین ہے کہ شکیلہ کو اس کہانی پر یقین نہیں آیا۔"

"مجھے بھی اس غلطی کا احساس ہو گیا تھا کہ مجھے تمہارا نام نہیں بتانا چاہیے تھا لیکن بہرحال' شکیلہ ایسی لڑکی نہیں ہے کہ ادھر ادھر باتیں کرتی پھرے۔ ویسے بھی آج تو وہ گاؤں جا رہی ہے۔ ایک ہفتے کی چھٹی لی ہے اس نے۔ اس وقت تک شارق یہاں سے جا چکا ہوگا۔"

"لیکن اگر اس نے کہیں بات کر دی تو تم سے تو ثمینہ ہی کے بارے میں پوچھا جائے گا۔" ثمینہ نے اسے گھورا۔

"میں نمٹ لوں گی۔ تم فکر مت کرو۔" رضیہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "خدانخواستہ اگر کوئی ایسی

بات ہوئی تو میں اپنی جان دے دوں گی لیکن تم میں سے کسی کا نام میری زبان پر نہیں آئے گا۔ آؤ شارق کے پاس چل کر بیٹھتے ہیں۔"

وہ اٹھ کر دوبارہ شارق کے کمرے میں آگئیں۔ شارق خاموش لیٹا ہوا تھا' انہیں دیکھ کر وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔

"کیا بات ہے' لیٹے رہو آرام سے۔" رضیہ نے آگے بڑھ کر کہا۔

"باتھ روم جانا چاہتا ہوں۔" شارق نے کہا۔

"میں لے جاتی ہوں۔" ثمینہ ہنستے ہوئے آگے آگئی۔ دونوں نے سہارا دے کر شارق کو مسہری سے اتارا اور ثمینہ اسے سہارا دے کر چلاتی ہوئی باتھ روم لے گئی۔

ثمینہ اور شاہ پری ساڑھے چھ بجے تک وہاں رہی تھیں۔ حسب معمول پڑوسی رفیق دروازے کے سامنے کھڑا تھا۔ ثمینہ وغیرہ اس کی طرف توجہ دیئے بغیر آگے بڑھ گئیں۔

رضیہ اپنے وقت پر ڈیوٹی پر چلی گئی اور شارق بند کمرے میں اکیلا رہ گیا۔

پانچ چھ دن اسی طرح گزرے تھے اور شارق بیزاری کی حد تک بوریت محسوس کرنے لگا تھا۔ چلنے پھرنے سے تو وہ فی الحال معذور ہو ہی چکا تھا لیکن وہ تازہ ہوا تک کو بھی ترس گیا تھا۔ رضیہ گھر میں ہوتی تو کمرے کا دروازہ تو کھول دیا جاتا مگر پردہ پڑا رہتا تھا۔ پچھلی دیوار کی کھڑکی نہیں کھولی جا سکتی تھی۔ کئی روز سے اس نے آسمان نہیں دیکھا تھا۔ اسے لگتا تھا جیسے زندگی بس چند فٹ کے اسی کمرے تک محدود ہو کر رہ گئی ہو۔ وہ اس کمرے سے نہ تو باہر نکل سکتا تھا اور نہ ہی اونچی آواز میں بول سکتا تھا کیونکہ اندیشہ تھا کہ پڑوسی اس کی آواز نہ سن لیں۔ وہ یہاں پڑے پڑے واقعی اکتا گیا تھا۔

صبح رضیہ ڈیوٹی سے واپس آئی تو ناشتہ کرنے اور دوسرے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد حسب معمول دری پر سو گئی۔ شارق مسہری پر لیٹا سامنے والی دیوار کو گھورتا رہا۔

باہر سے بچوں کے شور کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ لوگ کوارٹرز کے سامنے شاید کرکٹ کھیل رہے تھے اور غالباً ان کے کھیل میں بڑی عمر کے دو تین آدمی بھی شریک تھے کیونکہ کبھی کبھی ان کی آوازیں بھی سنائی دے جاتی تھیں۔

کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا البتہ سامنے پردہ پڑا ہوا تھا جو ہوا سے ہل رہا تھا۔ کبھی پردہ ذرا سا ہٹ جاتا تو صحن میں چمکتی ہوئی دھوپ نظر آجاتی۔

دفعتاً" شارق چونک گیا۔ ایسی آواز سنائی دی تھی جیسے گیند صحن میں گری ہو۔ گیند دو تین ٹپے کھانے کے بعد کہیں رک گئی تھی۔ اس کے فوراً ہی بعد دروازے پر دستک کی آواز سنائی

دی۔ شارق کو سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ گیند لینے کے لیے کسی بچے نے دروازہ کھٹکھٹایا تھا اور اگر دروازہ نہ کھولا گیا تو وہ دیوار پھلانگ کر اندر آجائے گا۔

شارق مسہری پر ایک طرف جھک کر رضیہ کو جگانے کی کوشش کرنے لگا لیکن وہ گہری نیند میں تھی۔ شارق کی سرگوشیاں اس کی نیند پر اثرانداز نہیں ہو سکیں۔

دھپ کی آواز سن کر شارق ایک بار پھر چونک گیا۔ اس بچے سے دروازہ کھلنے کا انتظار نہیں ہو سکا تھا اور وہ دیوار پر چڑھ کر اندر کود گیا تھا۔

شارق کو صحن میں دبے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ اسی وقت ہوا سے پردہ ہل کر ذرا سا ایک طرف ہٹا اور اس کے ساتھ ہی شارق کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ بچہ نہیں' کوئی آدمی تھا جو صحن میں پڑی ہوئی گیند اٹھا رہا تھا۔

شارق نے اپنی ٹانگ نیچے لٹکا کر رضیہ کے کندھے کو ہلایا۔ رضیہ نے کسمسا کر آنکھیں کھول دیں۔

"کیا ہے بھئی۔ سونے دو ناں۔"

"رضیہ!" شارق نے سرگوشی کی۔ "باہر صحن میں کوئی ہے۔"

"تمہیں وہم ہو گیا ہے۔ دروازہ اندر سے بند ہے۔ صحن میں کون ہو سکتا ہے۔" رضیہ نے آنکھیں ملتے ہوئے جواب دیا۔

"باہر بچے کرکٹ کھیل رہے ہیں۔ ان کی گیند اندر آگئی تھی اور کوئی آدمی اندر کود کر آیا ہے۔" شارق نے کہا۔ اس کی نظریں دروازے کی طرف تھیں۔ اسی وقت ہوا سے پردہ ایک بار پھر ذرا سا ہٹا تھا اور شارق نے اس آدمی کو دیکھ لیا تھا جو دبے قدموں دروازے کی طرف بڑھ رہا تھا۔

"رضیہ! اٹھ کر دیکھو۔ صحن میں کوئی آدمی موجود ہے۔" شارق نے ایک بار پھر سرگوشی کی۔

رضیہ آنکھیں ملتی ہوئی اٹھ گئی اور ٹھیک اسی لمحہ دروازے کا پردہ ہٹا اور ایک آدمی اندر آگیا۔ شارق نے بڑی پھرتی سے تکیے کے نیچے سے پستول نکال کر اس شخص کو زد میں لے لیا لیکن رضیہ اس شخص کو دیکھ کر کانپ اٹھی تھی۔

"تت..... تم....." رضیہ ہکلا کر رہ گئی۔

"مجھے کئی روز سے شبہ تھا کہ یہاں دال میں کچھ کالا ہے۔" رفیق معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے بولا۔ "اب پتہ چل گیا ہے کہ چند روز سے تمہاری سرگرمیاں اتنی پراسرار کیوں ہو گئی تھیں اور یہ بات بھی سمجھ میں آگئی ہے کہ پورے اسپتال کا محاصرہ کر لینے کے باوجود پولیس سرجیکل

وارڈ سے فرار ہونے والے خطرناک مجرم شارق کا سراغ کیوں نہیں لگا سکی تھی۔"

"یہ راز جاننے کے بعد کیا تم یہاں سے زندہ واپس جا سکو گے مسٹر؟" شارق نے پستول کو حرکت دیتے ہوئے کہا۔ "رضیہ یہ کون ہے؟"

"ہمارا پڑوسی ہے رفیق۔" رضیہ نے بتایا' اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔

"مسٹر شارق۔" رفیق ایک قدم آگے بڑھ آیا۔ "تمہاری دھمکی اس لیے بیکار ہے کہ تم گولی چلا نہیں سکتے۔ بالفرض تم نے مجھے مار بھی دیا تو خود یہاں سے زندہ نہیں جا سکو گے۔ گولی کی آواز دور تک سنائی دے گی اور لوگ یہ جاننے کے لیے ادھر ضرور آئیں گے کہ یہاں گولی کیوں چلی۔ اس لیے تمہاری یہ دھمکی مجھ پر کوئی اثر نہیں کر سکتی۔ البتہ ایک اور راستہ ہے تمہارے بچ جانے کا۔"

"کیا چاہتے ہو؟" شارق نے اسے گھورا۔

"تم سے نہیں۔" رفیق کہہ کر رضیہ کی طرف دیکھنے لگا۔ "میں اس سے معاملہ طے کروں گا۔ کیوں بلوجی!" اس نے آگے بڑھ کر رضیہ کا گال نوچ لیا۔

رضیہ کے منہ سے ہلکی سی سسکاری نکل گئی۔ اس کا خون کھول کر رہ گیا۔ خون تو شارق کا بھی کھول گیا تھا لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ بے بس ہو کر رہ گیا تھا۔ رفیق نے ٹھیک ہی کہا تھا کہ اسے تو گولی مار کر ہلاک کیا جا سکتا تھا لیکن اس کے بعد وہ خود بھی نہیں بچ سکیں گے۔"

"میں باہر بچوں کے ساتھ کرکٹ کھیل رہا ہوں۔ گیند اندر آگئی تھی جو میں لینے آیا تھا۔ اگر مجھے واپس جانے میں دیر ہو گئی تو بچے بھی شک کریں گے۔ میں ایک گھنٹے بعد واپس آؤں گا اور تم سے بات کروں گا۔" رفیق نے رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ باہر نکلنے سے پہلے وہ مڑا اور باری باری ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں فی الحال کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔ ایک گھنٹے بعد واپس آؤں گا اور اگر اس وقت مذاکرات ناکام ہوئے تو....." وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر کمرے سے نکل گیا۔

وہ واپس بھی دیوار پھاند کر گیا تھا۔

شارق نے اپنے آپ کو زندگی میں کبھی اتنا بے بس محسوس نہیں کیا تھا۔ وہ رضیہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ رضیہ کچھ دیر اپنی جگہ پر کھڑی رہی' پھر دوڑ کر شارق سے لپٹ گئی۔ اس نے اپنا سر شارق کے سینے پر رکھ دیا۔ شارق اس کا کندھا سہلانے لگا۔

"وہ کچھ نہیں کر سکتا۔" رضیہ ایک جھٹکے سے سیدھی ہو گئی۔ "میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔" شارق مسکراتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

وہ دونوں رفیق کا انتظار کرتے رہے۔ رفیق کہہ کر گیا تھا کہ وہ ایک گھنٹے بعد آئے گا اور رضیہ سے معاملہ طے کرے گا۔ شارق بھی اچھی طرح سمجھتا تھا کہ وہ رضیہ سے کیا معاملہ طے کرے گا۔ رضیہ خوبصورت تھی' جوان تھی اور رضیہ ہی کے کہنے کے مطابق رفیق کئی دنوں سے اس کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ اس کی اپنی بیوی اگرچہ رضیہ سے زیادہ خوبصورت تھی لیکن رفیق بدنیت آدمی تھا۔ وہ کسی ایک عورت پر اکتفا کرنے والا نہیں تھا۔ اس کے دل میں ہوس تھی۔ وہ نجانے کتنی عورتوں کے پیچھے لگا ہوا ہوگا اور کئی مرتبہ پٹا بھی ہوگا۔ سرِعام عورتوں سے پٹائی بھی ایسے بے غیرت قسم کے آدمیوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ ان کا تو ایک ہی علاج تھا کہ ان کے ہاتھ پیر توڑ کر انہیں بالکل مفلوج کر دیا جائے اور وہ زندگی کے آخری لمحوں تک یہ یاد رکھیں کہ انہیں کس بات کی سزا ملی تھی۔

نرس رضیہ ایک شریف عورت تھی۔ اس نے ایک سال تک اپنے جلاد شوہر کے ظلم سہے تھے۔ اس کا شوہر اسے دوسروں کے لیے بھی کھلونا بنانا چاہتا تھا لیکن اس نے سر نہیں جھکایا تھا۔ وہ بدکردار نہیں تھی۔ اس نے اپنی جان خطرے میں ڈال کر اسے اپنے گھر میں پناہ دی تھی۔ وہ اسے مجرم نہیں' بے گناہ سمجھتی تھی اور شارق ایسا بے غیرت نہیں تھا کہ اپنی محسنہ کو کسی کے ہاتھوں اس طرح ذلیل ہونے دیتا۔

دوپہر ہو گئی لیکن رفیق نہیں آیا۔ رضیہ نے ایک دو مرتبہ باہر جا کر بھی دیکھا تھا۔ اس کی بیوی اسپتال میں ڈیوٹی پر تھی اور گھر تالا لگا ہوا تھا جبکہ رفیق عام طور پر گھر پر ہی رہتا تھا لیکن اب وہ غائب تھا۔ شارق کے دل میں طرح طرح کے وسوسے جنم لے رہے تھے۔ اسے یہ اندیشہ تھا کہ رفیق کہیں پولیس کے پاس نہ چلا گیا ہو۔ وہ رضیہ کے پیچھے اس لیے لگا ہوا تھا کہ وہ جوان اور خوبصورت تھی۔ وہ اس سے اپنی ہوس کی پیاس بجھانا چاہتا تھا لیکن پچاس لاکھ روپے بڑی رقم تھی۔ اس رقم میں تو وہ خوبصورت عورتوں کی فوج جمع کر سکتا تھا۔

رضیہ کے ذہن میں بھی کچھ ایسے ہی خیالات آرہے تھے۔ اس نے رفیق سے تو نمٹنے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن اگر وہ واقعی پولیس کو یہاں لے آیا تو وہ کیا کر سکے گی۔ اس نے اپنے خدشات کا

اظہار شارق کے سامنے بھی کر دیا تھا۔

"میں بھی کچھ ایسا ہی سوچ رہا ہوں۔" شارق نے کہا۔ "لیکن تم فکر مت کرو۔ میرے پستول میں چھ گولیاں ہیں۔" اس نے تکیے کے نیچے سے پستول نکال لیا۔ "کم از کم چھ آدمیوں کو مار کر ہی کسی کو آگے بڑھنے کا موقع دوں گا۔"

"ایک ریوالور میرے پاس بھی ہے اور وہ بھی بھرا ہوا ہے۔" رضیہ نے کہا۔

"تمہارے پاس ریوالور!" شارق نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔" رضیہ نے سر ہلایا۔ "میرے شوہر کے انتقال کے بعد یہ ریوالور اس کے سامان سے نکلا تھا جو میں نے اب تک سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔"

"میرا خیال ہے' وہ اس کا سرکاری ریوالور ہو گا اور....."

"جب وہ ڈاکوؤں سے مقابلے میں ہلاک ہوا تو سرکاری ریوالور اس کے پاس موجود تھا جو پولیس نے جمع کر لیا تھا۔ یہ ریوالور تو اس کے صندوق میں رکھا ہوا تھا۔" وہ چند لمحوں کو خاموش ہوئی' پھر بولی۔ "سلمان جس فطرت کا آدمی تھا' اس سے کسی بھی بات کی توقع کی جا سکتی تھی۔ ہو سکتا ہے یہ ریوالور اس نے دفتر سے چرا کر گھر میں چھپا رکھا ہو یا کسی مجرم سے چھینا ہو جسے سرکاری مال خانے میں جمع کرانے کے بجائے اپنے پاس رکھ لیا ہو۔ میں دکھاتی ہوں تمہیں۔"

رضیہ نے مسہری کے نیچے سے ایک ٹرنک کھینچ لیا جسے تالا لگا ہوا تھا۔ اس نے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی ہوئی چابیوں کا گچھا اٹھا کر ایک چابی منتخب کی اور تالا کھول کر صندوق کا ڈھکنا اٹھا دیا۔

وہ ریوالور کپڑوں کے نیچے چھپا ہوا تھا۔ رضیہ نے نال کی طرف سے بڑی احتیاط سے ریوالور اٹھایا اور شارق کے ہاتھ میں تھما دیا۔

وہ اسمتھ اینڈ ویسن کا چھوٹی نال والا ریوالور تھا۔ اس کی چمک دمک سے اندازہ ہوتا تھا کہ بہت کم استعمال ہوا تھا۔ شارق اسے الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ یہ سرکاری ریوالور نہیں تھا۔ اگر سرکاری ریوالور ہوتا تو اس پر نمبر ضرور لکھا ہوتا۔ اسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ سلمان نے یہ ریوالور کسی مجرم سے چھینا ہو گا۔ اس نے ریوالور کا سیفٹی کیچ ہٹا کر ریوالور کو کھول لیا۔ اس کے چیمبر میں چھ کی چھ گولیاں بھری ہوئی تھیں۔ اس نے چیمبر بند کر دیا۔

"بہت اچھا ریوالور ہے۔" شارق بولا۔ "اسے اب ٹرنک میں بند کرنے کی بجائے کسی ایسی جگہ پر رکھو جہاں سے تم آسانی سے اٹھا سکو۔"

"تو پھر اسے اپنے پاس ہی رکھ لو۔" رضیہ نے کہا۔

شارق نے وہ ریوالور بھی اپنے تکیے کے نیچے رکھ لیا۔

"تم شاید بھول گئی ہو کہ ہم نے ابھی تک دوپہر کا کھانا نہیں کھایا۔" شارق اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

"اس خبیث کی وجہ سے تو میں واقعی کھانا بھی بھول گئی تھی۔" رضیہ نے کہا۔

"کھانا کھانے کو تو اب دل نہیں چاہ رہا۔ البتہ چائے بنا لو اور ہاں اس خبیث کی وجہ سے زیادہ ٹینشن مت لو۔ جو ہو گا' دیکھا جائے گا۔" شارق نے کہا۔

رضیہ اٹھ کر مسکراتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ تقریباً بیس منٹ بعد وہ چائے بنا کر لے آئی۔ شارق مسہری کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ رضیہ نے ایک کپ اس کے ہاتھ میں دے دیا اور دوسرا خود لے کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

"حیرت ہے' یہ کمبخت کہاں غائب ہو گیا۔" رضیہ نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔ اس کا اشارہ رفیق کی طرف تھا۔

"کہیں بھی گیا ہو لیکن اب یہ بات میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ پولیس کے پاس نہیں گیا۔" شارق نے کہا۔

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟" رضیہ نے الجھی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"وہ صبح دس بجے کے قریب یہاں آیا تھا اور اب تین بج رہے ہیں۔" شارق نے جواب دیا۔ "اگر وہ پولیس کے پاس گیا ہوتا تو پولیس اب تک ہمارے خلاف کارروائی کر چکی ہوتی۔ رفیق یقیناً کسی اور چکر میں ہو گا۔"

رضیہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ دروازے پر دستک کی آواز ابھری۔

"میرا خیال ہے' وہ خبیث آگیا ہے۔" رضیہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے دل کی دھڑکن یک دم تیز ہو گئی تھی۔ "میں اسے دوسرے کمرے میں لے جاؤں گی۔ اگر اس نے کوئی حرام زدگی کی تو میں اس کا گلا گھونٹ دوں گی۔"

"حرام زدگی کے علاوہ وہ یہاں کیا کرنے آئے گا۔" شارق بولا۔

رضیہ باہر چلی گئی۔ اس نے دروازہ کھلا چھوڑ دیا تھا۔ تقریباً دو منٹ بعد صحن میں نسوانی آوازیں سنائی دیں۔ شارق کے منہ سے گہرا سانس نکل گیا۔ وہ ثمینہ اور شاہ پری کی آوازیں تھیں' اندر آگئیں۔

رضیہ نے ان کے لیے بھی چائے بنا لی۔ چائے پینے کے دوران شارق نے ان دونوں کو بھی بتا دیا کہ اس کا راز فاش ہو چکا ہے۔

"اوہ....." ثمینہ چونک گئی۔ "پھر تو تمہارا یہاں رہنا خطرناک ہے۔ ہمیں فوراً یہاں سے نکل

جانا چاہیے۔"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" شارق بولا۔ "جس شخص کو اس راز کا پتہ چلا ہے' وہ اپنے آپ کو رضیہ کا عاشق کہتا ہے اور یہ راز چھپانے کے لیے رضیہ سے معاملہ طے کرنا چاہتا ہے۔"

"اوہ سمجھی۔" ثمینہ نے رضیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ تمہارا پڑوسی رفیق تو نہیں جس کے بارے میں تم ہمیں پہلے بھی بتا چکی ہو۔"

"ہاں وہی ہے۔" رضیہ نے جواب دیا۔

"تم فکر مت کرو۔" ثمینہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "آنے دو اسے۔ ہم دونوں یہاں موجود ہیں۔ اس کے ہوش نہ اڑا دیئے تو نام بدل دینا۔"

اس کے بعد وہ لوگ رفیق ہی کے بارے میں باتیں کرتے رہے۔ تقریباً چار بجے کے لگ بھگ رفیق آگیا۔ رضیہ نے اسے دوسرے کمرے میں بٹھایا تھا۔ اس کے چند سیکنڈ بعد ہی ثمینہ بھی اس کمرے میں آگئی۔ رفیق ثمینہ کو دیکھ کر چونک سا گیا۔ ثمینہ کے ہونٹوں پر بڑی دلفریب مسکراہٹ تھی۔ وہ رفیق کے سامنے والی کرسی پر اس طرح آگے کو جھک کر بیٹھی تھی کہ رفیق کے واقعی ہوش اڑ گئے تھے۔

ثمینہ باتیں کرتے کرتے اٹھ کر رفیق والے صوفے پر آگئی اور جان بوجھ کر اس طرح بیٹھی کہ اس کا جسم رفیق کے جسم کو چھو رہا تھا۔ رفیق اپنے آپ میں سنسنی کی سی کیفیت محسوس کرنے لگا۔ ثمینہ نے آنکھ سے رضیہ کو اشارہ کر دیا۔ وہ بہانہ بنا کر وہاں سے اٹھ گئی۔ ثمینہ سرک کر رفیق کے ساتھ لگ گئی اور اپنا ایک ہاتھ پیچھے سے نکال کر رفیق کے کندھے پر رکھ دیا۔ رفیق کی عجیب حالت ہو رہی تھی۔

"میں کیسی لگ رہی ہوں رفیق صاحب؟" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

"ب۔۔۔۔ بہت اچھی۔" رفیق ہکلایا۔

"میرے چہرے کو غور سے دیکھ کر بتایئے۔ پہلے کبھی دیکھا ہے مجھے؟" ثمینہ بولی۔

"کچھ جانا پہچانا سا لگتا ہے۔" رفیق نے جواب دیا۔

"میں بتاتی ہوں' میں کون ہوں۔" ثمینہ اس کے اوپر جھک گئی۔ اس کے ہونٹوں کی مسکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی تھی۔ "میں ثمینہ ہوں۔ وہی ثمینہ جسے ضلع بھر کی پولیس تلاش کر رہی ہے۔ شارق کی ساتھی۔"

"ث۔۔۔۔ ثمینہ۔" رفیق ایک بار پھر ہکلایا۔

"ہاں وہی ثمینہ۔" ثمینہ بولی۔ "جسے پورے ضلع کی پولیس تلاش کر رہی ہے۔ وہ کتنی آسانی سے آپ کی آغوش میں آگئی ہے۔ اب آپ کے سامنے دو راستے ہیں۔" وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی' پھر بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگی۔ "میرے اور شارق کے بارے میں پولیس کو اطلاع دے کر یا تو آپ انعام حاصل کر لیجئے اور یا زندگی کے مزے لے لیجئے۔ میں اب آپ کے سامنے ہوں۔ میں ہی نہیں' میری دوسری ساتھی اور نرس رضیہ بھی۔۔۔۔۔ ہم تینوں آپ کی خواہش کا احترام کریں گی لیکن ایک بات ذہن میں رکھئے۔ ہمیں پولیس کے حوالے کرنے کی صورت میں آپ کو انعام تو مل جائے گا لیکن ہم ایک دو دن سے زیادہ پولیس کی کسٹڈی میں نہیں رہ سکیں گے اور اس کے بعد آپ کا جو انجام ہوگا' اس کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ البتہ دوسری صورت میں آپ عیش کریں گے۔ اب فیصلہ کرنا آپ کے ہاتھ میں ہے۔"

"مم۔۔۔۔ میں پولیس کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔" رفیق نے جواب دیا۔ ثمینہ کی واضح دلیل کے بعد اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات ابھر آئے تھے۔ "مم۔۔۔۔ میں دوسرا راستہ پسند کروں گا۔"

"عقلمند ہیں آپ۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

رفیق بڑی حد تک اپنی کیفیت پر قابو پا چکا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ ثمینہ کی پشت پر رکھ دیا۔ اسی لمحہ رضیہ اور شاہ پری کمرے میں داخل ہوئیں۔ ثمینہ ایک جھٹکے سے سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ رفیق بھی سنبھل گیا۔ وہ شاہ پری کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ ثمینہ اور شاہ پری کو کئی روز سے یہاں آتے دیکھ رہا تھا۔ وہ دونوں ہمیشہ برقعہ اور چادر اوڑھے ہوتی تھیں۔ رفیق ہر مرتبہ ان کی صرف آنکھیں ہی دیکھ پایا تھا اور ان آنکھوں سے ہی اس نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ بہت حسین ہوں گی اور اب وہ دونوں اس کے سامنے موجود تھیں اور اس کی توقع سے کہیں زیادہ حسین تھیں۔ رضیہ تو اسے اب ان کے سامنے ہیچ نظر آنے لگی تھی اور پھر مزے کی بات یہ تھی کہ اس کے سامنے ثمینہ بیٹھی ہوئی تھی جس کے نام کی دہشت پورے شہر میں پھیلی ہوئی تھی۔ لوگ اس کا نام سن کر کانپ اٹھتے تھے۔ وہی ثمینہ آج اپنے آپ کو اس کے سپرد کر رہی تھی۔ وہ کسی موقع پر یہ تو کہہ سکے گا کہ وہ ثمینہ کے حسن و شباب سے کھیل چکا ہے۔

شاہ پری بھی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ ثمینہ اور شارق کے ساتھ یہ نام اس نے پہلی مرتبہ سنا تھا لیکن وہ بھی قیامت تھی۔ رضیہ تو واقعی اب ان دونوں کے سامنے ہیچ نظر آرہی تھی لیکن اس کے خیال میں چٹنی کے طور پر اسے بھی استعمال کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔

"بات یہ ہے رفیق صاحب۔" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "ایسی حرکتوں کے

لیے رضیہ کا یہ کوارٹر مناسب نہیں ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہاں کوئی نہ کوئی آتا ہی رہتا ہے۔ اس طرح معاملہ گڑبڑ ہو جائے گا۔"

"تو پھر.....؟" رفیق نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ اب وہ بڑی حد تک اپنے آپ پر قابو پا چکا تھا۔

"ہم دونوں شام تک یہیں رہیں گے۔" ثمینہ نے کہا۔ "اس وقت آپ چلے جایئے۔ شام کو جب ہم باہر نکلیں تو ہمارے پیچھے پیچھے سڑک پر آجایئے۔ ہم آپ کو اپنی کوٹھی پر لے چلیں گے۔ وہاں کسی کی مداخلت کا اندیشہ بھی نہیں ہوگا۔ اگر آپ چاہیں تو رات ہمارے ساتھ کوٹھی ہی میں رہ سکتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے' یہ ٹھیک ہوگا۔" رفیق نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔ "میں اپنی بیوی سے بھی کہہ دوں گا کہ اپنے ایک دوست کے ہاں جا رہا ہوں' رات کو واپس نہیں آؤں گا۔"

"تو ٹھیک ہے۔ معاملہ طے ہو گیا۔" ثمینہ نے کہا۔ "اب آپ اپنے گھر چلے جایئے اور یہ بات ذہن میں رکھئے کہ اگر ہمارے یا شارق کے بارے میں ایک لفظ بھی آپ کے منہ سے نکلا تو ....." اس نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

بات رفیق کی سمجھ میں آگئی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھ کر چلا گیا۔ جاتے ہوئے بھی وہ ہوس بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ رضیہ اسے باہر تک چھوڑ کر آئی اور اسے باہر نکال کر دروازہ بند کر لیا۔ وہ تینوں شارق والے کمرے میں آگئیں۔

"کیا ہوا؟" شارق نے سوالیہ نگاہوں سے باری باری ان کی طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں۔" ثمینہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ شام کو ہمارے ساتھ جائے گا اور میں اس کا وہ حشر کروں گی کہ آئندہ وہ کسی عورت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔"

"تمہارے حشر کرنے کے بعد وہ کسی عورت کی طرف تو آنکھ اٹھا کر واقعی نہیں دیکھے گا لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ وہ پولیس کے پاس نہیں جائے گا؟"

"ہاں۔ یہ سوچنے کی بات ہے۔ اصل بات ہے بھی یہی کہ اسے پولیس کے پاس جانے سے روکنا ہے۔ ویسے ایک بات میرے ذہن میں آئی ہے۔" ثمینہ بولی۔

"وہ کیا؟" شارق نے پوچھا۔

"یہ بات تو سمجھ میں آگئی ہے کہ وہ بہت ہی گھٹیا اور کمینہ فطرت آدمی ہے۔ اپنی بیوی کو چھوڑ کر دوسری عورتوں کے پیچھے بھاگا پھر رہا ہے۔ رضیہ نے بتایا تھا کہ وہ کئی مرتبہ پٹ بھی چکا ہے لیکن یہاں مسئلہ عورتوں کے پیچھے بھاگنے کا نہیں' ہم سب کی سلامتی کا ہے۔ رفیق جیسے لوگ

بار بار ذلیل و رسوا ہونے اور پٹنے کے باوجود اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے۔ میں اسے عورتوں کے پیچھے بھاگنے کا سبق تو سکھا دوں گی لیکن اس بات کی واقعی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ وہ اپنی بے عزتی کا انتقام لینے کے لیے ہمارے بارے میں پولیس کو نہیں بتائے گا۔ میری تجویز یہ ہے کہ کیوں نہ اسے زیرزمین پہنچا دیا جائے۔" ثمینہ نے کہا۔

"رضیہ کی دوست بیوہ ہو جائے گی۔" شارق بولا۔

"وہ بہت خوش ہوگی۔" رضیہ بیچ میں بول پڑی۔ "وہ تو اس سے بہت تنگ آچکی ہے۔ آئے دن جھگڑے ہوتے رہتے ہیں۔ کئی مرتبہ اس سے طلاق کا مطالبہ کر چکی ہے لیکن رفیق کسی طرح اسے چھوڑنے کو تیار نہیں۔ وہ چھوڑ بھی کیسے سکتا ہے۔ خود تو نکھٹو ہے۔ کوئی کام دھندہ نہیں کرتا۔ بیوی کی کمائی پر پل رہا ہے۔ اس سے تنخواہ کا ایک ایک پیسہ لے لیتا ہے۔"

"تو ٹھیک ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "اسے ہم اپنی کوٹھی کی بجائے ملتان روڈ والی حویلی میں لے جائیں گے اور وہاں اس کا قصہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گے۔"

"ملتان روڈ والی حویلی!" شارق چونک گیا۔

"ہاں۔ میرے خیال میں وہی سب سے محفوظ جگہ ہوگی۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

"اسے وہیں دفن کر دیا جائے گا۔ کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔ نہ اس کی لاش ملے گی اور نہ اس کے قتل کے بارے میں کوئی بات ہوگی۔ اس کی بیوی بھی یہی سمجھتی رہے گی کہ شاید وہ اسے چھوڑ کر کہیں چلا گیا ہے۔"

"میں اس کی تائید کروں گی۔" رضیہ جلدی سے بولی۔ "اور میں بھی تم لوگوں کے ساتھ چلوں گی۔ آج کی میں چھٹی لے لوں گی۔"

"نہیں رضیہ۔" ثمینہ نے کہا۔ "تمہارا اسپتال کی حدود میں رہنا بہت ضروری ہے۔ وہ تم سے رابطہ رہتا ہے۔ ہو سکتا ہے اس کی گمشدگی کے بعد تم پر کسی قسم کا شبہ کیا جائے۔ اس لیے بہتر یہی ہے کہ تم اپنی ڈیوٹی پر رہو۔"

"ٹھیک ہے۔" رضیہ نے جواب دیا۔ بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔

شام سات بجے کے قریب رضیہ ڈیوٹی پر جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ ثمینہ اور شاہ پری بھی تیار ہو گئی تھیں اور پھر وہ تینوں اکٹھی ہی باہر نکلی تھیں۔ ان کی توقع کے عین مطابق رفیق اپنے کوارٹر کے دروازے پر کھڑا تھا۔ وہ یقیناً ان کے انتظار میں تھا۔

ثمینہ اور شاہ پری رہائشی علاقے والے گیٹ کی طرف جانے کی بجائے رضیہ کے ساتھ چلتی رہیں اور پھر رضیہ تو اپنے وارڈ کی طرف چلی گئی اور وہ دونوں اسپتال کے مین گیٹ کی طرف چلتی

چلی گئیں۔ گیٹ سے نکلنے سے پہلے ثمینہ نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ تقریباً بیس گز کے فاصلے پر رفیق بھی آرہا تھا۔

شام کے وقت اسپتال کے مرکزی گیٹ کے سامنے بڑی رونق تھی۔ ایک طرف خالی رکشے اور ٹیکسیاں بھی کھڑی تھیں۔ وہ دونوں گیٹ سے پانچ چھ قدم ہٹ کر کھڑی ہو گئیں۔ چند سیکنڈ بعد ہی رفیق بھی ان کے قریب آگیا۔ وہ کسی قدر گھبرایا ہوا سا لگ رہا تھا۔

"کہاں چلنا ہے؟ میں کسی ٹیکسی والے سے بات کروں۔" اس نے ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے سرگوشیانہ لہجے میں کہا۔

"ملتان روڈ..... یتیم خانے والے چوک سے تقریباً ایک میل آگے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

رفیق ایک ٹیکسی والے سے بات کرنے لگا۔ اس نے سو روپے کرایہ مانگا تو رفیق فوراً ہی تیار ہو گیا۔ ٹیکسی والا اگر ہزار روپے مانگتا تو بھی وہ تیار ہو جاتا۔ اس نے مڑ کر ثمینہ اور شاہ پری کو اشارہ کیا اور خود آگے والا دروازہ کھول کر بیٹھ گیا۔ ثمینہ اور شاہ پری پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئیں تو ٹیکسی حرکت میں آگئی۔

ٹریفک کے ہجوم کی وجہ سے ٹیکسی تقریباً ایک گھنٹے میں یتیم خانے والے موڑ پر پہنچ سکی تھی۔ آگے کا فاصلہ طے کرنے میں چند منٹ اور لگ گئے اور بالآخر ثمینہ نے ایک جگہ پر ٹیکسی رکوالی۔ ڈرائیور مشکوک نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ رفیق نے جیب سے سو کا نوٹ نکال کر ڈرائیور کے ہاتھ میں تھما دیا۔ ٹیکسی یو ٹرن لیتی ہوئی واپس چلی گئی۔

رفیق عجیب سی نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ یہ جگہ شہر سے خاصی دور تھی۔ سڑک کے دونوں طرف زرعی اراضی ختم ہو چکی تھی اور نئی بستیاں بن رہی تھیں۔ کوئی کوئی گھر آباد تھا جبکہ زیادہ علاقہ زیرتعمیر تھا۔

"یہ..... یہ تم مجھے کہاں لے آئی ہو؟" رفیق نے ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس کی آواز میں ہلکا سا خوف بھی تھا اور شبہ بھی۔

"محفوظ جگہ پر جہاں کسی کی مداخلت کا اندیشہ نہیں۔" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "دراصل یہاں ہم نے ایک زیرتعمیر مکان خرید رکھا ہے۔ آرام سے رات گزاریں گے اور صبح واپس چلے جائیں گے۔ تم نے اپنی بیوی کو بتا دیا تھا ناں کہ رات کو واپس نہیں آؤ گے۔"

"وہ اس وقت تک ڈیوٹی سے واپس نہیں آئی تھی۔ میں نے ایک پرچی لکھ کر چھوڑ دی تھا کہ اپنے ایک دوست کے پاس شاہدرہ جا رہا ہوں اور رات کو واپس نہیں آؤں گا۔" رفیق نے جواب دیا۔

سڑک پر اس وقت ٹریفک کی آمد و رفت جاری تھی۔ لاہور سے ملتان وغیرہ کی طرف جانے والی بسیں بھی گزر رہی تھیں اور دوسری طرف سے لاہور آنے والی بسیں بھی آگے پیچھے چلی جا رہی تھیں۔ سڑک پار کرنے کے لیے انہیں دو تین منٹ انتظار کرنا پڑا تھا۔

مختلف گلیوں سے ہوتے ہوئے وہ حویلی کے سامنے پہنچ گئے۔ آس پاس سناٹا تھا۔ تاریکی میں رفیق کو دو تین مرتبہ ٹھوکر لگی تھی۔ حویلی بھی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ شاہ پری نے رفیق کا ہاتھ پکڑ لیا اور اسے لے کر گیٹ سے چند قدم دور ہٹ گئی جبکہ ثمینہ دیوار کی کھوہ میں چابی تلاش کرنے لگی۔

ثمینہ دیوار کی کھوہ سے چابیوں کا گچھا نکال کر پھاٹک کے سامنے آگئی اور چھوٹے دروازے کا تالا کھولنے لگی..... اور پھر وہ رفیق کو ساتھ لے کر اندر آگئیں۔ ثمینہ نے دروازہ بند کر کے اندر سے تالا لگا دیا۔

رفیق کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تاریکی میں ادھر ادھر گھورنے لگا۔ اس کے دل میں پہلی مرتبہ خوف پیدا ہوا تھا کہ اس کے ساتھ دھوکا تو نہیں ہو رہا۔ ایسا تو نہیں کہ حویلی میں پہلے سے کچھ آدمی موجود ہوں لیکن پھر اس نے یہ سوچ کر دل کو تسلی دی کہ پھاٹک کا تالا تو ثمینہ نے کھولا تھا' اندر کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ صرف دو عورتیں تھیں اور اگر انہوں نے کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو وہ ان سے تو نمٹ لے گا۔

"آؤ..... رک کیوں گئے؟" ثمینہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم تو کہتی تھیں کہ زیرتعمیر مکان ہے۔ یہ تو مجھے کوئی بہت بڑی حویلی لگتی ہے۔" رفیق ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں۔ حویلی ہی ہے۔ اسے توڑ کر یہاں ایک ماڈرن کوٹھی بنائی جائے گی لیکن اس میں ابھی وقت لگے گا۔ آؤ..... رک کیوں گئے ہو۔" ثمینہ بولی۔

"یہاں تو شاید بجلی بھی نہیں ہے۔" رفیق آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

"بجلی بھی ہے اور بھی بہت کچھ ہے۔" ثمینہ نے جواب دیا۔

شاہ پری نے ثمینہ سے چابیاں لے لیں اور آگے جا کر برآمدے والا دروازہ کھول دیا۔ اس نے برآمدے کی بتی نہیں جلائی تھی بلکہ اندر داخل ہو کر کمرے کی بتی جلا دی۔ ثمینہ رفیق کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی۔ رفیق متجسس نظروں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ کمرے میں بان کی دو چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ کئی روز پہلے کے کھانے کے جھوٹے برتن پڑے ہوئے تھے۔ ثمینہ اور شاہ پری نے برقعے اتار کر ایک چارپائی پر پھینک دیئے۔ ثمینہ مسکراتی ہوئی نظروں سے رفیق کی

طرف دیکھنے لگی۔

"آؤ۔ تمہیں یہ حویلی دکھاؤں۔ یہاں جو کچھ بھی ہے' اسے دیکھ کر تمہیں حیرت ہوگی۔" ثمینہ نے کہا۔

وہ دونوں اسے حویلی دکھانے لگیں۔ شاہ پری ہر کمرے کی بتی روشن کرتی جا رہی تھی۔ ایک کمرے میں پہنچ کر رفیق ٹھٹک گیا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت سی پھیل گئی تھی۔ اسلحہ کی پیٹیاں اور ہیروئن کے پیکٹ نیچے اوپر رکھے ہوئے تھے۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا ہے؟" وہ خوفزدہ سے لہجے میں بولا۔

"تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ یہ کیا ہے۔" ثمینہ نے کہا۔ "اگر ہم چاہیں تو پورے لاہور کو دھماکوں سے اڑا سکتے ہیں اور شہر کے نوجوانوں کو ہیروئن کے نشے میں مبتلا کر کے چند روز کے اندر اندر مفلوج کر سکتے ہیں مگر ہم ایسا نہیں چاہتے۔"

"مگر تم لوگوں کے بارے میں تو یہی سنا اور اخباروں میں پڑھا ہے کہ تم لوگ منشیات کے اسمگلر ہو۔" رفیق بولا۔

"شروع میں ہم نے یہ دھندا کیا تھا۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "لیکن اب ہم دھندے کے خلاف ہیں۔ یہ اسلحہ اور ہیروئن ہم نے دوسروں سے چھینی ہے۔ تم نے ہماری اور حاجی عبداللہ کی جھڑپوں کے بارے میں بھی اخباروں میں پڑھا ہوگا۔ ہمارا جھگڑا یہی ہے۔ ہم حاجی کا یہ کاروبار بھی ختم کرنا چاہتے ہیں۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو' تم سب کچھ سمجھ بھی نہیں سکو گے۔"

وہ دوبارہ اس کمرے میں آگئے جہاں چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ رفیق ایک چارپائی پر بیٹھ گیا اور باری باری ثمینہ اور شاہ پری کی طرف دیکھنے لگا۔

"تم اخباروں میں پڑھ چکے ہو کہ پورے ضلع کی پولیس اور حاجی عبداللہ کے آدمی ہمیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں لیکن ہم ابھی تک کسی کے ہاتھ نہیں آسکے۔" ثمینہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنی باتوں اور اپنی سرگرمیوں کو ہمیشہ راز میں رکھا ہے۔ باہر کا کوئی آدمی ہمارے راز سے واقف ہوتا ہے تو ہم اسے سوچنے کا موقع دینے سے پہلے ہی موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔"

"کک۔۔۔ کیا مطلب؟" رفیق ہکلا گیا۔ اس کی آنکھوں میں خوف ابھر آیا تھا۔

"مطلب صاف ظاہر ہے۔" ثمینہ اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے بولی۔ "تم ہمارے راز سے واقف ہو گئے ہو اور تمہاری زندگی ہمارے لیے خطرہ ہے۔"

"مم۔۔۔ مگر۔۔۔ تم نے تو۔۔۔ کہا تھا۔۔۔"

"تم واقعی بے وقوف آدمی ہو۔" ثمینہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم واقعی تمہیں عیاشی کرانے کے لیے یہاں لائے ہیں۔ تم بے وقوف ہی نہیں بے غیرت بھی ہو۔ میں نے تمہاری بیوی کو دیکھا ہے۔ وہ مجھ سے زیادہ حسین عورت ہے لیکن تم بے وفا اور بے غیرت نکلے۔ دوسری عورتوں کے پیچھے۔۔۔۔۔"

ثمینہ جملہ مکمل نہیں کر سکی۔ رفیق نے اچانک ہی اس پر چھلانگ لگا دی۔ ثمینہ کو اس کی توقع نہیں تھی۔ وہ پشت کے بل دوسری چارپائی پر گری۔ رفیق کا خیال تھا کہ یہ عورتیں ہی تو ہیں' ان پر آسانی سے قابو پا لے گا لیکن یہ اس کی زندگی کی سب سے بڑی بھول تھی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ یہ عورتیں مردوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔

ثمینہ کے لیے رفیق کا یہ حملہ غیر متوقع تھا۔ وہ پشت کے بل چارپائی پر گری۔ رفیق بھی اس کے اوپر ہی گرا تھا۔ رفیق نے ثمینہ کے گلے پر پنجے گاڑ دیئے تھے اور وہ ثمینہ کا گلا گھونٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔

شاہ پری چند قدم دور کھڑی تھی۔ ایک لمحہ کو تو وہ کچھ سمجھ نہیں سکی۔ پھر دوسرے ہی لمحہ وہ برقی رو کی طرح حرکت میں آگئی۔ اس نے رفیق کی قمیض کا کالر پکڑ لیا اور اسے پیچھے کھینچنے لگی لیکن اس طرح اس کا مقصد پورا نہیں ہوا۔ اس نے قمیض کا کالر چھوڑ دیا اور اس کی گردن میں ہاتھ ڈال کر نیک لاک لگا لیا اور اس مرتبہ اسے مایوسی نہیں ہوئی۔

رفیق کا سانس گھٹنے لگا۔ ثمینہ کے گلے سے اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ ثمینہ نے اسے پوری قوت سے پیچھے دھکیل دیا۔ رفیق چارپائی سے نیچے گرا تو اس کے ساتھ ہی شاہ پری بھی گری تھی لیکن شاہ پری بڑی پھرتی سے سنبھل گئی تھی۔

رفیق پشت کے بل زمین پر پڑا تھا۔ اس کے ایک طرف ثمینہ کھڑی تھی اور دوسری طرف شاہ پری۔ وہ اب بھی ان کے بارے میں صحیح اندازہ نہیں لگا سکا تھا اور انہیں محض عورتیں ہی سمجھ رہا تھا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو شاہ پری کے پیر کی ٹھوکر اس کے سینے پر پڑی۔ وہ کراہتا ہوا پھر ڈھیر ہو گیا۔ ثمینہ نے جھک کر اسے گریبان سے پکڑ لیا اور اسے اوپر اٹھانے لگی۔ رفیق نے موقع پا کر اس کے پیٹ پر گھونسہ مارا۔ یہ گھونسہ ثمینہ کے پہلو میں لگا۔ وہ ایک بار پھر کراہ اٹھی اور لڑکھڑا گئی۔ رفیق اسے گرفت میں لینے کے لیے آگے بڑھا لیکن ٹھیک اسی لمحہ شاہ پری نے آگے بڑھ کر اس کے کولہے پر زوردار لات رسید کر دی۔ رفیق کراہ کر لڑکھڑاتا ہوا آگے گرا۔ اس کا منہ چارپائی کے پائے سے ٹکرایا۔ ناک پر چوٹ لگی تھی جس سے خون بہہ نکلا۔

اور پھر شاہ پری نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا۔ اس نے آگے بڑھ کر رفیق کو بالوں سے

پکڑ لیا اور اسے پیچھے گھسیٹنے لگی۔ اس دوران ثمینہ بھی سنبھل چکی تھی۔ اس نے رفیق پر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کر دی۔ شاہ پری نے رفیق کے بال چھوڑ دیئے اور وہ بھی اس پر لاتیں برسانے لگی۔ رفیق ان دونوں کے درمیان فٹ بال بنا رہا۔ ایک مرتبہ اس نے دروازے سے نکل کر بھاگنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن ثمینہ نے اسے راہداری میں پکڑ لیا تھا۔

"تم ہٹ جاؤ شاہ پری۔" ثمینہ نے شاہ پری کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا جو آگے آ رہی تھی۔ "اب میں اس سے اکیلی ہی نمٹ لوں گی۔"

"مجھے معلوم نہیں تھا کہ تم لوگ اتنے گھٹیا ثابت ہو گے۔" رفیق ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں نے غلطی کی۔ مجھے پولیس کو اطلاع دے دینی چاہیے تھی۔"

"تم پولیس کو اطلاع کیسے دے سکتے تھے۔" ثمینہ بولی۔ "تمہیں تو کچھ اور ہی ہوس تھی اور اس لالچ میں تم نے پولیس کو ایک خطرناک مجرم کے بارے میں اطلاع نہیں دی۔ یہ تمہاری زندگی کی آخری رات ہے۔ اب تم یہاں سے زندہ باہر نہیں جا سکو گے۔ زندہ کیا' تمہاری تو لاش بھی اس حویلی سے باہر نہیں جائے گی۔"

ثمینہ نے اچانک ہی چھلانگ لگا دی۔ رفیق غافل نہیں تھا۔ اس نے بچنے کے لیے ایک طرف چھلانگ لگا دی لیکن ثمینہ نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں' وہ فوراً ہی پلٹ گئی۔ اس مرتبہ اس کے پیر کی ٹھوکر رفیق کے پیٹ پر ذرا نیچے لگی تھی۔ اس کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی اور وہ پیٹ پکڑ کر دوہرا ہو گیا اور پھر ثمینہ نے اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا تھا۔

رفیق چیختا رہا اور ثمینہ اس پر لاتوں اور گھونسوں کی بارش کرتی رہی۔ شاہ پری قریب کھڑی یہ تماشہ دیکھتی رہی۔ رفیق جب اس کی طرف آتا تو وہ بھی ایک لات رسید کر دیتی۔ رفیق بری طرح چیخ رہا تھا۔

"ہم تمہیں چیخنے سے نہیں روکیں گے۔" ثمینہ نے ایک اور لات رسید کرتے ہوئے کہا۔ "اس ویرانے میں تمہاری چیخیں کوئی نہیں سنے گا اور اگر کسی نے تمہاری آواز سن بھی لی تو کوئی ادھر نہیں آئے گا۔"

شاہ پری بھی ایک بار پھر حرکت میں آ گئی۔ وہ دونوں رفیق پر لاتیں اور گھونسے برساتی رہیں۔ رفیق کے منہ اور ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ ادھ موا سا ہو کر رہ گیا۔ اب اس میں اپنا بچاؤ کرنے کی بھی سکت نہیں تھی۔ ثمینہ ایک طرف کھڑی اپنے بے ربط تنفس پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"شاہ پری۔" وہ شاہ پری کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔ "باہر درخت کے قریب کچھ رسیاں پڑی

ہوئی ہیں۔ دو تین لمبی رسیاں لے آؤ۔"

شاہ پری باہر نکل گئی۔ چند منٹ بعد وہ رسیاں لے کر آ گئی اور ان دونوں نے مل کر رفیق کے ہاتھ پیر باندھ دیئے۔ اس کے ہاتھ پشت پر باندھے گئے تھے تاکہ وہ انہیں کھولنے کی کوشش بھی نہ کر سکے۔

وہ دونوں اسے گھسیٹتی ہوئی باہر لے آئیں۔ رفیق چیخ رہا تھا۔ ثمینہ نے اس کی کھوپڑی پر لات رسید کر دی۔

"اب اگر تمہارے منہ سے آواز نکلی تو سر کچل دوں گی۔" وہ غرائی۔ پھر دونوں اسے گھسیٹتی ہوئی حویلی کے پچھلی طرف اس کنویں کے قریب لے آئیں جو عرصہ سے بند پڑا تھا۔ رفیق کو کنویں کی منڈیر پر ڈال دیا گیا۔

"خدا کے لیے مجھے چھوڑ دو۔" رفیق ثمینہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں وعدہ کرتا ہوں کہ کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔ میری زبان بند رہے گی۔"

"تمہاری زبان بند کرنے کے لیے ہی تو تمہیں یہاں لائے ہیں۔" ثمینہ نے جواب دیا۔ "ہم تمہیں ایسی جگہ بھیج رہے ہیں جہاں نہ تو کوئی تمہاری آواز سنے گا اور نہ ہی تمہاری لاش کسی کو ملے گی۔"

"نہیں نہیں' خدا کے لیے معاف کر دو۔" رفیق گھگھیایا۔

ثمینہ چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اس نے بڑے اطمینان سے ایک پیر منڈیر پر رکھا اور رفیق کو کنویں میں دھکیل دیا۔ رفیق کے منہ سے نکلنے والی آخری چیخ کنویں کی گہرائی میں گھٹ کر رہ گئی تھی۔ پھر شڑاپ کی آواز سنائی دی اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی۔

ثمینہ اور شاہ پری نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"خس کم جہاں پاک۔" شاہ پری نے کہا۔

"جہاں تو اس کے گندے وجود سے پاک ہو گیا ہے لیکن کنواں گندا ہو گیا۔" ثمینہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "چلو.....اب اندر چلیں۔"

وہ دونوں کمرے میں آ گئیں۔ اپنا حلیہ درست کیا اور برقع اوڑھ کر باہر آ گئیں۔ ثمینہ نے دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا۔ باہر آ کر انہوں نے پھاٹک کو بھی تالا لگا دیا۔ چابیوں کا گچھا اسی جگہ پر

رکھا اور دونوں تاریکی میں سنبھل سنبھل کر چلتی ہوئی سڑک کی طرف جانے لگیں۔
اس وقت رات کے دس بجے تھے۔ شہر سے باہر جانے اور باہر سے شہر آنے والی بسوں کی آمد و رفت اب بھی جاری تھی۔ تھوڑی ہی دیر بعد انہیں ایک بس مل گئی۔

بقیہ واقعات جاننے کے لئے ''دولت کے پجاری'' کے ساتویں حصے کا مطالعہ کریں۔
ہر قسم کے ناول، ماہانہ ڈائجسٹ، بچوں کی کہانیاں، عمران سیریز
آئیڈیل پبلک لائبریری
نزد گھنٹہ گھر کمالیہ ★ عظیم احمد طارق 0301-7263296 0334-9630911

ناگ بھون
معروف مصنف اقلیم علیم کے قلم سے لکھی گئی پہلی سلسلے وار کہانی، جس نے مقبولیت کے نئے ریکارڈ قائم کئے
انتقام پر تلی ہوئی زہریلی ناگنوں، جل کماری اور ناگ رانی کے طلسماتی تصادم میں گھرنے کے بعد ایک نئی زندگی حاصل کرنے والے محمد سلطان خان کی لرزہ خیز کہانی، جو اقلیم علیم نے اسی کے الفاظ میں بیان کی ہے۔
دو جلدوں میں۔ جلد اول -/175 جلد دوئم -/175 مکمل سیٹ -/350 روپے
اسٹاکسٹ
مکتبہ القریش ○ سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور۔ فون 7668958
E.mail: al_quraish@hotmail.com